[illegible]

کمال اتاترک

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی بہترین سوانحعمری

مصنّفہ

استاذ محمدؐ توفیق

مترجمہ

مرزا اکرم الٰہی خاموش

پبلشرز

شیخ غلام علی اینڈ سنز ایجوکیشنل پبلشرز لاہور

تیسرا ایڈیشن ۱۰۰۰ قیمت مجلد ۸عہ

پہلا ایڈیشن جنوری ۱۹۳۹ء ۲۰۰۰

دوسرا ایڈیشن فروری ۱۹۳۹ء ۱۰۰۰

تیسرا ایڈیشن (مع اضافۂ جدیدہ)

جنوری ۱۹۴۰ء ۱۰۰۰

ملنے کا پتہ

شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب

کشمیری بازار (مالکانِ علمی پرنٹنگ پریس) لاہور

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ

دوسرا باب

جہاد اور خود مختاری

مضمون	صفحہ
مصطفیٰ کمال کا قاتل بعید فی الدارین ہے	
حکم کا اجرا	
اللہ تیرا ہے فاطمہ	
وقت کا ہیرو دنتہ بلاس	
غدار اور ہم کے لئے بربادی	
عصمت اینونو ہیں	
انگورہ کے دن اور راتیں	
ماتم عظیم	
معرکہ سقاریہ	
ہم نے ابھی فتح نہیں پائی	
آگے کو	
بے نظیر فریب	
مصطفیٰ کمال کو جیسا کہ میں جانتا ہوں	
تیسرا باب ۔ عہد جدید	
قاصد انگورہ استنبول میں	
سلطنت کا خاتمہ	
وحید الدین کا حشر	
عصمت لوزان میں	
کمال سیاسی جماعت کی بنیاد ڈالتا ہے	
جمہوریت کا اعلان	

مضمون	صفحہ

(چکیدۂ کلک حضرت نشترؔ جالندھری)

میں نے اس کتاب کو شروع سے آخر تک نہایت غور سے پڑھا مجھے اسمیں دو نمایاں خصوصیتیں نظر آئیں۔ اوّل یہ کہ غازی مصطفیٰ کمال پاشا کو جس رنگ میں جمہور کے سامنے پیش کرنا چاہیئے تھا اسی رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ نہ ان کی بے جا تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے گئے ہیں۔ اور نہ غیر موزوں حرف گیری کر کے انہیں ان کے بلند مقام سے نیچے گرایا گیا ہے۔ جو کچھ لکھا گیا ہے۔ واقعیت و حقیقت کی بنا پر لکھا گیا ہے۔ اور تصویر کے دونوں رُخ پوری طرح نہایت قابلیت سے دکھائے گئے ہیں ÷

دوسری خصوصیت یہ ہے۔ کہ انداز بیان نہایت اچھوتا اور نادر ہے۔ آپ کتاب اُٹھا کر یونہی ورق اُلٹ پلٹ کیجئے۔ اور کہیں سے پڑھنا شروع کر دیجئے۔ اس قدر لطف آئے گا کہ معاً آپ کے دل میں خیال پیدا ہوگا۔ اسے اوّل سے آخر تک پڑھنا چاہئے پھر آپ جونہی "سرنامہ" پر نظر ڈالیں گے۔ بس کتاب ہی کے ہو جائینگے۔ اور اس کی گوناگوں دلچسپیاں آپ کو دنیا و مافیہا سے بے خبر کر کے مطالعہ میں اس قدر محو کر دیں گی۔ کہ کچھ دیر کے لئے آپ اور ہی عالم میں پہنچ جائیں گے۔ یہانتک

کہ کتاب کا آخری فقرہ "شاید وہ کمال اتاترک ہے"! آپ کے جسم کو جھٹکا دیکر جھنجھوڑ ڈالے گا۔ پھر ہوش آئے گا۔ کہ ہیں! میں ابھی کس دنیا میں تھا۔ اور اب کس دنیا میں آ گیا ہوں۔ ساتھ ہی یہ حسرت بھی دل میں چٹکیاں لے گی۔ کہ کاش۔ یہ لذیذ حکایت دراز تر ہوتی۔ اور وہی کیف و سرور کی حالت اور تھوڑی دیر تک دل و دماغ پر طاری رہتی۔

مطالعہ کے دوران میں آپ ایسا محسوس کرینگے۔ کہ کوئی نہایت دلچسپ افسانہ پڑھ رہے ہیں۔ اور کبھی کبھی اسلوبِ ادا کی انتہائی دلکشی آپ کو ایسی بھول بھلیاں میں لے جا کر گم کر دے گی کہ آپ "سمجھنے لگیں گے" کوئی عجیب و غریب ڈرامہ ہو رہا ہے۔ اور میں خود اس میں ایک ایکٹر کی حیثیت سے پارٹ کر رہا ہوں"۔ یہ پیرایۂ بیان انشا پردازی کا وہ منتہائے کمال ہے جسے واقعہ نگاری کی معراج کہنا چاہیے

تعلیمی و افادی اعتبار سے بھی کتاب کا مرتبہ نہایت بلند ہے۔ مطالعہ سے طبیعت میں ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ رگ رگ میں زندگی کا جوش کروٹیں لینے لگتا ہے اور جب قاری دیکھتا ہے۔ کہ کس طرح ایک غریب محرّر کا بیٹا جس کے سر سے بچپن ہی میں باپ کا سایہ اُٹھ جاتا ہے۔ اپنی فطری قابلیت اور زورِ بازو سے بساطِ خاک سے اُٹھ کر تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہو جاتا ہے۔ تو اس کے دل میں ترقی کی امنگ پیدا ہو کر آہستہ سے کان میں کہتی ہے۔ کہ "تو بھی انسان ہے۔ اور مصطفیٰ کمال بھی انسان تھا پس اُٹھ اور کمر ہمت باندھ کہ ترقی کی شاہراہ پر

گامزن ہوجا۔ اولوالعزم انسانوں کے اٹل ارادوں کی ساحرانہ قوت سے کانٹے پھول اور پہاڑ میدان بن جاتے ہیں۔ دریا پایاب ہوجاتے ہیں ؎

منزل آپ آئیگی چلکر بادیہ پیما تو ہو
سلطنت زیرِ قدم ہوگی جہاں دار تو ہو"

چنانچہ وہ اس آواز کی روشنی میں قدم آگے بڑھاتا ہے۔ یہاں تک کہ سنگلاخ راہوں اور دشوار گزار گھاٹیوں کو طے کر کے منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔ تاریخ عالم میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ کہ ترقی طلب لوگوں نے بڑے آدمیوں کے سوانح حیات کا مطالعہ کیا۔ اور ان کے نقش قدم پر چلکر خود بھی بڑے آدمی بن گئے ؁

اصل کتاب عربی میں ہے۔ اور اس کی تصنیف کا سہرا ادیب جلیل محمد محمد توفیق مصری کے سر ہے۔ حق یہ ہے۔ کہ "کمال اتا ترک" کے مطالعہ کا پورا پورا لطف عربی داں حضرات ہی اٹھا سکتے ہیں۔ اور کوئی مترجم خواہ دنیا کی کسی زبان میں اس کا ترجمہ کرے۔ اس میں اصل کتاب کی خوبی پیدا نہیں ہوسکتی۔ ترجمہ کا یہ ہمہ گیر اصول ہر زبان پر حاوی ہے۔ لیکن مترجم کا کمال یہ ہے۔ کہ اصل تصنیف کے تمام الفاظ بھی محفوظ رکھے۔ اور محاورے کی صحت و فصاحت کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دے۔ نیز ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ ترجمہ الیسا رواں و بے تکلف ہو۔ کہ اس پر تصنیف کا دھوکا ہوجائے۔ جب اس معیار کے پیش نظر مرزا کرم الٰہی صاحب خاموش کے اس

ترجمہ پر ناقدانہ نظر ڈالی جاتی ہے۔ تو بلا خوف لومتہ لائم اور بلا اندیشہ تردید کہنا پڑتا ہے کہ ترجمہ کامیاب ہے۔ اور اس میں اصل تصنیف کی تمام خوبیاں پوری شان سے جلوہ گر ہیں۔ اس کامیابی کے لئے مرزا صاحب موصوف مستحق مبارکباد ہیں۔

مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں۔ کہ میں نے آج تک اردو زبان میں نہ صرف کمال اتاترک رح کی بلکہ اور کسی جلیل القدر ہستی کی بھی سوانحعمری کمال انشا پردازی کے اعتبار سے اس سے بہتر نہیں دیکھی۔ اور میرے خیال میں دنیا بھر کے ناقدین ادب کا یہ متفقہ فیصلہ بالکل درست وحق بجانب ہے۔ کہ عربی زبان میں محمد محمد توفیق مصری کی سوانحعمری "کمال اتاترک" غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی بہترین سوانحعمری ہے۔ اس کتاب کے طابع وناشر بھی سزاوار تہنیت ہیں۔ کہ ان کی نظر انتخاب اس نادر الوجود کتاب پر پڑی۔ اور انہوں نے اسے شائع کر کے اردو زبان پر احسان عظیم کیا۔ ملک کے تمام صوبوں کی ٹیکسٹ بک کمیٹیوں کو چاہئے۔ کہ اس کتاب کو جو اردو ادب میں ایک نہایت گراں بہا اضافہ ہے۔ مدارس کیلئے منظور کریں۔ اور مترجم وناشرین کی حوصلہ افزائی کر کے اپنی علم دوستی و بالغ نظری کا ثبوت دیں۔

مُقَدّمَہ

(از جناب فکری باظہ صاحب محامی قاہرہ)

میں مدّت دراز تک باقاعدہ صاحب قلم اور اس کتاب کے مصنّف کی رفاقت سے سعادت یاب و مسرت اندوز ہو چکا ہوں اس لئے اس کی خصلت کا حل ایک کلمہ میں کر سکتا ہوں۔ کہ وہ از سرتا پا "روح" ہے جوشِ خون اور ارواح زندہ رکھنے والی ہستیاں عمل بدنی اپنے اعصاب سے انجام دیتی ہیں۔ اور عملِ ذہنی اپنے خون و شریان سے، پھر جب وہ لکھنے کے لئے قلم اٹھا کر قارئین کے واسطے مسائل حل کرتی ہیں۔ تو جنگ. صراحت. وضاحت اور زندگی کی تصویر آپ کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ کیونکہ جوشِ خون اور روح زندہ رکھنے والا انشا پرداز اپنے اسلوب تحریر کو سُستی۔ بے جوشی یا جمود کی طرف نہیں لے جاتا۔ بلکہ اس کے الفاظ آپ کے سامنے کھیلتے ہیں حرکت کرتے ہیں۔ اور بیک وقت اُن کے صوت و معنی ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ الفاظ جملوں۔ اسلوب اور معانی کو جوں ہی جنبش ہوتی آپ کو بھی ساتھ ہی جنبش ہوتی ہے۔ مصنّف کی روح متحرکہ آپ کی روح کو حرکت دیتی ہے۔ اس کا بدن آپ کے بدن کو جوش میں لاتا ہے۔ اور اُس کی عقل آپ کی عقل کو

شعور بخشتی ہے ۔ اس طرح کتاب ختم ہو کر شگفتگی وا ثر کی چوٹی پر پہنچتی ہے ۔ وہ کتاب اعجاز ہوتی ہے +

پھر کیوں نہ ہو ۔ جب مصنّف ترکی الاصل ہو ۔ اور موضوع تصنیف بطل اتراک مصطفیٰ کمال کی مؤثر د باعمل ہستی ؟

موضوع بذاتِ خود کھینچکر مصطفیٰ کمال کو جنگ ۔ وطنیت خطرات ۔ اقدام ترکتازی ۔ دہشت خون ۔ وفا اور پھر کامیابی کی طرف لے جاتا ہے +

یہ ہیں دلچسپی و تاثیر کے وہ عناصر جنہیں قصّوں اور کہانیوں کے رنگ میں سیاست ۔ منصوبہ بازیوں اور اصلاحات کا لباس پہنایا گیا ہے اور سب کو ایک کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے ۔ جو اس سال کی تمام تصانیف میں قابل صد حیرت و رشک تصنیف ہے +

جہاں تک میرے اور میرے دوست کے درمیان اس تازہ موضوع پر بحث ہوئی ۔ کہ دنیا کی ان تین عظیم الشّان ہستیوں میں سے کون سی عظمت و فضیلت میں سب سے بڑھ کر ہے ۔ مسولینی ۔ ہٹلر یا مصطفےٰ کمال ؟ بحث طول کھینچتی ہے ۔ دلیلوں میں اختلاف ہوتا ہے ۔ لیکن آخر بطلِ ترکی ہمیشہ اپنا جھنڈا اپنے ہمعصروں سے بلند اڑاتا اور ہر طرح ظفریاب ہوتا ہے +

مسولینی ایک ایسی حکومت کے درمیان بڑھا جو اوّل درجہ کی تھی نہ خارجی مسلح افواج سے جنگ تھی ۔ اور نہ تمام حکومتوں کی متّفقہ سازشیں اس کے خلاف بغض

بلکہ ایک شکستہ قوم اور حکومت سے غافل عمّال کی اصلاح مدِّ نظر تھی۔ پھر اُس کے مُلک کی ثقافت اور دولت و ثروت نے اُس کی مساعدت کی۔ اس طرح وہ بہ آسانی کامیاب ہو گیا ٭

ہٹلر علم پرور و درد مند قوم کے درمیان ظاہر ہوا۔ قوی بازو اُسے مدد کیلئے آمادہ ملے۔ نوجوان قوم پشت پناہ ہوئی۔ بیدار مغز ہستیاں اُسکے دست و بازو بنی ہوئی تھیں۔ اِس لئے کامیاب ہوا ٭

ان دونوں کا مقابلہ فی الواقع آسان مقابلہ تھا۔ لیکن بطل ترکی کا مقابلہ تمام حکومتوں سے تھا۔ اس لشکر سے تھا۔ جو ترکی کے آخری حصّوں سے چل کر قلب تک پہنچ چکا تھا۔ اس کا مقابلہ اپنی حکومت۔ اپنے سلطان اور اپنے خلیفہ سے تھا۔ اس کا مقابلہ اندرونی دسیسہ کاریوں اور منصوبہ بازیوں سے تھا۔ اس کا مقابلہ فقر فاقہ۔ افلاس اور ہولناک بدبختی سے تھا۔ اس کا مقابلہ اپنے احباب سے بلکہ داخل و خارج تمام دنیا سے تھا۔ اس سے توقع رکھی گئی تھی کہ وہ ایک ایسا سپاہی ہو۔ جو بالفعل میدان میں لڑے۔ ایسا جرنیل ہو جو خطّہ بنائے۔ دفاع کی تنظیم کرے۔ اور پھر حملہ آور ہو ایسا تحصیلدار ہو جو امدادی چندے جمع کرے۔ ایسا خطیب ہو۔ کہ پارلیمنٹ اور پبلک کو اثر میں ڈبو دے۔ ایسا محرّر ہو۔ کہ کمال قابلیّت سے اپنے خیالات کو دلوں پر نقش کر دے۔ ایسا مدبّر ہو جو حکومت و سلطنت کی تمام منصوبہ بازیوں کو رد کرے۔ اور خلافت اس کے مددگاروں اور دسیسہ کاریوں کو مٹا دے۔ سطح بین نظروں کے

لئے نہ صرف اپنی مملکت بلکہ تمام عالم اسلامی میں عداوت دین سے متہم باغی ہو۔ اور
ایسا سیاست دان ہو کہ مجالس کی مدبرانہ چالوں پر فتحیاب ہو۔ یہ تمام مختلف نوع
اور مختلف قسم کے بار گراں تاریخ کے دقیق و خطرناک موانع پر اس کے کندھوں پہ
رکھے گئے تھے۔ لیکن بایں ہمہ اس نے صبر کیا۔ جمارہا حتیٰ کہ مظفر و منصور ہوا۔

میرا دوست پروفیسر محمد محمد توفیق ان تمام حیرت انگیز عطیات کو ظاہر
کرنے میں کامیاب ہوا۔ نہ اپنے قلم و اسلوب سے بلکہ اپنے اعصاب و خون سے
اور اس فوق العادۃ پارٹ کو سمیٹ کر جمع کرنے پر قادر ہوا۔ جو تھوڑی مدت میں
اس عبقریت ترکی نے انجام دیا۔ پھر اس کی فطرت ادیبانہ سلیقہ کا گوشہ گوشہ بے نقاب
کرکے اس کی عام خوبیوں سے قطع نظر کیا۔ اور ان ممتاز محاسن کے چہرے سے
پردہ اٹھایا۔ جو اسی مرد عجیب کے لئے مخصوص ہیں۔ دیکھو۔ وہ دانیال کے ہیرو
کو کس طرح میدان آتش کے درمیان اپنی رائے پر مستقل رہا۔ اپنے خطہ کا نفاذ
اپنی ذمہ داری پر کیا۔ اور جرمن جرنیل کے حکم پر بھی نہیں مڑا۔ پھر کامیاب ہوا
اور انگریزوں کو پامال کیا۔ اسے دیکھو۔ اتحادی حکومت اوج عزت پر ہے۔ پھر
بھی ان کی تجاویز کی مخالفت کرتا ہے۔ اور نہیں ڈرتا۔ اسے دیکھو۔ کس طرح
جرمنوں سے نہیں چھپاتا۔ کہ انہیں پامال و شکست خوردہ دیکھتا ہے۔ اور
اس کی جرأت یہاں تک پہنچتی ہے۔ کہ ہنڈنبرگ اور لانڈروف بلکہ قیصر سے
انجام پر بحث کرتا ہے۔ یہ مرد ذی شان اپنی عقل کا احترام کرتا ہے۔ اور تنہا وہ

شخص ان زعما کے لئے اعلیٰ مثال ہو سکتا ہے۔ جو اپنی زندگیاں قربان کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں محض قوت یقین پر اعتماد کرنا چاہیئے ؎

تم اس قیمتی کتاب میں فوجی کارنامے نہیں پڑھو گے۔ جو خدا کی عنایت و رعایت سے اُسے حاصل ہوئے۔ بلکہ تمام قوم کا جہاد پڑھو گے۔ اور تعجب کرو گے کہ ایک فائق سپاہی کیونکر بیک وقت کاتب فائق۔ مدبر فائق خطیب فائق اور مصلح فائق بن سکا۔ اور اس مرد آہنیں کے ہاتھ کس طرح اپنی انگلیوں سے تمام نرم سخت اور باریک نواح کو گرفت میں لینے پر قادر ہوتے پھر مرض ڈھونڈتا ہے۔ اور دوا تجویز کرتا ہے جو شفا کی ضامن ہوتی ہے۔ اور پھر۔ کیا یہ معجزات قدرت میں سے ایک معجزہ نہیں۔ کہ ایسی شہنشاہیت کی شکستگی میں سے جسے مانا اور عداوت یورپ فنا کر چکی ہو۔ اور گزشتہ فرمانرداؤں کے کرم حس کی ہڈیوں کو کھا چکے ہوں۔ ایک نوجوان و مہیب صورت سلطنت کی تخلیق خدا مصطفیٰ کمال کے سپرد کرے ؎

زیر نظر کتاب واقعی پرلطف کتاب ہے۔ لیکن ان زعما کے لئے نہایت قابل معلم بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جو اپنے وطن میں نشو و نما کے محرک ہیں اسلئے میں بچوں۔ لڑکوں۔ لڑکیوں۔ مردوں اور عورتوں کو یکساں طور پر نصیحت کرتا ہوں۔ کہ یہ کتاب ضرور پڑھیں۔ اور بار بار پڑھیں۔ اور ان سب سے پہلے زعما۔ کو نصیحت کرونگا۔ کہ اس کتاب سے استفادہ کر کے سبق حاصل کریں ؎

میں مصنف سے پہلے قارئین کو اس تحفۂ بے نظیر کے لئے تہنیت پیش کرتا ہوں۔ اور دعا ہے۔ کہ میرے دوست و ہمقلم کی حیات ادبی مستقبل میں اسی طرح کے موضوع اختیار کرتی رہے۔ اور ہمیشہ اس پر اس توفیق کی ارزانی رہے۔ انشاء اللہ ؎

مقدمۂ مصنّف

میں اشاعتِ کتاب سے پہلے مدّت تک متردّد رہا ہوں۔ اور شاید اس میں یہ بھید ہے۔ کہ مصطفیٰ کمال کی تصویر بر ذہنِ قاری ہیں نقش کرنے سے پیشتر میری خواہش تھی۔ کہ جو کچھ اس کے متعلق لکھا یا کہا گیا ہے۔ اسے جانچ لوں*

میں اس کتاب ہیں دو مختلف شخصیتوں کا حامل ہوں۔ ایک تو ایسے جامعی کی شخصیت جس نے صرف ایسے مصدر و مرجع پر اعتماد کیا ہو۔ جو باوثوق و قابلِ اعتماد ہوں۔ اور انہیں کتاب میں بھرنے کی کوشش کی ہو۔ دوسری شخصیت میں ایسے صحافی۔ ادیب مصوّر یا جو بھی آپ اُسے کہیئے اکی حیثیت سے پیش ہوا ہوں۔ جو جامعیت کی علیحدگی کا مقابلہ شدّت سے کر کے اپنے آپ کو خوش کرنا چاہتا ہو گو اس کتاب ہیں لکھی ہوئی ہر سطر کی بنا وسیع مطالعہ پر ہے اس طرح مکمل و دقیق مطالعہ سلیس و جدید طریقہ سے ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں*

اس کتاب میں میرا یہ کام نہیں۔ کہ جمہوریت ترکیہ کے اعمال عامہ قلمبند کروں۔ یہ ایک اور کتاب کا موضوع ہے۔ جو مَیں عنقریب شائع کرنے والا ہوں بلکہ یہاں میں "مصوّر" ہوں۔ ہاں مصوّر۔ جو تاریخ کے اس عظیم الشّان شخص

کا محض خاکہ تیار کرتا ہے۔ میں خوش ہوں کہ اپنے وسیع مطالعہ کی یاد کا اعادہ کر کے ... اُن حضرات کی خدمت میں سپاس و تشکر کا ہدیہ پیش کروں۔ جنہوں نے اس کام کی تیاری میں مجھے مدد دی ہے۔ اور سب سے پہلے فہرستِ تشکر میں اس خاتون ذی شان کا ذکر کروں۔ جس کے احسان کا اعتراف میرے دل میں اسی وقت سے جاگزین ہے۔ جب میں نے اس تاریخ کو لکھنے کا خیال کیا۔ وہ خاتون نسلِ شاہی سے بڑے اور گہرے دل والی بایان شریفہ گورخاں ہے۔ پھر ترکی کے سابق وزیر داخلیہ الحاج عادل بے مرحوم کی یاد تازہ کرنے کا موقع بھی ہاتھ سے نہیں جانے دونگا۔ مرحوم نے مجھے بہتر حوالجات سے آگاہ کر کے بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اسی طرح ترکی کے شاعر اعظم محمد عاکف بے اور مرد بزرگ رؤف بے کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے نئی اور قیمتی معلومات سے میری کتاب میں اضافہ کیا۔ اور ترکی کی وطنی تحریک کے وہ راز مجھ پر ظاہر کئے۔ جو ابھی تک آشکارا نہیں ہوئے۔

سر نامہ

اللہ۔ وہ آدمی !

چہرے کی ہڈیاں نکلی ہوئی

پیشانی اُبھری ہوئی

بھویں گہری اور بے ترتیب

آنکھیں بھیڑیے کی طرح چمکیلی

جنمیں جادو بھی ہے

خوف بھی ہے

قساوت بھی ہے

اور غریب بھی

اعصاب فولاد کے۔ ارادہ آہنی۔ روح کبھی آتشی۔ کبھی برقانی

آواز بتبر کی طرح دلنشیں

اور نظر دُور و نزدیک ہر جگہ پہنچنے والی

اس کا قد درمیانہ ہے۔ لیکن آپ کو ایسا معلوم ہوگا۔ کہ کوئی پرہیبت دیو ہے

جو میدان آہن و آتش میں رہنمائی کیلئے پیدا ہوا ہے۔
زمین کا ہر گز اور ہر بالشت اس کی جولان گاہ اور اس کی گردش
گردشِ پرکار۔

اس کے نزدیک موت و پیدائش میں کوئی فرق نہیں۔ بچہ پیدا ہوتا ہے
تو اُسے بحرِ حیات میں پھینک دیتا ہے۔ اور جوان ہوتا ہے۔ تو فوجی وردی پہنا کر
میدانِ جنگ میں دھکیل دیتا ہے۔

اپنے کتب خانہ میں اُسی طرح بیٹھتا ہے جس طرح نقشۂ جنگ پر۔ اور
اپنی قوم کو تمدن کی جانب اُسی طرح لے جاتا ہے جس طرح میدان جنگ کی طرف۔
اور ان دونوں حالتوں میں وہ آہن و برف کا جما ہوا ایک خاموش ٹکڑا ہے۔ وہ
اسی وقت سے سالار ہے۔ جب فوج میں نوخیز تھا۔

اس کے ایک قدیم شناسا نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ ایک رات ہم سالونیکا
کے ہوٹل یونیوں بار میں بیٹھے جَو کی شراب پی رہے تھے۔ اور حالاتِ بغاوت اور
عبدالحمید کی علیحدگی کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ ہماری نشستگاہ میں قائدین
فوج اور بڑے بڑے افسر بھی موجود تھے۔ جب ہم گفتگو و مباحثہ میں منہمک تھے
تو یکایک دروازہ کھلا۔ ایک پُر ہیبت و پُر اسرار چہرہ نظر آیا۔ اور مصطفیٰ کمال نشستگاہ
میں داخل ہوا۔ ہمارے بدن کے رونگٹے اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے کوئی خوفناک
سانپ جنگل کی جھاڑیوں میں سے نکل کر ہمارے سامنے آ گیا ہو ....

ہم خاموش ہو گئے۔ وہ ہمارے قریب آیا۔ اور بیٹھ گیا۔ پھر اپنی نیر کی سی دلنشیں آواز میں بولنے لگا۔ ہم سب گوش بر آواز ہو گئے۔ اور میں قسم کھاتا ہوں۔ کہ ہمارے بڑے بڑے افسروں نے بھی اپنے کان اس کی گفتگو پر لگا دیے۔ تاکہ اس نوجوان کی باتیں جو سیسہ کی طرح بہ رہی تھیں سنیں۔ مجھے یاد نہیں۔ کہ اس نے اس وقت کیا کہا۔ لیکن یہ یاد ہے۔ کہ مجھے اس کی شخصیت میں مستقبل کا ایک رہنما نظر آیا ؛

منطق اس کے نزدیک ہتھوڑی ہے۔ جسے وہ ہر چیز پر مارتا ہے ؛

اپنے تذکروں میں وہ ہمیں بتاتا ہے۔ کہ "جمال بے ابعد میں پاشا نے سالونیکا کے کسی اخبار میں اپنا ایک مقالہ دستخطوں کے بغیر شائع کیا۔ ہم دونوں اپنے دفتر سے اکٹھے نکلے "۔ اولمپس کلب" کی طرف جانے کے لئے ٹرام پر سوار ہوئے جمال بے نے ہاتھ بڑھایا۔ اور مجھے اخبار دیکر کہنے لگا۔ کیا تم نے یہ افتتاحیہ پڑھا ہے ؛

—— بالکل نہیں —— ؛

—— پڑھو —— ؛

جب میں مقالہ پڑھ کر فارغ ہوا۔ تو اس نے اس کے متعلق میری رائے پوچھی۔ میں نے جواب دیا ؛

—— ایک معمولی افتتاحیہ ایک معمولی اخبار نویس کے قلم سے ؛

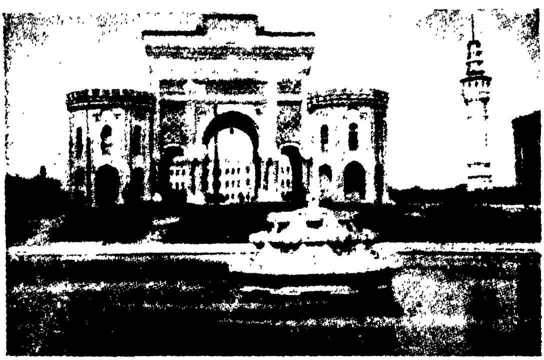
"وہ کہنے لگا۔ یہ کیا لغویت ہے؟ افتتاحیہ میرے قلم سے ہے ....

"میں نے جواب دیا۔ معافی کا خواستگار ہوں۔ مجھے معلوم نہ تھا۔

"لیکن جمال بے آپ ایسی راہ پر چل رہے ہیں۔ جو آپ کے مقالہ کی طرح کے چند معمولی خرابیوں کا مجموعہ ہے۔ ایسے کام کی نہ کوئی قیمت ہے۔ نہ قدر۔ آپ کو چاہیے کہ ہماری موجودہ حالت کا مطالعہ گہری نظر سے کریں۔ اور آپ اس امر لازمی پر متفق ہونگے۔ کہ مرد کو اپنے عقیدہ و مسلک پر فنا ہو جانا چاہیئے۔ اگر آپ نے کسی کی رضا یا کسی کے استحجاب سے امداد و قوت چاہی تو میں نہیں جانتا آپ کا کیا حال ہوگا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ آپ کا مستقبل مضبوط بنیاد پر قائم نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہمارے سامنے ایک وسیع عالم ہے۔ جس میں ہم حوادث سے نہیں ٹکرائے۔ اور اس عالم میں بہت سے لوگ ناپختہ خیالات سے بھرے ہوئے ہیں۔ عظمت اس کا نام ہے۔ کہ اپنے طریق پر گامزن ہوتے وقت کسی کی طرف نگاہ نہ اٹھائیں کسی کو نہ بہکائیں۔ صرف اس کمال کو اپنا نصب العین بنائے رکھیں۔ جو آپ کا وطن آپ سے چاہتا ہے۔ اور اپنی سعی کے تیر بے خوف و خطر نشانے پر لگائیں۔ آپ کی راہ میں کچھ لوگ رکاوٹ ڈالنے والے ہونگے۔ اُن کا مقابلہ قوی ہمت اور پختہ عزم ہو کر کریں۔ اور ان مشکلات کو اس عقیدہ پر قائم رہ کر دور کریں۔ گویا آپ بالکل ناتوان و عاجز اور چھوٹے ہیں۔ اور کسی انسان کی اعانت حاصل کرنے سے ناامید۔ نہ اس اعتقاد پر کہ آپ بڑے ہیں۔ اور شاندار کام انجام دینے پر



غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا محل



قسطنطنیہ کی یونیورسٹی کا دروازہ بایزید چوک میں

قادر۔ اس کے بعد اگر آپ سے کہا جائے۔ کہ آپ بڑے آدمی ہیں۔ تو اُن کے قول کو تمسخر میں اُڑا دیئے "

وہ محض جوشیلا اور خیالی آدمی نہیں۔ بلکہ کارکن اور خنک مزاج ہے۔ ایک ترکی افسر مندرجہ ذیل قصہ اُسکے متعلق بیان کرتا ہے "اُس وقت جنگ بلقان شروع تھی۔ کہ کمال گھوڑا دوڑائے میدان جنگ میں نمودار ہوا۔ اور اپنے ایک دوست افسر کو دیکھا۔ کہ بلندیوں پر گھوڑا دوڑاتا چلا جا رہا ہے۔ کمال نے اُسے آواز دیکر پوچھا:۔

—کہاں ؟

—محاذِ جنگ کو ؟

—کیوں ؟

—ایک اہم و خفیہ مہم میرے سپرد ہوئی ہے ۔

—کیا تم دیوانے ہو ؟

—کیوں ؟

—تم کیوں صفِ دشمن کیطرف جا رہے ہو۔ جب جانتے ہو۔ کہ سو فیصدی تمہارے زندہ بچ آنے کی اُمیّد نہیں ۔

—پھر میں کیا کروں ؟ فوجی حکم ہے اور سپاہی اطاعت حکم کے سوا کیا کر

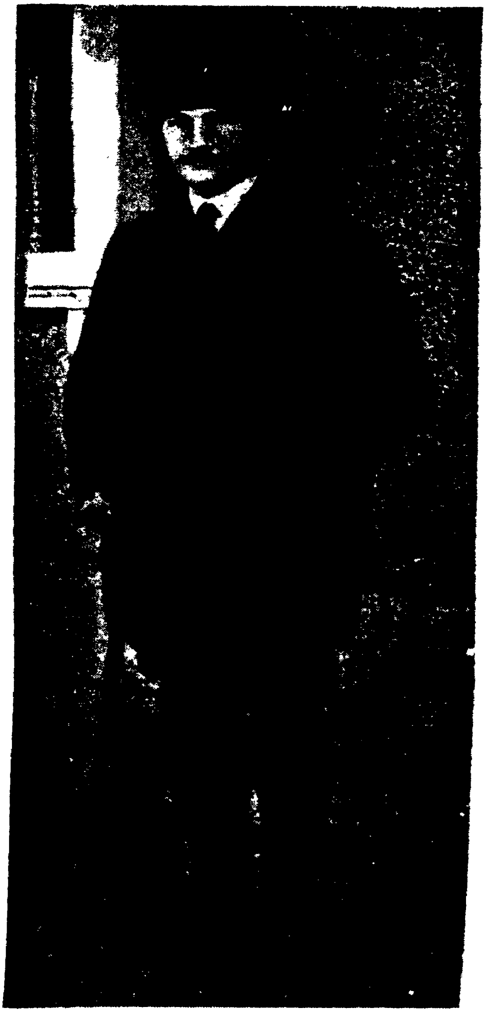
سکتا ہے ؟

مصطفیٰ کمال چلایا "میں ایسے فوجی حکم کو نہیں جانتا۔ اور کسی کو اپنے سامنے ایسا تمسخر کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا" پھر جلد لوٹ کر قائد اعلیٰ کے خیمہ میں چلا گیا۔ اس حال میں کہ فرطِ غضب سے بے قابو تھا۔ چند منٹ کے بعد باہر نکلا۔ تو یہ "مجنونانہ حکم" اپنی خواہش کے مطابق تبدیل کرا چکا تھا "

انجمن اتحاد و ترقی کے ارکان اُس کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔ لیکن اُس سے حُسنِ اعتقاد کی وجہ سے بڑے بڑے معاملات میں مشورہ لیتے تھے ؁

اس کی وہ گفتگو سُنئے۔ جب وہ بالکل نوخیز افسر تھا۔ اور جو اس نے صدرِ اعظم طلعت پاشا کے ساتھ اپنے تعلقات کے سلسلہ میں کی ؁

تم کتنے بدقسمت ہو جب مجھے بتایا گیا۔ کہ طلعت پاشا برلن کے درّہ میں ایک سنگدل ارمن کی گولی سے قتل ہوا۔ تو میں کتنا متاثر ہوا۔ ایک دن میں اس کی ملاقات کیلئے گیا تھا۔ میں نے اُسے اپنے دیوان صدارت میں بیٹھے پایا۔ اور اس سے ایک اہم مسئلہ پر گفتگو کرنے لگا۔ اُسے یقین تھا۔ کہ اپنے ڈپلومیسی حجابات اور سیاسی گریز سے مجھے قائل کر سکیگا۔ بلکہ میری ملاقات کے ایک گھنٹہ بعد جب وہ میرے ایک دوست سے ملا۔ تو اس نے اس واقعہ پر اظہارِ مسرت بھی کیا۔ لیکن اتفاق دیکھئے۔ کہ اس واقعہ پر دو ہی دن گزرے



غازی مصطفیٰ کمال عالم شباب میں قدیم لباس پہنے ہوئے

تھے۔ کہ وہ ایک مشکل میں پھنس گیا جس سے نکلنے کی کوئی تدبیر نظر نہ آتی تھی اس نے آدھی رات کے وقت مجھے اپنے مکان میں بلایا۔ اور اس بارے میں مشورہ کا خواہشمند ہؤا۔ میرا وہ دوست جس نے صدرِ اعظم کی مسرت مجھ تک پہنچائی تھی۔ مجلس میں حاضر تھا۔ میں نے اس وقت اتنا کہنا کافی سمجھا۔

اب آپ چاہتے ہیں۔ کہ میں آپ کو مشورہ دوں۔ لیکن میں معافی کا خواستگار ہوں۔ کیونکہ میں نے ایسی باتوں سے اجتناب کر لیا ہے۔ میں نے صرف تین دن پہلے ایک نہایت اہم مسئلہ میں اپنی رائے خاص آپ کے سامنے پیش کی تھی۔ آپ نے اس وقت سیاسی گریز سے کام لیا۔ اور خیال کیا۔ کہ اس طریقہ سے آپ نے مجھے قائل کر لیا ہے۔ اور جس نتیجہ پر پہنچے تھے۔ اس پر آپ نے مسرت ظاہر کی تھی۔

"اس نے مجھے کہا نہیں ایسا تو نہیں ہؤا"

میں نے جواب دیا۔ وہ شخص جس سے آپ نے مسرت کا اظہار کیا تھا۔ آپ کے پہلو میں بیٹھا ہے۔

رہنما ہونے سے پیشتر ہی لوگ اس کی اطاعت پر ایمان رکھتے تھے۔

ایک دن ایک پُرجوش ترکی نوجوان یعقوب جمیل کا سر پھر گیا اور وہ ارکان وزارت کے قتل پر آمادہ ہو گیا۔ کہنے لگا ہم جنہیں بڑے آدمی سمجھتے تھے۔ ظاہر ہؤا۔ کہ وہ بالکل چھوٹے ہیں۔ اس لئے وطن کی سلامتی سب

کی موت پر منحصر ہے۔ اور میں ایسا ہی کرونگا"

جب اس کے اعتدال پسند دوستوں نے یہ پوچھا۔ کہ:۔
قتل آسان ہے۔ لیکن اس کے بعد کون آدمی حکومت کے قابل ہے؟

اس نے جواب دیا:۔
مصطفیٰ کمال ....

پھر وہ اپنی پیٹی میں پستول باندھ کر استنبول گیا۔ لیکن گرفتار کر لیا گیا اور حصول مقصد سے پہلے تختۂ دار پر کھینچ دیا گیا ....

جب مصطفیٰ کمال کو اس کی موت کی خبر ملی۔ وہ اسوقت منطقۂ دیار بکر میں سپہ سالار تھا۔ کہنے لگا:۔ یعقوب جمیل کو پھانسی دیدی گئی۔ اور پھانسی کا سبب اس کا یہ قول ہے۔ کہ اگر وزارت جنگ اور تمام فوجوں کی سپہ سالاری مصطفیٰ کمال کے سپرد نہ کی گئی۔ تو نجات کی کوئی سبیل نہیں۔ بفرضِ محال اگر یہ شخص اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا (اور میں نے سنا ہے۔ کہ یعقوب جمیل استنبول میں اس غرض کے لئے منحرف ہو گیا تھا) تو کیا تمہارے خیال میں میں یہ منصب قبول کر لیتا؟ ہاں اس شرط پر یہ منصب قبول کر لیتا کہ استنبول جا کر یعقوب جمیل کی سزائے موت پر اپنے دستخط کرتا۔ کیونکہ اگر میں اس شخص یا اسکی قسم کے دوسرے اشخاص کی مدد سے وزارت جنگ کی کرسی تک پہنچتا۔ تو اپنے آپ کو مرد شمار نہ کرتا *

اگر اس کے اعتقاد میں کوئی چیز فساد سے درست ہوسکتی ہے۔ تو اس کی اصلاح کی کوشش نہیں کرتا ۔

ایک دفعہ ولیعہد (وحید الدین) کی صحبت میں میدان غربی دیکھنے کے لئے گیا۔ اور جب پہلی مرتبہ اس کی ملاقات کیلئے اندر داخل ہؤا۔ تو اُسے خوابیدہ چشم اور غبی پایا۔ اور کہنے لگا:۔

"میں اقرار کرتا ہوں۔ کہ میں یہ سمجھا۔ گویا میں ایک مجذوب شخص کے روبرو ہوں"۔ مصطفیٰ کمال لکھتا ہے۔ کہ "ہم سلام کے بعد سرائے کی شاندار گاڑی میں بیٹھکر باہر آئے۔ اور مجھے یاد ہے۔ کہ میرے اور ناجی پاشا کے مابین یہ گفتگو ہوئی :۔

مَیں نے کہا۔ مسکین بدبخت ہے۔ اور شفقت کا حقدار۔ وہ لوگوں سے کس بات کا اُمیدوار ہو گا؟

تم ہی کہو..........

یہ مسکین کل کو سلطان بنے گا۔ اس سے کس بات کی اُمید رکھنی چاہیئے؟

کسی چیز کی نہیں..........

ہم ہیں۔ جنہیں عقل اور ادراک ملا ہے ہم ملک کی حالت سے واقف ہیں اور جانتے ہیں۔ کہ زمانہ نے اُس کے لئے کیا کچھ چھپا رکھا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اپنی استطاعت کے مطابق ہم اس سے کیا کام لے سکتے ہیں ۔

بات مشکل ہے ....!

تاہم مصطفیٰ کمال کے لئے کوئی کام مشکل نہیں۔ جیسا کہ آپ کو اس کتاب سے معلوم ہو جائے گا ✦

مغرور۔ حد کمال تک مغرور۔ لیکن اس کا غرور اپنی قوت نفس پر قائم ہے ✦ وحید الدین کمال اور ناجی پاشا جرمنی میں تھے۔ ایک رات قیصر مغرور اُنکے کمرے میں داخل ہوا۔ اور جو گفتگو کمال اور وحید الدین کے مابین ہوئی۔ اس سے قیصر نے یہ نتیجہ نکالا۔ مصطفیٰ کمال کے ولی عہد کو اس بات پر قائل کر لیا ہے۔ کہ بلا شک جرمنی شکست خوردہ ہے۔ وہ غضبناک ہو گیا۔ اور باہر جانے کیلئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ مصطفیٰ کمال کہتا ہے قیصر نشست گاہ کے دروازے کیطرف گیا۔ ہم اور وحید الدین اُسے دروازے تک پہنچانے کے لئے گئے۔ قیصر گزرگاہ میں بائیں جانب تھا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ میں قیصر کے دل میں اپنی جگہ نہیں بنا سکا۔ تو میں گزرگاہ سے دور ٹھہر گیا۔ قیصر نے ولیعہد سے ہاتھ ملایا۔ پھر ناجی پاشا سے جو اس کے قریب تھا۔ اس کے بعد قدرے گزرگاہ کی بائیں جانب دیکھا ✦

مجھ سے اس نے ابھی ہاتھ نہیں ملایا تھا۔ وہ اپنے اس فعل میں سچا تھا۔ کیا یہ بات معقول تھی۔ کہ وہ ایسے جرنیل سے خود مصافحہ کرتا جو ولیعہد

کی مصاحبت میں تھا یا یہ جبرنیل کا فرض تھا۔ کہ دوڑ کر پہنچتا۔ اور شرف مصافحہ حاصل کرتا۔ مجھے اپنی اس خطا کا اعتراف ہے۔ نہیں معلوم میں کیوں وہاں متحیر و ساکن رہا۔ لیکن قیصر دو تین قدم چل کر میرے قریب آیا۔ اور بولا "معذرت خواہ ہوں۔ ابھی میں نے آپ سے ہاتھ نہیں ملایا"۔

کوئی اس کی جنگی منطق کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

ایک رات وہ ہنڈنبرگ کے ساتھ گیا۔ کھانے کے کمرے سے ملحقہ کمرے میں کھڑا تھا۔ جہاں قیصر نے ولی عہد کو دعوتِ طعام دی تھی۔ اس نے حسب عادت اپنی تیز کی سی آواز سے ہنڈنبرگ کو مخاطب کر کے کہا:۔

"جو کچھ میں آپ سے بیان کرونگا۔ وہ ان معلومات سے مختلف ہو گا جو آپ تک پہنچی ہیں۔ لیکن آپ یقین کیجئے۔ کہ یہ سرتا سر حقیقت ہو گی۔ شام میں حالت ابھی تک نادرست ہے۔ پھر شام کے حالات کی تشریح کرنے لگا لیکن یکایک پلٹ کر کہنے لگا۔ جناب مارشل میرا ایک سوال ہے آج آپ حملۂ عام کرنے والے ہیں۔ اور مجھے گمان نہیں۔ کہ آپ کو نتیجہ کے متعلق اعتماد کلی ہے۔ کیا آپ مجھے اس نصب العین سے آگاہ کرینگے۔ جس پر پہنچنے کے آپ اُمیدوار ہیں؟"

ہنڈنبرگ ابوالہول کی طرح خاموش ہو گیا۔

یہاں مصطفیٰ کمال کہتا ہے۔ "لیکن کیا اس عظیم و محترم سپاہی نے میرے سوال کا جواب دیدیا؟

معلوم ہوتا ہے۔ کہ مارشل میری باتوں کو بہت غور سے سن رہا تھا۔ پھر مجھے بالکل سادہ جواب دیا جسمیں ظرافت کی روح جھلکتی تھی۔ وہ ایک چھوٹی سی میز کی طرف بڑھا جو کمرے کے وسط میں رکھی تھی۔ اور جس پر قسم قسم کے سگرٹ بکھرے پڑے تھے اس نے ایک سگرٹ اٹھایا۔ اور میری طرف بڑھا کر کہنے لگا:۔

"یور ایکسیلنسی۔ کیا میں یہ سگرٹ آپ کی خدمت میں پیش کرسکتا ہوں؟"

"اس حملہ سے مارشل نے میرے سوال کا پورا جواب دیدیا تھا پھر ہم اس میز سے آگے بڑھے۔ جہاں سے اس نے مجھے سگرٹ دیا تھا۔ جو گفتگو ہمارے مابین ہو رہی تھی۔ قیصر اُسے بڑے اہتمام سے سُن رہا تھا +

مارشل اسے جرمن زبان میں پوچھنے لگا۔ کیا کہتا ہے؟

ہنڈنبرگ نے جواب دیا۔ چند باتیں +

جب جنگ عظیم کے سال ختم ہوگئے۔ اور ہنڈنبرگ اپنے تذکرات لکھنے بیٹھا۔ تو سلسلہ کلام میں اُس نے اُس حملہ کا ذکر بھی کیا جس کے متعلق مصطفیٰ نے اس سے کہا تھا۔ کہ وہ ایک بنیادی حملہ تھا۔ اور اس سے سوا اس کے

کسی بہتری کی اُمید نہیں تھی۔ کہ خندقوں کے طویل قیام سے جو نا اُمیدی و مُردنی فوج میں چھائی ہوئی تھی۔ اسے نقل وحرکت سے رفع کیا جائے۔!! عظیم مارشل اپنے تذکرات میں مصطفیٰ کمال کا ذکر کرنا بھول گیا......

تمام عالم ولسن کی رنگینیٔ کلام سے فریب کھا گیا۔ لیکن مصطفیٰ کمال جب اپنے لشکر کے ساتھ حدودِ شام سے لوٹتا ہے۔ اور انگریزوں کے سامنے تلوار کی نوک سے اپنے ملک کی سرحدات پر خط کھینچتا ہے۔ تو از راہِ تمسخر مسکرا دیتا ہے۔

سنئے۔ جو وہ ولسن کے متعلق اسوقت کہتا ہے:-

"ولسن تجھ پر رحمت ہو...... کیونکہ تم نہیں جانتے۔ کہ سرحدات جن کی مدافعت تلوار۔ قوت۔ شرف اور عزت سے نہیں ہو سکتی۔ ان کی مدافعت کسی اور نظریہ سے ناممکن ہے۔"

نا اُمیدی لوگوں کے دلوں میں راہ کر لیتی ہے لیکن مصطفیٰ کمال نا اُمید نہیں ہوتا!

وہ جنگ استقلال کے زمانہ میں انگورہ میں تنہا مقیم تھا.........

مجلس وطنی کبیر کے نمائندے اس کی بار بار کی نصیحت کے باوجود کہ انگورہ سے

باہر نہ جائیں۔ استنبول جاتے ہیں۔ انگریز پایہ تخت پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ خلیفہ ایک لاتعداد فوج تحریک وطنیت کے مٹانے کیلئے تیار کرتا ہے۔ اور فتویٰ صادر کرتا ہے جسمیں مصطفیٰ کمال کو باغی بتاتا ہے۔ اور اس کا خون مباح ٹھہراتا ہے *

ان ایام تاریک میں انگورہ کی عورتوں کا ایک سیاہ پوش جلوس داخل ہوتا ہے *

عورتیں گریہ وزاری کرتی اور چلاتی ہیں :-

"اے مرد! تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ تمہارا سادہ چہرہ عزرائیل کی مثال پیش کرتا ہے۔ کیا ابھی تک ہماری اولاد اور جگر گوشوں کو موت کی طرف دھکیلنے کے لئے جنگ پر اڑے ہوئے ہو۔ کیا یہ ہماری سیاہ پوشی کافی نہیں۔ کہ تم ملک کو یکسر ماتم و گریہ میں بدلنا چاہتے ہو؟ بس۔ بس .... جو جگہ تمہارے رہنے کے قابل ہے۔ وہاں جاؤ۔ لیکن یہاں ہمیں جنگ نے تھکا دیا ہے۔ ماتم نے تھکا دیا ہے ....

یہ سیاہ جلوس گریہ وزاری کرتا ہوا نکل گیا .... اور تنہا بھیڑیا رہ گیا۔

لیکن کیا وہ ان محروم اولاد ماؤں کی آہ و زاری سے متاثر ہوا؟

بالکل نہیں۔ وہ قدرت سے جنگ کرتا رہا اور یاس پر غالب آنے کی کوشش میں مصروف رہا۔ حتیٰ کہ اس نے فتح پائی *

تُند اتنا۔ کہ اس کی تُندی آخری حدتک پہنچی ہوئی تھی :۔
اس کی موجودگی میں ایک دفعہ ایک وزیر سے کچھ غلطی ہو گئی ۔ وہ گرجتے ہوتے اسکے منہ پر کہنے لگا۔"افسوس! میں تمہیں انسان سمجھتا تھا لیکن اب تم ایک انسان کی حیثیت سے گر گئے ہو" اور اُسی وقت وزیر کو حکومت کے منصب سے علیحدہ کر دیا ۔

یہ سات خطوط ہمیں اس کی حقیقت سے شناسا کرائینگے ۔
پہلا خط وہاں سے شروع ہوتا ہے۔جہاں آتشِ جنگ مشتعل ہوتی ہے اور پھیل کر عالمِ سیاست واقتصاد میں افق بعید کی حدوں سے جا ملتی ہے ۔
دوسرا خط حدودِ ترکی سے شروع ہوتا ہے۔اور اس کی انتہا ترکی اور فقط ترکی پر ہوتی ہے ۔
تیسرا خط وہاں سے شروع ہوتا ہے۔جہاں مشرق قوّت وسلاح کے معاملہ میں مغربی تمدن کے ساتھ ساتھ چلنے پر اظہار عجز کرتا ہے۔اور اس کی انتہا مغرب کی جہنّمی وغیر جہنمی اختراعات پر ہوتی ہے ۔
چوتھا خط وہاں سے شروع ہوتا ہے۔جہاں کہنہ تقلیدیں قومی تحریکوں کو اندھا کر دیتی ہیں۔اور ختم ہوتا ہے ۔ ایسی تہذیب پر جو جدّت پیدا کرتی ۔ اور ہر روز نیا لباس تراشتی ہے ۔

پانچواں خط صحیح جمہوریت سے شروع ہوتا ہے۔ اور ڈکٹیٹرشپ پر ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ جمہوریت اور ذہنی ڈکٹیٹرشپ یا شخصی ڈکٹیٹرشپ کے بین بین چلتا ہے

چھٹا خط خطِ تخریب۔ خوف کی دھڑکن۔ اور دقتِ نظری ہے۔ یہ خط کسی کام کے کرنے کا موقع بہم پہنچاتا ہے۔

ساتواں خط بہت سے لوگوں کی نگاہ میں کمال کو زہد و اتقا کی دنیا سے دُور کرتا ہے۔ لیکن یہی دُوری میری رائے میں ایک بڑی حد تک اس کی عظیم الشان شخصیت کے بنانے میں شریک ہے۔ کیونکہ بیسویں صدی فقط اخلاقِ حسنہ کی دنیا نہیں بلکہ اس میں بے اخلاقیاں بھی شامل ہیں۔ اگر کمال فاضل زاہد اور متقی ہوتا۔ تو ترکوں کی نگاہ میں اولیاء اللہ میں سے ایک ولی ہوتا۔ اور اپنی قوم کو بیسویں صدی کی دنیا میں چلانے کے قابل نہ ہوتا۔

اس کے بعد............

لیجئے "کمال اتاترک" جیسا کہ میں اسے جانتا ہوں۔ اور اپنے قارئین کو نصیحت کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا خطوں کی روشنی میں اس جلیل القدر ہستی کی حیات کا مطالعہ کریں۔

پہلا باب

سلطنت کا زوال

وہ جلیل القدر افسر ہے......... وہ رہنما ہے!

(لیمان وان سانڈرس)

سنہ ۱۹۱۵ء

سرکش بچہ

سالونیکا ۱۸۸۱ء

علی رضا آفندی ایک شکستہ حال شخص چنگی کے محکمے میں معمولی محرر ہے ......

اس کی بیوی زبیدہ اس زمانے کی ترکی عورتوں کی صحیح مثال ہے۔ جو اپنے گھر اور چھوٹے بچے مصطفےٰ کے سوا تمام عالم سے بے خبر ہے۔ اور سیاست و سلطنت میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی۔ کہ خلیفہ ظل اللہ فی الارض ہے۔ اور سات ولیوں کی قوّت کا مالک ہ

سال گزرتے ہیں مصطفیٰ تعلیم و تربیت پانے لگتا ہے۔ باپ اُسے ایک چھوٹے سے مدرسہ میں داخل کراتا ہے۔ جو سالونیکا کی مسجد سے ملحق ہوتا ہے۔ تاکہ وہاں وہ ابتدائی نوشت و خواند سیکھے۔ پھر اُسے حفظ قرآن کے لئے ایک اور مدرسہ میں داخل کراتا ہے۔ جو شیخ کی ادارت میں قائم تھا۔ تاکہ وہاں سے بہتر

فراری بنکر نکلے ؂

چند سال بعد علی رضا آفندی جنگی سے نوکری چھوڑ کر تجارت میں پڑتا ہے۔ اس کی حالت بگڑ جاتی ہے۔ افلاس کا گمان ہوتا ہے۔ اس کا ضعیف جسم اس زبردست صدمہ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے وقت سے پہلے مر جاتا ہے۔ اور اس کی بیوہ سالونیکا کے قریب ایک گاؤں میں چلی جاتی ہے ؂

وہاں گاؤں کی بلندی و پستی پر مصطفیٰ اپنی طفولیت کا کچھ حصہ کھیل کود اور بکریاں چرانے میں گزارتا ہے۔ اگر اس کی خالہ اس پر شفقت نہ کرتی تو وہ دوسرے نوجوانوں کی طرح آوارہ ہو جاتا۔ یہ خالہ اس کی تعلیم کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر اٹھا کر اسے سالونیکا کے مدرسے میں بھیجتی ہے ؂

مصطفیٰ درس و تدریس سے تھک جاتا ہے۔ اور اس پر بکریوں کے چرانے کا شوق غالب آتا ہے۔ وہ شیخ کے بے رحم عصا سے بھاگتا ہے۔ اپنی خالہ اور ماں کے پاس واپس آتا ہے۔ فوجی مدرسے کے بغیر کسی مدرسے میں پڑھنے سے انکار کر دیتا ہے۔ اس کی ماں اس کی ضد سے عاجز آ جاتی ہے۔ اور آخر اس کا ایک رشتہ دار اسے سالونیکا کے فوجی مدرسے میں داخل کرا دیتا ہے ؂

جونہی مصطفیٰ فوجی لباس پہنتا ہے۔ اس کی روح بالکل بدل جاتی ہے یعنی سپاہیانہ بن جاتی ہے۔ جو تصادم کی عاشق ہو۔ اور جسے جنگ کی طوفانی موجوں سے لڑنے اور تلواروں کے سایہ کے نیچے مرنے میں مزا آتا ہو۔ اس کے استاد فنون

جنگ اور علم ریاضی میں اپنے ہمدرسوں پر اس کی فوقیت وذکاوت دیکھکر اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کی فوقیت کے چرچے ہونے لگتے ہیں۔ اور لڑکے جب اسے سالونیکا کی سڑکوں پر چلتا دیکھتے ہیں۔ تو اس کی طرف اشارے کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ مؤرخ شیلیکلین اپنے دوست توفیق بے کی یہ روایت نقل کرتا ہے۔

"میں اپنے باپ کے ساتھ سڑک پر جارہا تھا۔ کہ ہم نے مصطفیٰ کمال کو دیکھا۔ میرے باپ نے اس کی طرف اشارہ کرکے مجھ سے کہا: اس لڑکے کو دیکھتے ہو؟ کسی دن ہماری مملکتِ عثمانی میں اس کی شان بڑی بلند ہوگی"

سترہ سال کی عمر میں مصطفیٰ کمال مدرسہ سالونیکا میں اپنی تعلیم ختم کرلیتا ہے اور مناستر کے بڑے مدرسہ میں داخل ہوتا ہے۔ وہاں اسکی قابلیت کا جوہر اور زیادہ کھلتا ہے۔ گرمیوں کی تعطیلات میں سالونیکا واپس آتا ہے۔ تو فرانسیسی ادب کے مطالعہ میں مشغول رہتا ہے۔ اور والٹیر۔ جان جیک۔ روسو اور وکٹر ہیوگو وغیرہ اکابر ادب کی کتابیں پڑھتا ہے ؛

حریت۔ عدالت اور مساوات پر پُرجوش مقالات لکھتا ہے۔ اور غیر ملکی اثر سے آزادی اور خلیفہ عبدالحمید کی بے انصافیوں کے متعلق آتشیں قصائد نظم کرتا ہے ؛

ادارۂ مدرسہ اسے ملٹری کالج میں داخل ہونے کے لئے استنبول بھیجتا ہے۔ اور اپنی رپورٹ میں اس کی بہبود کا ذکر کرکے اس کی دانائی و پختگی عزم کا مح خواں

ہوتا ہے۔ وہ استنبول جاتا ہے۔ جہاں ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ تعلیم ختم کرتا ہے۔ پھر افسروں کے کالج میں داخل ہوتا ہے۔ تاکہ وہاں سے بڑا افسر بنکر نکلے۔

عبدالحمید مُردہ باد

عبدالحمید کے ظلم وجور کے تین سال باقی ہیں۔

فوجی کالج کے افسر غصّہ میں بھرے بیٹھے ہیں۔ سرگوشیاں ہو رہی ہیں اور بغاوت کے شعلے تیز ہونے والے ہیں۔

افسر ایک دن جمع ہوتے ہیں۔ ایک باغی جمعیت بنام "جمعیت وطن" بنانے کی قرار داد منظور کرتے ہیں۔ اور ان باغیوں کا سردار مصطفیٰ کمال قرار پاتا ہے۔

جمعیت چند ہفتے تک پردہ خفاء میں رکھی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ جاسوس اسکا راز معلوم کر کے ایک لمبی تحریر عبدالحمید کے پاس ارسال کرتے ہیں۔ اس کا غضب جوش کھاتا ہے۔ اور وہ کہتا ہے "اچھا وہ افسر بھی میرے دشمن بن گئے۔ جو میرے فضل واحسان میں غرق ہیں"۔ پھر ان کی پراگندگی کا حکم دیتا ہے۔

اسمٰعیل حقی پاشا فوجی کالج کا مہتمم کالج میں جاتا۔ اور کسی ایک کے سر پر انقلاب کا الزام لگانے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ وہ تمام باغی جمعیت کے رکن ہوتے ہیں۔ اور انکے خلاف کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ آخر کالج کے پرنسپل کو حکم دیتا ہے کہ اس خطرناک جمعیت کو مٹا دے۔

لیکن کیا معاملہ اس حد تک پہنچکر ختم ہو جاتا ہے ؟

ہرگز نہیں۔ ارکان جمعیّت باہر جلسے منعقد کرتے ہیں۔ اور مصطفیٰ کمال پس پردہ رہ کر ایسی ہوشیاری سے کام انجام دیتا ہے جو تحریک بغاوت میں اس کی مہارت کی دلیل ہے ۔ وہ بوقت فراغت اخبار "جمعیّت" میں اپنے آتشیں قلم سے مقالات لکھتا ہے ۔

آخر عبدالحمید کا پیمانہ صبر لبریز ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس کی گرفتاری کا حکم صادر کرتا ہے۔ سپاہی جمعیّت کے مقام پر تیزی سے پہنچتے ہیں۔ اور انہیں گرفتار کر کے سب کے پیش پیش مصطفیٰ کمال اور پیچھے ارکانِ جمعیّت کو لے جاتے اور زنداں میں ڈال دیتے ہیں۔ جہاں وہ چند ہفتے بند رہتے ہیں۔ پھر سلطان ان کی رہائی کا حکم دیکر انہیں عثمانی سلطنت کے مختلف اطراف میں بھگا دیتا ہے۔ اور دمشق مصطفیٰ کمال کے حصے میں آتا ہے ۔

وہاں مصطفیٰ کمال "جمعیّت وطن" کی شاخ قائم کرتا ہے۔ جسمیں شام کے بہت سے افسر شامل ہوتے ہیں۔ اور سب ملکر خفیہ طور پر عبدالحمید کی علیحدگی کی کوشش کرتے ہیں ۔

جب سالونیکا سے "انجمن اتحاد و ترقی" کی امداد کیلئے تار پر تار آتے ہیں۔ اور ظالم خلیفہ کا سایہ زوال کے قریب ہوتا ہے۔ تو مصطفیٰ کمال اپنے بھائیوں کے ساتھ اس جہاد میں شریک ہونیکا مصمم ارادہ کر لیتا ہے۔ فوجی قوانین کی خلاف

ورزی کر کے خفیہ طور سے دمشق چھوڑ دیتا ہے۔ اور تاجر کے بھیس میں مصر و یونان ہوتا ہوا سالونیکا واپس آتا ہے ۔

لیکن کیا وہ روپوشی میں کامیاب ہو سکتا ہے جب خلیفہ کے جاسوس ہر جگہ موجود ہیں۔ اور کیا سلطان کی نظر "جمعیت وطن" میں سب سے زیادہ چلتے پرزے شخص سے غافل رہ سکتی ہے ؟

افسوس ! جاسوس اُس کے فرار سے خبردار ہو جاتے ہیں۔ اور باب عالی میں اُس کے فرار کی رپورٹ بھیجتے ہیں۔ خلیفہ اس سرکش افسر کی گرفتاری کا حکم صادر کرتا ہے جس نے طیش و غرور سے فوجی نظام کو توڑ ڈالا۔ اور اگر اُس کا ایک دوست وقت پر خبردار نہ کر دیتا۔ تو زندان کی تاریکی میں اُسوقت تک پڑا رہتا جب تک عہد ظلم دور اور عبدالحمید علیحدہ نہ ہو جاتا۔ دوبارہ ایتھنز پہنچتا ہے۔ اور سمندر کو عبور کر کے یافا میں آتا ہے جہاں کا حاکم جہاز سے اُسے اس طرح بھگا لے جاتا ہے جیسے ممنوع اشیاء کو۔ پھر باب عالی کو تار دیتا ہے۔ کہ مصطفیٰ کمال دمشق سے باہر نہیں گیا۔ اور اپنے فرائض اُسی خوبی سے انجام دے رہا ہے جس طرح ایک بیدار سپاہی ظل اللہ کے احکام کی تعمیل کرتا ہے ۔

مصطفیٰ کمال تقریباً ایک سال تک دمشق میں رہتا ہے۔ یہ زمانہ قوم دروز کی تنبیہ و تادیب اور شہر کے ایک معمولی قہوہ خانے کے اندر حقہ پینے کے شغل میں گزار دیتا ہے۔ ہر آنکھ کو مصطفیٰ میں بغاوت کی وہ آگ سلگتی

ہوئی نظر آسکتی تھی۔ جو اس وقت عبدالحمید کی کروڑوں رعایا کے دلوں میں شعلہ افروز تھی۔

جب رپورٹیں مختلف اور مصطفیٰ کمال کی تعریف میں دیکھیں۔ تو خلیفہ قائل ہوگیا۔ کہ سرکش اب ہوش میں ہے۔ اور اپنے جہنمی خیالات ترک کر چکا ہے۔ اُس کے دوست اُس کی تبدیلی کی کوشش کرتے ہیں۔ اور آخر اسے سالونیکا چلے جانے کا حکم صادر ہوتا ہے۔ "قلب بغاوت میں" اور صاغ قول آغاسی (عملہ حکام کا اعلیٰ افسر
(Chief of the officer's staff) کے رتبے پر۔

زندہ باد آزادی!

یہ تبدیلی مصطفیٰ کمال کی سب سے بڑی آرزو تھی۔ یہاں وہ جس قدر چاہتا حصولِ مقصد کیلئے کوشش کر سکتا تھا۔ اُسے کامیابی کا یقین تھا۔ اُس کے خواب عالم خیال سے حقیقت کے قریب ہو رہے تھے۔ اس لئے سالونیکا کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ اور وہاں ایک بڑے مکان میں قیام کرتا ہے۔ جو اُس کی ماں کو اپنے دوسرے خاوند سے ورثہ میں ملا تھا۔

سالونیکا باغی افسروں اور سپاہیوں سے بھرا ہوا تھا لیکن بغاوت جاسوسوں

کے ڈر سے ہنوز ترکی متانت کے صندوق میں بند تھی چونکہ انجمن اتحاد و ترقی نے اس شہر کو مرکزِ بغاوت قرار دیا تھا۔ اس لئے اُس کے گلی کوچوں میں ہم ایک آدمی کو چلتا دیکھتے ہیں جو منصوبہ بازی میں اُن سے زیادہ ماہر طبیعت کا تیز اور چلنے میں بڑھکر تھا ؛

چونکہ انجمن دوسری خفیہ انجمنوں کے نظام پر قائم تھی۔ اسلئے اپنے اسرار صرف اُن پیشرو ارکان پر ظاہر کرتی تھی۔ جو ماہر منصوبہ باز ہوں مگر مصطفیٰ کمال اور اُس کی قسم کے دوسرے افسر اُس کی حدِ پاکیزگی سے باہر تھے۔ اور خارجی دالان تک رہتے تھے ؛

لیکن کیا مصطفیٰ کمال انجمن کا محض "نفرِ مجاہد" بننے پر قانع رہ سکتا تھا؟ ہرگز نہیں وہ صدر بننے کیلئے ڈھلا تھا۔ اور اگر اُس کی تقدیر میں ماتحت ہو کر رہنا ہے۔ تو اُس کے افسر ذکاء و حمیت میں اُس پر فائق ہونے چاہئیں کیونکہ انور، طلعت، جمال اور نیازی وغیرہ اُس کی نگاہ میں صدارت کے نااہل تھے ؛

لیجئے۔ وہ سالونیکا کے ہوٹل "یونین بار" میں بیٹھا موضوع قیادت پر افسروں کا مباحثہ سُن رہا ہے۔ وہ قیادت کیلئے جمال کو ترجیح دیتے ہیں۔ جسے وہ اپنے آپ پر فائق نہیں سمجھتا۔ بلکہ اُس کی شخصیت کھوکھلی دیکھتا ہے۔ اور جس پر وہ جھوٹی عظمت کا رنگ چڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن کامیاب



کمال اتاترک کی والدۂ ماجدہ

نہیں ہوتا۔ اسلئے کہتا ہے "یہ لوگ مرد ذی شان کی تلاش کیوں نہیں کرتے وہ مرد جسکے نزدیک فلاح اس کی اپنی کوششوں پر منحصر ہو" پھر ایسے شخص کی مثال ڈھونڈتا ہے جس کی تقلید سے ملک کو نجات حاصل ہو سکتی ہو لیکن افسوس اسے ایسا کوئی آدمی نظر نہیں آتا ۔

گو بغاوت کے قائم مقام اُس کے نزدیک قابل اعتماد نہ تھے۔ تاہم وہ اس آگ کے بھڑکانے کے سوا دوسرا کام نہیں کرتا۔ کیونکہ بغاوت ملک کیلئے مفید تھی۔ اور آزادی خون بہائے بغیر نہیں مل سکتی۔ اسلئے ہم اُسے سالانہ جلسوں میں باقاعدہ حاضر ہوتے بھی دیکھتے ہیں۔ اور وہ خاص جلسے اپنی ماں کے گھر میں بھی منعقد کرتا ہے۔ جو اُس سے محبت کرتی اور ڈرتی ہے۔ محبت کرتی ہے کہ وہ اُس کا تنہا بیٹا ہے۔ اور ڈرتی ہے۔ کہ وہ افسر ہے۔ اور ماں کی پند زرّیں پر کان نہیں دھرتا ۔

"میرے بیٹے! تمہارا کیا خیال ہے خلیفہ سے کیوں بدظن ہو۔ کیا نہیں جانتے کہ اُس میں سات دلیوں کی قوت ہے"۔

مصطفیٰ کمال جواب دیتا ہے ۔

وہ شخص جس میں آپ سات دلیوں کی قوت دیکھتی ہیں کسی قوت کا مالک نہیں۔ ہم یہاں اسلئے جمع ہوتے ہیں۔ کہ وطن کو ظالموں کے ظلم سے نجات دیں۔ اماں جان آپ کا ادراک ان امور تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیا آپ ان سات دلیوں

سے اتصال کی کوشش میں اپنے بیٹے کو فراموش کر رہی ہیں ؟

عجیب موقع ہے !

ماں ہر رات دیکھتی اور سنتی ہے ۔ کہ اُسکا بیٹا اور اُسکے بھائی بند سرگوشیاں کرتے ہیں اور خلیفۃ المسلمین کے خلاف منصوبے باندھتے ہیں ۔ وہ وفورِ محبت میں اپنے بیٹے کو اس سازش سے بچانا چاہتی ہے ۔ اور وہ دور اندیشی کیوجہ سے ڈرتا ہے ۔ کہ اسکی ماں سادہ لوحی اور اس اعتقاد کے باعث کہ خلیفہ میں سات ولیوں کی قوت ہے ۔ انجمن کے راز فاش نہ کر دے ۔ آخر اُس کی ماں ایک آہ بھر کر کہتی ہے :۔

بیٹا تم لوگ اپنی جانوں کی حفاظت نہیں کرتے ؛

مہینے سرعت سے گزرتے ہیں ۔ دورِ استبداد کے مٹانے میں قوائے وطنیت تعاون کرتے ہیں ۔ یہاں تک کہ ۲۷ اپریل ۱۹۰۹ء کو عبدالحمید علیحدہ کر دیا جاتا ہے ۔ اور تختِ خلافت پر سلطان محمد خامس کو بٹھایا جاتا ہے ؛

اُمیّد میں ناکامی

ظلم ختم ہوا ۔ دستور کا اعلان ہو گیا ۔ عثمانی پکار اُٹھے "زندہ باد آزادی" ۔ اور باغیوں کے قبضے میں زمامِ حکومت آگئی جنہوں نے انکو اپنی گردنوں پر سوار کیا تھا وہ کھڑے انتظار کر رہے تھے ۔ اُن کا انتظار طول کھینچتا ہے ۔ اور وہ سلسلۂ بدبختی کے سوا کچھ نہیں دیکھتے ۔ البانیہ کی بغاوت ، خلیفہ کا اضطرار اور آسٹریا و ترکی کے اقرارنامہ

بردستخط جنمیں سنجق نوفی بازار اور مالی معاوضہ (جسکی تعداد نہیں بتائی گئی)
کے بدلے بوسینا اور ہرزی گونیا کا ترکی کے ساتھ الحاق درج تھا۔ اور فرڈننڈ شاہ
بلغاریہ کا اعلان آزادی اور یونان کے ساتھ جزیرہ کریٹ کے الحاق کا
مطالبہ تھا ؎

انجمن اتحاد و ترقی کی حکومت اچانک آنے والے حادثات کی وجہ سے
پریشان تھی۔ اُس پر غصہ کرنے والے رحم نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں "کیا اسی لئے
ہم نے عبدالحمید کو تخت سے اتارا ہے"؟ اُس کے مددگار کہتے ہیں "کیا عبدالحمید
یہ وزن دار ترکہ ہمارے لئے وراثت میں چھوڑ جانے کا ذمہ دار نہیں؟" مصطفی
کمال اُن لوگوں پر غصہ و جوش ظاہر کرنے میں سب سے پیش پیش ہے جو
شوکت عثمانی کے لئے پیغام مرگ سُنانے والے تھے! وہ اُس کی تنقید شکست
حکومت کیلئے ہتھوڑوں کا کام کرتی ہے۔ حکومت مضطرب ہے۔ کہ اس مدِ
مقابل کو منفد و نیہ میں تبدیل کر دے۔ تاکہ وہ تیسرے ڈویژن میں جا ملے ؎

وہاں جاکر مصطفی کمال فرض کے سوا سب کچھ بھول جاتا ہے۔ ہم اُسے
اپنے لشکر پر مستعد دیکھتے ہیں۔ اُن کی اصلاح کرتا ہے۔ اور اُن میں رُوح
شرافت و قربانی پھونکتا ہے۔ یا پھر اپنی کتابیں لکھنے میں مصروف رہتا ہے
جنمیں جدید فنونِ جنگ کا خلاصہ ہوتا ہے ؎

۱۹۱۰ء میں حکومت اُسے اُس جنگی وفد کے ہمراہ بھیجتی ہے۔ جو علی رضا

پاشا کی سرکردگی میں سالانہ مصنوعی جنگ میں شمولیت کی غرض سے فرانس جا رہا تھا۔ وہاں وہ پہلی مرتبہ یورپی افواجِ جدیدہ کو دیکھتا ہے۔ اور اپنے جنگی رفقائے کار کے ساتھ کھڑا ہو کر مصنوعی جنگ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ فوجیں نکلتی ہیں۔ افسروں میں مباحثہ ہوتا ہے۔ اور سب کی رائے اس پر متفق ہوتی ہے۔ کہ دشمن کل فلاں مقام پر ہوگا۔ لیکن مصطفیٰ کمال مخالفت کرتا ہے اور دشمن کے لیئے دوسری جگہ متعین کرتا ہے۔ پھر وہ سب کتنے حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔ جب اُس کی رائے درست نکلتی ہے۔ اور انکا متفقہ قیاس غلط ٹھہرتا ہے۔

قرب پیرس کے موقع کو غنیمت جان کر اس حسین شہر کی زیارت کے لیئے جاتا ہے۔ اور پایۂ تخت کی مسرتوں اور لذتوں کے جرعے نوش کرتا ہے۔ جب ترکی میں واپس آتا ہے۔ تو اُسے وزارتِ جنگ کی طرف سے پروانہ ملتا ہے۔ کہ تم سالونیکا کے فوجی مدرسے کے مہتمم مقرر کیئے گئے ہو۔ اُس کی تنظیم کا بوجھ اپنے کندھوں پر اُٹھاتا ہے۔ یہاں اُس کے تعلیمی کمال کے جوہر نمایاں ہوتے ہیں۔ اُس کا غصہ انجمن اتحاد و ترقی پر پھر عود کر آتا ہے۔ اور وہ اپنے طالب علموں میں اس کے خلاف روح بغاوت بھرتا ہے۔ کہ وہ وطن کو تباہی و بربادی کی طرف دھکیل رہی ہے۔ عبدالحمید سے چھینا ہوا ترکہ ارزاں قیمت پر فروخت کر رہی ہے۔ ...... جرمنی نفوذ و اثر

ترکی قومیت کے قلب میں بھرنے پر مائل و بے قرار ہے ؛
محمود شوکت پاشا اس انقلابی باغی سے خطرہ محسوس کرتا ہے۔ اور اُسے فوجی مدرسے سے دور اٹھائیسویں پلٹن کی کمان سپرد کرتا ہے۔ یہاں مصطفیٰ کمال طالب علموں کو چھوڑ کر فوج میں روح بغاوت بھرتا ہے۔ یہ دیکھ کر وزارت جنگ کا غصہ جوش کھانے لگتا ہے۔ اور وزیر جنگ مطالبہ کرتا ہے۔ کہ مصطفیٰ کمال کو برخاست کر کے کورٹ مارشل کیا جائے لیکن کس طرح جب اُسکے خلاف کوئی ثبوت موجود نہیں ؟
نہیں ..... بہتر ہو گا۔ کہ اُسے استنبول[1] میں واپس بلا کر وزارت جنگ میں تبدیل کر دیا جائے۔ یہاں باغی افسر اپنے آپ کو ہزار دل اتحادیوں اور انصار حکومت کے درمیان پائے گا۔ اور اس ماحول میں باغیانہ خیالات کی اشاعت سے عاجز آ جائے گا ؛
وزارت جنگ میں مصطفیٰ کمال کو عجائبات نظر آتے ہیں! اتحادی جرمن ماہرین کی خدمت ڈر ڈر کر بجالاتے ہیں۔ وزارت جنگ پر جرمن پوری طرح قابض ہیں۔ اور ہر روز ایک نیا طائفہ چلا آرہا ہے ؛
مصطفیٰ کمال اس حالت کو پسند نہیں کرتا۔ وہ ترکی کو صرف ترکوں کے لئے دیکھنا چاہتا ہے۔ اور اگر جرمن ماہرین سے استفادہ ضروری

---

[1] قسطنطنیہ کا جدید ترکی نام ؛

ہے۔ تو انہیں حکومت کے دوسرے شعبوں میں متعیّن کرنا چاہیئے۔ نہ کہ وزارتِ جنگ میں اور فوجی عملہ کی افسری پر۔

نتیجۃً ہم اُسے کوہ آتش فشاں کیطرح اُبلتا دیکھتے ہیں۔ لیکن کون ہے۔ جو اُس کی باتوں پر دھیان دیتا ہے۔ ہر چیز اتّحادیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اُسے اپنی ہی طرح افسروں کا گروہ جرمنوں پر اظہارِ غصہ کیتے ہوئے ملتا ہے۔ لیکن اُن پر خدا کی لعنت۔ اُن کی تنقید سرگوشی تک کفایت کرتی ہے۔ علانیہ کہنے میں بزدلی دکھاتے ہیں۔ اولی الامر کی مدح کرتے ہیں۔ اور اُنکی شان بلند

جلد جلد طرابلس کی طرف

۲۶ ستمبر ۱۹۱۱ء

اٹلی نے ترکی کے خلاف اعلان جنگ کیا۔

خلیفہ اور اُس کے آدمی متحیر ہیں۔ اور پوچھ رہے ہیں۔ کہ اٹلی نے ہمارے ساتھ کیوں جنگ چھیڑی؟ کیا اُس کے وزیر خارجہ نے گزشتہ ۹ جولائی کو یہ تصریح نہیں کردی تھی۔ کہ اُس کی حکومت افریقہ میں عثمانی املاک کی سلامتی پر عامل رہے گی؟ کیا جب ولیعہد خلافت سیاحت کیلئے گیا تھا۔ تو روم میں اس کا شاندار استقبال نہیں کیا گیا؟ کیا اٹلی جنگ البانیہ میں غیر جانبدار نہیں رہا۔

پھر کیا سبب ہے؟

اگر ہم اُس زمانہ میں ہوتے تو عصر حاضر کی زبان سے جواب دیتے۔ کہ سبب سوا طمع کے کچھ نہیں۔ فرانس نے تونس اور الجزائر پر قبضہ کر لیا۔ اٹلی طرابلس پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ اور جب تک عثمانی شہنشاہیت کے اجزا پریشان ہیں ضعیف کیلئے تباہی ہے۔

اسلام کا بگل مجاہدین کو جنگ کیلئے بلا رہا ہے۔

انور مجاہدین کو طرابلس کیطرف دوڑاتا ہے۔

فتحی بے جو پیرس کے ترکی سفارت خانہ میں فوجی مشیر تھا۔ شکاری کشتی میں بحیرۂ ابیض کو عبور کرتا ہے۔ اور مصطفیٰ کمال اناطولیہ کو چیرتا ہوا پہلے شام پھر مصر میں پہنچتا ہے۔ یہاں انگریز اُسے اور دیگر مجاہدین کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ وہ طرابلس میں اپنے بھائیوں سے نہ مل سکیں لیکن خدیو سابق اُن کی یہ تدبیر برباد کر دیتا ہے۔ اور مصطفیٰ کمال اپنے ہمراہیوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر حدود پر پہنچتا ہے۔ حکام حدود کو خفیہ احکام پہنچ جاتے ہیں اور انہیں گذرنے کی اجازت مل جاتی ہے۔

ایک دن صبح کے وقت عین منصور میں مصطفیٰ کمال قائد عام کے خیمہ میں داخل ہوتا ہے۔ انور اُٹھکر گرم جوشی سے ہاتھ ملاتا اور کہتا ہے۔ کہ ذاتی عداوت اور شئے ہے۔ لیکن جہاد اور چیز۔ وہ ان سب چیزوں کے باوجود اُسے پسند کرتا

اور اُس کی ممتاز قابلیت کا معترف ہوتا ہے۔ اس لئے اُسے ایڈریانوپل کی مقابل فوج کا قائد مقرر کرتا ہے +

اللہ۔ وہ مبارک زمانہ۔ اور جہاد و ایثار کی اعلیٰ مثال!

عرب فوج ذخیرہ و سلاح کی محتاج اور اُس کے سر پر چند ترک افسر جنہیں وہ سنوسیِ اعظم امداد دیتا ہے۔ جس نے فرانس کو پریشان کر رکھا تھا۔ یہی اب وہ اٹلی کو پریشان کر رہا ہے۔ یہ لشکر اٹلی کا مقابلہ کرتا ہے۔ جس کے پاس بحری بیڑہ ہے بے تعداد سپاہی ہیں۔ آلات و اسلحہ آرہے ہیں۔ اٹلی سے امداد کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا۔ اور اسکے باوجود وہ سال بھر میں ملک کی ایک بالشت زمین حاصل نہیں کرسکتا +

اٹلی کا بیڑہ ساحل پر منتظر ہے۔ اور اطالوی فوجیں اس کے زیر حمایت خندقوں میں جمع ہیں۔ لیکن بایں ہمہ ترک اور عرب بار بار اُن پر حملہ آور ہو کر اُن کے قدموں کے نیچے زمین ہلا دیتے اور اُنہیں منتشر کر دیتے ہیں +

مگر قدرت کا تمسخر اٹلی کو مضحکہ خیز فتح دلا دیتا ہے۔ کیونکہ اکتوبر ۱۹۱۲ء میں کسی شریر کی شرارت سے بلقان میں آتش بغاوت بھڑک اُٹھتی ہے۔ حکومت عثمانیہ طرابلس و برقہ کو مجبوراً چھوڑ دیتی ہے۔ تاکہ خود اپنی حفاظت اور دار الخلافہ پر حملہ آور دشمن کی مدافعت کرے +

انور سید سنوسی کے ہمراہ جرمن آبدوز کشتی میں واپس آتا ہے اور

مصطفیٰ کمال یورپ کے راستہ سے لوٹتا ہے ۔

وقت کا ہیرو۔ انور!

بلقان اس وقت شعلہ زار ہے۔ اور اُس کی آگ استنبول کو جلانے والی ہے "

دول بلقان استقلال کی طالب ہیں۔ جو ۱۸۷۸ء میں برلن کے منحوس معاہدہ کے رُو سے اُنہیں حاصل ہوا۔ اور اپنی تشنگیٔ نفرت کو ترکوں کے خون سے بجھاتی ہیں حکومت عثمانیہ پر یکے بعد دیگرے بختیاں آنی شروع ہوتی ہیں۔ بلغاریوں نے ایڈریانوپل کا محاصرہ کر لیا۔ اور "مصطفیٰ پاشا" اور "قرق کلیسہ" تک پہنچکر دارالخلافہ تک آ گئے۔ یونانیوں نے منقدونیہ کا بیشتر حصہ لے لیا۔ سروی البانیہ کی بہت سی زمین پر قابض ہو کر مناستر میں داخل ہو گئے۔ پھر یونانی لوٹ کر سالونیکا میں آ گئے۔ اور ترکوں کے ہاتھ میں یورپی املاک میں سے ایڈریانوپل۔ اشقودرہ۔ یانیا۔ گیلی پولی کی خاکنائے اور ثنا طلجہ و باسفورس کے مابین کی اقلیم کے سوا کچھ نہ رہ گیا۔ اگر دول یورپ معاملہ میں مداخلت نہ کرتیں اور آسیائے جنگ چلتی رہتی۔ تو ترکی کے ہاتھ میں یورپی علاقے میں سے بالشت بھر جگہ بھی نہ بچتی ۔

لیکن یورپ کی مداخلت نے مصیبت میں اور اضافہ کر دیا۔ اور ترکی کے سامنے ایک ایسا معاہدۂ صلح پیش کیا جسکے قبول کا احتمال نہ تھا۔ صدر الاعظم کامل پاشا نے مجلس وزراء کو دعوتِ موافقت دی۔ یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ معاہدہ کا قبول ناگزیر تھا ؛

انور طرابلس سے واپس آتا ہے۔ تو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ کہ وطن برباد ہو رہا ہے شہنشاہی کا سایہ ڈھل رہا ہے۔ اُس کا غضب جوش کھانے لگتا ہے۔ اور دو میں سے ایک امر پر قائم ہو جاتا ہے۔ یا تو املاک بلقانیہ کی واپسی یا پھر خود وطن کا خاتمہ۔ شروع سے اخیر تک انور اسی طرح تھا ؛

وہ دیکھتے پُرجوش افسروں کے پیش پیش وہ ایوان مجلس وزراء میں داخل ہوتا ہے۔ بیچئے شرائط صلح پر دستخط ہوتے وقت وزارت کا دروازہ توڑتا ہے۔ ناظم پاشا معترض ہوتا ہے۔ تو اُسے اپنے پستول کی گولی سے وہیں ختم کر دیتا ہے۔ وزراء خوف و دہشت سے بھاگتے ہیں۔ اور انور پستول کا دہانہ اُن کی پشت پر کئے پیچھے پیچھے ہوتا ہے ؛

وزراء وزارت خانے سے باہر نکل جاتے ہیں۔ اور انور وزارت کے ٹوٹ جانے کا اعلان کر دیتا ہے۔ محمود شوکت پاشا جدید وزارت ترتیب دیتا ہے۔ جسمیں انور کو وزیر جنگ مقرر کیا جاتا ہے ؛

جدید وزارت نے مجوزہ معاہدے کو نامنظور کر دیا۔ اور بدقسمت وطن

کی مدافعت کا فیصلہ کر لیا۔

انور بلغاریوں سے ایڈریانوپل واپس لینے کے لئے جنگی منصوبہ تیار کرتا ہے۔ جس میں جرأت کے سوا عقل کا نام تک نہ تھا سب سے پہلے مصطفیٰ کمال اس پر معترض ہوتا ہے۔ اور اس کی ناکامی ثابت کرتا ہے۔ لیکن انور جھگڑا قبول نہیں کرتا۔ فوجیں بلغاری لشکر سے ملاقات کے لئے بڑھتی ہیں۔ اور جلد اُس کے سامنے سے اس طرح بھاگ نکلتی ہیں جس طرح حیوان۔

۲۶ مارچ ۱۹۱۲ء کو ایڈریانوپل جرأت و بسالت کی مدافعت کے بعد بلغاریہ کے قبضہ میں چلا جاتا ہے۔ اور خود ضیاعِ استنبول کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔

دولِ یورپ ایک دفعہ اور مداخلت کرتی ہیں۔ اور شوکت پاشا کی حکومت کے سامنے ایسی شرائط پیش کرتی ہیں جو پہلی سے بھی زیادہ وزن دار ہوتی ہیں لیکن شوکت پاشا اپنی مرضی کے خلاف قبول کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

مصطفیٰ کمال کہتا ہے۔ انور نے کیا کیا؟

لیکن جلد ہی دولِ بلقان کے درمیان تنازعات شروع ہو جاتے ہیں۔ اور بلغاریہ۔ سرویہ اور یونان کے مابین جنگ چھڑ جاتی ہے۔ انور اس موقع کو غنیمت جان کر یکایک ایک زبردست فوج لے کر آجاتا ہے اور فاتحانہ ایڈریانوپل میں داخل ہوتا ہے۔ جہاں جھنڈیوں اور پھولوں کے درمیان

اس کا شاندار جلوس نکلتا ہے۔ مصطفیٰ کمال بد دلی سے جلوس کے ساتھ جاتا ہے۔ گویا دوبارہ کہہ رہا ہے۔

ہاں۔ انور نے کیا کیا ؟

جرمنوں کا پھندا

ایڈریانوپل پر انور کی فتح کی خبر فرحت و سرور کے ساتھ سُنی گئی جس نے اُس کی شخصیت کو بلند کر دیا۔ اور اُس کی عظمت کو اوج پر پہنچا دیا۔ اور انور! جیسا کہ ہم جانتے ہیں۔ جرمنوں کا دوست ہے۔ وہ اُن میں یورپی تہذیب و تمدن کی اعلیٰ صفات دیکھتا ہے۔ اس کے بعد جرمن اپنا پارٹ خوبی و مہارت سے ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ پیش ڈالنے والی جنگ کے سامنے تھے۔ اور ترکی سے اپنا حلیف بننے کی خاطر وثوق چاہتے تھے اُنہیں اس بات پر اعتماد تھا۔ کہ ترکی انگریزوں۔ روسیوں اور دشمنان بلقان کا خاص پہلو ہو گا۔

استنبول میں سفیر جرمنی انور کا قرب حاصل کر کے اُس کا ندیم و رازدار بن گیا۔ اور یہ قسم کھانے کے بعد کہ جرمنی ہمیشہ اپنے حلیف ترکی کی صف میں کھڑا ہو گا۔ اُس کا اعتماد حاصل کر لیتا ہے۔ پھر اُسے خبردار کرتا ہے کہ انگریز کس طرح ۱۹۰۸ء سے دسیسہ کاریوں کا جال بُن رہے ہیں۔ کس طرح اُنہوں نے انجمن

اتحاد و ترقی کی نوجوان حکومت کو مٹانے کی کوشش کی۔ کس طرح خود ارکانِ انجمن میں عداوت اور پھوٹ کا بیج بویا۔ اور کیونکر چند ارکان انجمن سے کٹ کر انگریزی سیاست کے قریب ہو گئے ؛

یہ کہنا حقیقت ہو گا۔ کہ ترکی اسوقت دو متضاد سیاستوں کے لئے ایک شاداب مزرع تھا۔ ایک انگریزی سیاست جو اسے تنزل کی طرف لے جاتی تھی۔ اور ضعف و ہلاکت کے مقام میں دھکیل رہی تھی۔ دوسری جرمن سیاست جو انگریزوں سے برسرِ پیکار تھی۔ اور آئندہ جنگ میں ترکی کو اپنا حلیف بنانے کی کوشش میں تھی ؛

۱۹۱۲ء میں جب سفرا کی مؤتمر منعقد ہوئی۔ تا کہ ترکی کے خلاف قرارداد منظور کرے۔ تو اسوقت بیرن وان مارشل سفیر جرمنی کی آواز کے سوا کوئی منصفانہ آواز بلند نہ ہوئی۔ وہ ترکی کی مدافعت کے لئے کھڑا ہوا۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ کہ بلاشک مؤتمر کا طریق عمل مفید نہیں ہو سکتا۔ جب کامل پاشا کی وزارت رائے عامہ کے اثر سے ٹوٹ گئی۔ تو یہ سیاست جرمنی کی نئی فتح تھی ؛

جرمن نفوذ و اثر ۱۹۱۴ء میں اور بھی اوج پر پہنچ گیا۔ جب انگریزوں نے وہ دو جہاز (سلطان عثمان و رشیدیہ) جو انگلستان میں تیار ہوتے تھے ترکی کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ ترکی اس وقت تک جنگ میں شامل نہیں

ہوا تھا۔ اس نے اپنے حق میں یہ دشمنانہ فعل سمجھا جس نے انگریزی اثر و نفوذ کو بالکل ملیا میٹ کر دیا۔ اور انہیں جرمنوں کی بغل میں دھکیل دیا۔ وہ جرمن جنہوں نے اُن کو گلے سے لگایا۔ اور دو جہاز "گوبن" و "برسلا" صلہ میں دئے۔ جونہی دونوں جہاز ترکی سمندر میں داخل ہوئے۔ تالیوں اور "دوست جرمنی" کا شور بلند ہو گیا۔

اس مناسبت سے یہ ذکر بے جا نہ ہو گا۔ جمال پاشا نے اپنے تذکرہ میں واضح کیا ہے۔ کہ جرمنی نے یہ جہاز صلے میں نہیں دئے تھے۔ بلکہ یہ اسکا اضطراری فعل تھا کیونکہ جنگ چھڑ چکی تھی۔ اور جہاز ترکی کے قریب ہونے کی وجہ سے اس میں پناہ کے لئے داخل ہوئے تھے۔ یہاں بین الاقوامی مشکل پیدا ہو گئی۔ ترکی ابھی جنگ میں شامل نہیں ہوا تھا۔ برطانی اور فرانسیسی سفیر جہازوں کی حوالگی کا مطالبہ کرتے تھے۔ اور جرمن سفیر انکار کرتا تھا۔ تاکہ ترکی کو حلیفوں کے خلاف جنگ میں داخل کرے۔ دراصل جہازوں کو ترکی سمندر کے قریب لانے سے جرمنی کی غرض بھی یہی تھی۔ انور اتحادیوں کے خلاف جنگ پر مائل تھا لیکن ارکان وزارت نے اسے علٰحدہ رہنے کی نصیحت کی۔ آخر ایک نے تجویز پیش کی جرمنی یہ ظاہر کرے۔ کہ اس نے جہاز قبل از جنگ ہمارے ہاتھ میں فروخت کئے ہیں۔ اور اب ان کی حوالگی عمل میں آئی ہے۔ جرمنی اس عجیب تجویز سے متفق ہو گیا۔

اس اثناء میں یہ خبر شائع ہوئی۔ اور جس کی تائید حکومت سے بھی ہو گئی کہ ترکی نے جو مطالبات اتحادیوں کے حلیف بننے کے صلہ میں پیش کئے تھے۔ (امتیازات کا مٹانا۔ جزائر عثمانیہ کی واپسی۔ روسی خطرے کا ازالہ اور مسئلہ مصر کا حل) انکا کچھ جواب نہیں ملا۔ اور روس کو اتحادیوں کی مساعدت کے عوض میں استنبول پیش کیا گیا۔ ان باتوں نے جرمنی اور ترکی کو ایک دوسرے کے اور قریب کر دیا ؛

ایک دن خالدہ ادیب جمال پاشا وزیر بحریہ سے ملنے آئی۔ دورانِ گفتگو میں جنگ کا ذکر آیا۔ تو خالدہ نے کہا "پاشا مجھے خدشہ ہے کہ ہماری حکومت لڑائی میں کود رہی ہے"۔ جمال پاشا نے کہا "نہیں خالدہ خانم ہم جنگ میں داخل نہیں ہونگے"۔ اس نے کہا "یہ کب آپ کے بس میں ہے"؟ کہا "مجھ میں اتنی قوت ہے۔ کہ انہیں لڑائی سے باز رکھ سکوں۔ اور اگر ناکامیاب ہوا تو استعفا دیدونگا۔ جنگ ایک مجنونانہ فعل ہے" ؛

جاوید بے وزیر مالیات بھی اسی رائے پر متفق تھا۔ مگر صدر الاعظم اور دیگر ارکان وزارت جنگ پر مائل تھے۔ بلکہ کہا جاتا ہے۔ کہ ترکی جرمنی حلف نامہ ۲؍ اگست ۱۹۱۴ء کو ہو چکا تھا یعنی ترکی کے جنگ میں شامل ہونے کے دو ماہ پیشتر۔ اور ترکی کی عارضی غیر جانبداری آنکھ میں خاک جھونکنے کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ اور اگر اس کی خواہش غیر جانبدار رہنے کی ہوتی۔ تو جرمنی کے

جنگ میں شامل ہونے کے بعد جرمنی افسر ترکی کی ملازمت میں باقی نہ رہتے
چونکہ جرمن ترکی کے شمولِ جنگ کے لئے متفقہ فیصلہ چاہتے تھے۔ اس
لئے جمال پاشا کو رام کرنے کا کام صدر الاعظم کے سپرد ہوا۔ اور بیرن وان گنہائم
خود بھی جمال پاشا سے ملا۔ اور کہنے لگا "جمال پاشا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے۔
کہ جرمن افسروں نے ایک مدتِ قلیل میں کتنی خدماتِ جلیلہ آپ کے لئے
انجام دی ہیں۔ آپ کے پاس اسوقت ایسا لشکر ہے۔ جو نظام میں مقابلتہً
بہتر ہے۔ اگر آپ کی سی قوم کی شمولیت ہمیں حاصل ہو گئی۔ جس کے پاس
ایسی فوج ہے۔ تو ہماری فتح یقینی ہے" لیکن جمال اپنی رائے پر مُصر رہا۔
اور اسی طرح جاوید بے بھی۔ اسلئے ترکی جرمنی حلف نامہ دونوں وزیروں
کی اطلاع کے بغیر انجام پا گیا۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ بعض وزیروں کو اسوقت بتایا
گیا جب بتانا ناگزیر ہو گیا۔

پھر بلغاریہ صفِ جرمنی میں شامل ہو گیا۔ جس سے بلقان میں اس
کے مرکز کو اور تقویت مل گئی۔ اور آخر بحیرۂ اسود میں ترکی اور روسی بیڑہ کے
مابین وہ معرکہ ہوا جسکی حقیقت ابھی تک نامعلوم ہے۔ روسی جہاز ترکی کی
سمندر میں جال بچھا رہے تھے۔ اس لئے ان حالات و واقعات کے
ماتحت ۱۰ / اکتوبر ۱۹۱۴ء کو ترکی نے جرمنی کے ساتھ جنگ میں شمولیت
کا اعلان کر دیا۔

جاوید بے اور وزراء نے استعفاء دیدیا۔لیکن جمال پاشا نے استعفاء نہیں دیا[1]

صوفیہ سے چناق قلعہ کو

مصطفیٰ کمال نے انگریزی اور جرمن دونوں زبردست لہروں کا مقابلہ دیکھا۔ وہ جرمنی یا کسی دوسری قوت کے ساتھ شمول جنگ کے خلاف تھا بلکہ اُسے انجام میں عثمانی شہنشاہیت کی زبردست تباہی نظر آرہی تھی۔

جب انور کو یہ حقیقت معلوم ہوئی۔ تو اُس نے اُس سے نجات حاصل کرنے کی خاطر اسے صوفیا کی ترکی سفارت میں فوجی مشیر مقرر کیا۔ اُسوقت سفیر فتحی بے تھا جس سے ہماری پہچان طرابلس میں ہوئی ہے۔

اور اب! ان حالاتِ قاہرہ کے دباؤ میں صوفیا کیطرف اس طرح سفر کرتا ہے گویا اپنی موت کی طرف جارہا ہے۔ اور جونہی ترکی شمولیت جنگ کا اعلان

---

[1] یہاں تک لکھا تھا۔ کہ جاوید بے سے قاہرہ میں میری ملاقات ہوئی۔ اُن سے میں نے پوچھا۔ کہ کیوں ترکی جرمنی کیساتھ ملکر جنگ میں شامل ہوا۔ اُنہوں نے وہی بتایا جو لکھا جاچکا ہے۔ صرف اتنا اضافہ کیا کہ ترکی کا شمول جنگ حفظ ناموس کی خاطر تھا! ورنہ اگر غیر جانبدار بھی رہتا۔ تو بھی دشمنوں کیلئے لقمۂ تر بن جاتا۔

کرتا ہے۔ تو یہ خبر اُس پر بجلی سی گرا دیتی ہے اپنے تذکرات میں اپنی بے چینی کا اظہار اس طرح کرتا ہے :۔

"اُسوقت جو کچھ گزرا۔ اُس پر مجھے یقین نہ آتا تھا۔ مجھے یقین نہ تھا کہ ترکی جو اپنے لشکر کو ہتھیار اُٹھانے کی دعوت دے رہا ہے۔ اتنی سرعت سے اس معمولی حادثہ کے بعد جنگ میں کود پڑیگا جسکا وقوع بحیرۂ اسود میں ہوا۔ اور آج تک نہیں معلوم کہ کیونکر ہوا مجھے یہ سب کچھ افواہ معلوم ہوتا تھا۔ میں شمولیت جنگ کا شاکی تھا۔ لیکن میرا شکوہ سرد مہری سے دیکھا جاتا تھا۔ اور میری تنبیہات کو ٹھکرا دیا جاتا تھا۔ کیونکہ میرا کہنا اجتناب جنگ تک محدود نہ تھا۔ بلکہ میں کہتا تھا کہ جرمنی اور جو اُس کے حلیف ہونگے۔ اُن کی شکست حتمی امر ہے۔ حالات ظاہرہ سے میرا کہنا سننا غلط ہوتا تھا کیونکہ جرمنی فوجی اور تیز قدموں سے پیرس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ ایسے وقت اور ایسے حالات عجیب میں جب لوگ مسحورانہ انداز میں جرمنی اور اس کے حلفاء کی لازمی کامیابی کا ذکر کر رہے ہوں صوفیا میں ایک فوجی مشیر آستانہ کے بیشمار آدمیوں کے سامنے عجیب خیالات پیش کرتا ہے۔ اور اُن پر یہ ثابت کرنے کے لئے طویل صفحات سیاہ کرتا ہے۔ کہ ترکی کا شمول جنگ اُس کے لئے بربادی کا پیش خیمہ ہے کیا ایسا شخص مجنوں نہیں؟ اور کیا ایسے وقت میں وہ کسی اور فیصلے کا مستحق ہو سکتا ہے؟

باوجود ان تمام باتوں کے وہ ایک غیور فرزند وطن تھا۔ اور جب ترکی

جنگ میں شامل ہو چکا ہے۔ تو اس کا شامل ہونا لازمی ہے۔ اُس کے اعتقاد میں جنگ و جہاد کرنے والے انسان کے لئے ایوانوں میں بیٹھے رہنا نامناسب ہے۔ اس لئے وطن کو آنا اور فوج کی قیادت ضروری ہے ◆

یہ لیجئے۔ ہم اُسے اپنے کتب خانے میں بیٹھا ہؤا لکھتا دیکھتے ہیں اور فوجی خدمت پر واپسی کا طالب پاتے ہیں۔ لیکن قیادتِ عامہ اس طلب کو پسند نہیں کرتی۔ اور اس کی واپسی سے ناخوش ہے۔ بلکہ امیدوار ہے۔ کہ وہ صوفیا میں رہے "اُس کی موجودگی کی اہمیت کے لئے"

مصطفیٰ کمال اپنے قول کے مطابق جواب دیتا ہے۔ "اس عملی کام سے افضل و اشرف کام کوئی نہیں۔ کہ اپنے وطن کی مدافعت کی جائے۔ اور میں اپنے آپ میں اتنی قدرت نہیں پاتا۔ کہ یہاں فوجی مشیر بنا بیٹھا رہوں۔ جب میرے بھائی اور رفیق میدانِ جنگ و آتش کے وسط میں اپنے فرائض انجام دے رہے ہوں" لیکن جواب میں دیر ہوتی ہے۔ اُس کا غصہ و جوش تیز ہو جاتا ہے اور وہ قانون کی خلاف ورزی کر کے قیادتِ عامہ کی اجازت کے بغیر وطن کی واپسی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ گو اس طرح اُسے میدانِ جنگ میں ایک سپاہی کی حیثیت سے کیوں نہ کام کرنا پڑے ◆

آخر اُسے برقیہ ملتا ہے کہ اُسے انیسویں رجمنٹ کا قائد مقرر کیا جاتا ہے اور خواہش کی جاتی ہے کہ تیزی کے پروں سے اُڑ کر پہنچے ◆

آستانہ میں واپس آتا ہے۔ اور جلد ہی وزارتِ جنگ میں پہنچکر بڑے بڑے عہدیداروں سے ملتا ہے۔ تاکہ اپنی رجمنٹ کے متعلق معلومات حاصل کرے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ واللہ ہم اس نام کی کسی رجمنٹ کو نہیں جانتے +

موقع عجیب تھا!

افسرِ بے فوج۔ اور فریب خوردہ شخص کی طرح حیران!

آخر بڑی تلاش کے بعد اپنی رجمنٹ تک پہنچتا ہے۔ اور لیمان وان سانڈرس صدر ارکانِ حرب ترکیہ کی دعوت پر اس سے ملاقات کے لیے جاتا ہے۔ وہ اُس سے صوفیا میں اسکے فوجی مشیر ہونے کی حیثیت سے حالات دریافت کرتا ہے۔ کہ کیوں بلغاریہ نے صفِ جرمنی میں شامل ہونے سے اجتناب کیا۔ مصطفیٰ کمال بالکل سادگی سے جواب دیتا ہے۔ کیونکہ وہ جرمنی کی کامیابی کو مشکوک سمجھتا ہے +

لیمان وان سانڈرس شرمندہ ہو جاتا ہے۔ اور اُس کی اپنی رائے معلوم کرنا چاہتا ہے۔ اور وہ اپنی رائے کا اظہار جرمنی کی ناکامی بتاتا ہے +



غازی مصطفٰے کمال کماندار افواج درۂ دانیال

بطل درۂ دانیال

نیلسن کہا کرتا تھا کہ "ہر وہ ملاح جو قلعوں پر حملہ کرتا ہے بیوقوف ہے"۔

پھر بھی مجلس حرب نے جو ۱۳ جنوری ۱۹۱۵ء کو منعقد ہوئی اور جس میں ونسٹن چرچل امیر البحر۔ کچنر وزیر جنگ۔ فشر۔ لائڈ جارج اور اسکوتھ شامل تھے۔ درۂ دانیال پر حملہ ضروری قرار دیا۔ اور نیلسن کے قول کی پروا نہ کی۔ تاہم وہ کچھ نہ کچھ حق پر تھے۔ کیونکہ درۂ دانیال کے قلعے پرانے تھے۔ اور انگریزوں کے قوی بیڑے کے سامنے ٹھہر نہ سکتے تھے۔ پھر روس بھی کنج عزلت میں پڑا تھا۔ اور اس کے دس لاکھ کے قریب سپاہی اسلحہ کے محتاج تھے۔ ان تک پہنچنا ضروری تھا۔ بحیرۂ بالٹک سے یا درۂ دانیال سے۔ اور درۂ دانیال کا راستہ بہتر تھا۔

جلسہ کا افتتاح چرچل کے اس کلمہ سے ہوا۔ کہ درۂ دانیال پر حملہ لازمی ہے۔ پھر معاملات جنگ کے مہتمم نے اپنی تقریر میں کہا۔ کہ یہ حملہ زر کثیر کے علاوہ ساٹھ ہزار سپاہ کا محتاج ہے۔ امیر البحر جیکسن نے کہا "جزیرہ گیلی پولی کا فتح کرنا اور دشمن کی مقاومت اور روک سے پہلے بحیرۂ مرمرہ میں داخل ہونا بیوقوفی ہے۔ پھر استنبول اور اس کے قرب وجوار کی

فتح بھی ضروری ہے"۔ اُس کے بعد امیر البحر گارڈن نے اپنی رائے پڑھی۔ اور اپنے خطۂ جنگ پر بحث کی۔ کہ اقدام کی حالت میں متواتر مشکلات پیش آئینگی۔

۲۸ جنوری کا دوسرا اجتماع بھی پہلے اجتماع کیطرح ہؤا۔ اس میں بھی کچھ جان نظر نہ آتی تھی۔ حاضرین پرشک وشبہ چھایا ہؤا تھا۔ بیڑوں کے کمانڈر متردّد تھے۔ اور فشر نے استعفا دینے کی دھمکی دے دی۔ کچنر اُسے کمرے کے ایک کونے میں لے گیا۔ اور پہلے تو نرمی سے سمجھانے لگا۔ پھر ذرا سختی سے اُسے کرسی کی طرف دھکیل دیا۔

آخر درۂ دانیال پر بحری حملہ کی قرارداد منظور ہو گئی۔

فروری ۱۹۱۵ء

درۂ دانیال کا پانی اپنے فطری ہیجان میں ہے۔ اُس کے کناروں پر کسی سپاہی یا توپ کا نشان نظر نہیں آتا۔ لیکن اگر ہم پانی میں گہری نظر سے دیکھیں تو اُس میں تاروں کے نوجال بچھے ہوئے دکھائی دینگے۔ اور قلعوں اور پہاڑوں میں ہزاروں سپاہی۔

انگریزی جہاز "انڈامیٹیبل"۔ "انڈی فیٹی گیبل"۔ "گلوسسٹر"۔ "ڈبلن"۔ "کوئین الزبتھ"۔ "ٹرائمف"۔ "نیلسن" اور "آگا ممنون" اور فرانسیسی جہاز "بیووے"۔ "ورائٹی"۔ "لاگیلو"۔ "چارلس مین"۔ اور "سینٹ لوئیس" ابواب درۂ دانیال سے لگے کھڑے ہیں۔


بحیرۂ ایجین
جزیرہ نمائے گیلی پولی
درۂ دانیال
انافارطہ
خوجہ چیمین
چناق بائر
آری بورنو
ماڈوس
ایشیائے کوچک
نقشہ جنگ ہائے
درۂ دانیال

یکایک قلعوں پر حملہ کا حکم صادر ہوتا ہے۔ اور جہاز یورپی ساحل
کے قلعہ "سدالبحر" "ارطغرل" اور ایشیائی ساحل کے "قوم قلعہ" "دارڈانیہ" پر گولے
برسانا شروع کرتے ہیں۔ لیکن افسوس! درہ دانیال کے وہی پرانے قلعے
جہازوں کا مقابلہ شدت سے کرتے ہیں۔ اور بیچارے نیلسن کا قول سچا نکلتا ہے
اور مجلس حرب کی ابلہی ثابت ہو جاتی ہے +

لیکن کیا کچنر، چرچل، لائڈ جارج اور اسکوئتھ اسی پر قانع ہو جائینگے؟
کبھی نہیں .... چرچل کا برقیہ کہتا ہے۔ اگرچہ نقصان حیرت انگیز
ہے۔ لیکن حاصل مقصود چند قطعوں کے نقصان کی تلافی کر دے گا۔ کیونکہ
عثمانی شہنشاہیت کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ضروری ہے۔ اس لئے واجب
ہے۔ کہ درہ کے قلعوں کو اپنی توپوں کے ساتھ ہر ممکن کوشش سے خاموش
کیا جائے +

امیرالبحر گارڈن مالٹا میں واپس آتا ہے کیونکہ بیمار ہے۔ اور قیادت
امیرالبحر رابک کے سپرد کرتا ہے۔ گارڈن کے اس فعل پر رابک کچھ دیر تک
متحیر رہ جاتا ہے۔ ترکی آبدوز کشتیاں اس فرصت سے فائدہ اٹھا کر درہ دانیال
میں دوبارہ جال بچھا دیتی ہیں +

۱۸ مارچ کو صبح کے وقت ایک بیڑہ کے لئے حملہ کا حکم صادر ہوتا
ہے۔ بیڑہ ترکی قلعوں کے قریب آکر تین گھنٹے سے زیادہ آتش باری کرتا اور

بہت نقصان پہنچاتا ہے۔ لیکن قلعے چھ بڑے جہازوں کو غرق اور ناکارہ کر دیتے ہیں ⁘

ساڑھے تین بجے دوسرے دو بیڑے پیش قدمی کرتے ہیں۔ اور اُن میں سے دو جہاز تیز گولوں کی مار کھا کر غرق ہو جاتے ہیں ⁘

ساڑھے آٹھ بجے انگریزی اور فرانسیسی بیڑہ اپنے آٹھ بڑے بڑے جہازوں کی قربانی دینے کے بعد کھلے سمندر میں واپس آتا ہے ⁘

مجلسِ حرب کی حماقت کا دوبارہ ثبوت مل گیا ⁘

بیڑے کے قائدین لندن کو تار بھیجکر بہ عجز بڑی طاقت کے طلبگار ہوتے ہیں ⁘

آخر کچنر اور چرچل بڑی حملے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ کچنر اپنے دوست جنرل ایان ہملٹن کو درۂ دانیال کی بڑی قوت کی قیادت سپرد کرتے ہوئے کہتا ہے "میں تم سے فقط ایک مقام فتح کرنے کا طالب نہیں بلکہ لازم ہے۔ کہ تمام جنگ فتح کرو" ⁘

پھر جنرل برڈوڈ قائد افواجِ آسٹریا کو مصر میں تار دیکر اپنی زبردست افواج کے ساتھ درۂ دانیال میں پہنچنے کا حکم دیتا ہے ⁘

ایان ہملٹن اپنے سپاہیوں کو کمزور دیکھ کر اسکندریہ بھیجتا ہے۔ تاکہ وہاں

ضروری تربیت کے بعد میدان میں واپس آئیں ؎

چند ہفتوں تک نظریۂ جنگ پر بحث و تمحیص رہتی ہے۔ آخر قرار پاتا ہے کہ ۲۵ اپریل کو خشکی پر فوجیں اُتار دی جائیں ۔

اُس دن صبح ہملٹن فوج کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہتا ہے :۔

"اے فوج فرانس۔ اے سپاہ ملک۔ ہم یہاں ایسے کام پر مامور ہوئے ہیں جس کی نظیر موجودہ جنگ میں پہلے کوئی نہیں ملتی۔ ہم اپنے بحری بھائیوں کی مدد سے ساحل پر اُتر رہے ہیں۔ ہمارے سامنے ایسے مواقع ہیں۔ جن کے متعلق دشمن یہ ثابت کرنے کی کوشش میں ہے۔ کہ وہ جنگ سے حاصل نہیں ہوسکتے۔ پھر جب تم اپنے قدم جزیرۂ گیلی پولی پر رکھو تو اس طرح لڑو۔ کہ ہم فیصلہ کُن فتح حاصل کریں۔ تمام دنیا میں ہماری اس پیش قدمی کی خبر پہنچ چکی ہے۔ اس لئے دنیا پر یہ ثابت کردو۔ کہ تم پر اُن کا اعتماد و وثوق رائگاں نہیں جائے گا اور ہمیشہ مطمئن رہو۔ کہ بادشاہ کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں" ۔

اب ہم انگریزی اور فرانسیسی بیڑے کو جنگ کی تیّاری میں چھوڑ کر اپنا رُخ ساحل کی جانب کرتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ مصطفیٰ کمال کہاں ہے ۔

ہم اُسے گیلی پولی کی جنوبی جانب فوج مدافعت کی قیادت کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ اور اختلاف آراکی وجہ سے اُس کے اور لیمان وان سانڈرس کے مابین مسلسل کشمکش دیکھتے ہیں۔ پھر بایں ہمہ لیمان وان سانڈرس کو یہ کہتے ہوئے سُنتے ہیں۔ کہ وہ ماہر افسر ہے .... وہ قائد ہے۔"

انور حملۂ روس سے ناکام واپس آتا ہے۔ اور سنتا ہے۔ کہ اُس کا حریف درۂ دانیال میں فوج کی کمان کر رہا ہے۔ وہ پر مغضب ہو جاتا ہے۔ اور وان سانڈرس کو اُس کی علیحدگی کا حکم دیتا ہے۔ لیکن وان سانڈرس خصومت و منفعت میں فرق دیکھتا ہے۔ اس لئے انور کے حکم سے بے پروا ہو کر کمال کو اُنیسویں بریگیڈ کا قائد مقرّر کرتا ہے۔ جو ساحلِ گیلی پولی کے منطقۂ مائیدوس میں پڑا ہے۔ وہ منطقہ جس میں معرکہ کا آغاز ہونے والا ہے۔

۲۵ر اپریل ۱۹۱۵ء کی صبح ۔

سمندر ساکن ہے۔ اور اُس کی موجیں بے حرکت۔ ساحل خاموش اور اُن ہزاروں لاشوں کا منتظر۔ جو اس میں دفن ہونے والی ہیں۔

انگریز اپنی مسلح موٹروں کے ساتھ ساحل سے بڑھتے ہیں۔ اور قلب فوج حملہ کے لئے اُس منطقہ کا رخ کرتا ہے۔ جہاں مصطفےٰ کمال اُس کا منتظر ہوتا ہے۔

لیکن فوجیں زبردست ہیں .... وہ بذاتِ خود توپیں قابیۃ

سے آری بورنو کی جانب دھکیلتا اور دیکھتا ہے کہ آسٹریلین سامنے سے "چناق بایر" کی بلندیوں پر چڑھ رہے ہیں۔

مصطفیٰ کمال محض اتفاقاً اس چوٹی کے قریب ہوتا اور دیکھتا ہے۔ کہ ترکی فوجیں حملہ کرنے پر تُلی کھڑی ہیں۔ اُن سے پوچھتا ہے۔ کہ "کیا خبر ہے"؟ وہ کہتے ہیں۔ انگریزوں نے حملہ کر دیا ہے۔

کیا مصطفیٰ کمال کچھ سوچتا ہے؟ اور کیا وہ اپنے حاکم اعلیٰ وان سانڈرس کے حکم کا انتظار کریگا؟ بالکل نہیں...... کیونکہ منٹ تیزی سے گزر رہے ہیں۔ اور ہر دقیقہ انگریزی فتح کا ضامن ہے۔

اسلئے ذمہ داری کا بار تنہا اپنی گردن پر اُٹھاتا ہے۔

"بہادرو آؤ! چناق بایر کی چوٹی کی طرف"۔

خود آگے ہوتا ہے۔ افسر اسکے پیچھے پتھروں کو پھاندتے کودتے جارہے ہیں۔ حتیٰ کہ بلندی پر پہنچتا ہے۔ وہاں اُسے دہشتناک منظر دکھائی دیتا ہے۔ آسٹریلین بلندی پر پہنچنے کے قریب ہیں۔ گولیاں اُس پر مینہ کی طرح برسنے لگتی ہیں۔

"جلد چھاؤنی کی طرف۔ فوج کو جلد لیکر آؤ"۔

چند منٹ میں ۵۷ رجمنٹ پہنچ جاتی ہے۔ اُسے دشمن کے مقابل میں پھینک دیتا ہے۔ پھر توپ خانہ آتا ہے۔ اور کمال اپنے ہاتھ سے گولے دشمن پر

مارتا ہے۔ دوسری رجمنٹ آجاتی ہے۔ اسے حملہ کا حکم دیکر "چناق بابر" کی بلندیوں پر چکر لگاتا ہے۔ معرکہ اتنا زبردست ہوتا ہے۔ جو جوانوں کو بڈھا بنادے۔ اور آخر ترک آسٹریلین پیشقدمی کو روک دیتے ہیں +

رات معرکۂ مستمرہ کا نظارہ کرتی ہے۔ اور دن بہادروں پر کشمکش و پنج میں گذرتا ہے۔ فوج کے قویٰ سست ہونے لگتے ہیں۔ اور بھوک پیاس اور جنگ کی ہولناکی سختی سے محسوس ہوتی ہے +

لیکن کیا وہ انہیں آرام کرنے کے لئے چھوڑ کر شکست کھائے گا! اور دشمن کو ایسی فتح کا موقع دیگا۔ جو جنگ عظیم کا رخ بدل دے ؟

وہ دیکھئے۔ توپوں کی گرج کے درمیان فولادی مجسمہ کی طرح کھڑا سپاہیوں کو کبھی شجاعت و جوش دلاتا ہے۔ اور کبھی رعد کی سی آواز سے دھمکاتا ہے۔ اس آتشِ جہنم کے درمیان اسوقت تک رہتا ہے۔ جب آسٹریلین سپاہی ہمت ہار جاتے ہیں۔ اور وہ اسبابِ جنگ کو چلنے سے روک دیتے ہیں۔ جب آسٹریلین چوٹی پر پہنچنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اُس وقت وہ آرام و اطمینان کا سانس لیتا ہے۔ کیونکہ اُس نے چناق بابر کی بلندیاں بچالی تھیں۔ جو نہ گیلی پولی بلکہ استنبول کی کنجی تھیں +

دوسرے دن کا آفتاب انگریزی اور ترکی خندقوں پر اس طرح طلوع ہوتا ہے۔ کہ اس کی روشنی میں ایک لاکھ بیس ہزار جنگجو موجود ہوتے ہیں +

زمین تپتی ہوئی۔ آسمان شعلہ بار۔ ہوا دم گھونٹنے والی۔ شمال و جنوب سے بوئے مرگ آتی ہے۔ اور گولیاں سپاہیوں پر برس رہی ہیں۔ ذرا موقع میسر ہوا۔ تو موت کے سپاہی خرابہ سے سایہ کی طرح نکلتے ہیں۔ اور اپنے مُردوں کے ڈھیر پر ڈھیر خاک کے نیچے دبا دیتے ہیں۔ ان سپاہیوں کے درمیان آپ مصطفیٰ کمال کو دو فرض ادا کرتے پائینگے۔ ایک تو اپنے آدمیوں کی تدفین میں مدد کا فرض۔ اور دوسرا دشمنوں کا تجسس اور اُن کی پناہ گاہوں کا انکشاف ؂

وہ نہیں تھکتا نہیں سوتا۔ اور جنگ خندق کی کمان اس طرح کرتا ہے گویا خندقوں میں پیدا ہوا۔ اور اسکے ساتھ کام کرنے والے ترک اور جرمن جرنیل یہ محسوس کرنے لگتے ہیں۔ کہ وہ کچھ کام نہیں کرتے۔ اور بلاشبہ وہی سالار میدان ہے ؂

اور سپاہی! اُن کی شجاعت کی داد جس طرح چاہیں دے لیں ؂

ایک موت کے منہ میں کھڑا اپنی بندوق ایک طرف رکھ دیتا۔ اور جیب سے سگرٹ نکال کر اس طرح کش لگانے لگتا ہے۔ گویا اپنے گھر میں ہے۔ اور اہل و عیال کے درمیان بیٹھا ہے۔ اور دوسرا اپنے ترک شہدا کو دفن کر رہا ہے۔ یکایک اُسے آسٹریلین زخمی افسر کے کراہنے کی یہ آواز اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے "اماں! اماں"! اُس کا دل رحم و شفقت سے لبریز ہو جاتا

ہے۔ اُسے پیٹھ پر لاد کر دشمن کے مورچے کی طرف چل دیتا ہے۔ گولیوں کا مینہ
برس رہا ہے۔ لیکن وہ ادائے فریضۂ انسانی کی خاطر موت سے نہیں ڈرتا۔
آسٹریلین اُسے دیکھتے ہیں۔ تو مبہوت ہو کر گولیاں چلانا بند کر دیتے ہیں۔ حتیٰ
کہ وہ اُنکے قریب آکر اُن کا مجروح اُنکے حوالے کر دیتا ہے۔ اُن کی آنکھوں سے
تشکر کے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ وہ مٹھائی اور سگرٹ پیش کرتے ہیں لیکن
وہ قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

مصطفیٰ کمال یہ سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے۔ اور اپنے سپاہیوں کے
لئے بہتر نمونہ بننا چاہتا ہے۔ جنگی عملہ کے اعلیٰ افسر اُس کے متعلق بیان کرتے
ہیں۔ کہ جب وہ خندقوں سے نکل کر خود سامنے میدان میں آتا ہے۔ تو
آسٹریلین اُسے دیکھتے ہی گولیاں برسانے لگتے ہیں۔ افسر خطرہ محسوس
کر کے اُس سے التجا کرتے ہیں: "کہ اپنی جان کو معرضِ ہلاکت میں نہ ڈالئے"
تو وہ جواب دیتا ہے۔ "میں کیونکر ڈر جاؤں۔ جب میرے سپاہی نہیں ڈرتے"
پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر سگرٹ نکال لیتا ہے۔ بالکل سکون کے
ساتھ پینے لگتا ہے۔ اور اپنے افسروں کے ساتھ طویل گفتگو میں مصروف
رہتا ہے۔ حتیٰ کہ سگرٹ تمام جل جاتا ہے۔ پھر اس سادگی سے خندقوں میں
واپس آتا ہے۔ گویا اس کا موت سے بچ جانا کوئی معجزہ نہ تھا۔

رات کے وقت جب کمال اپنے خیمے میں تنہا ہوتا ہے۔ تو ہم اُس

زمین تپتی ہوئی۔ آسمان شعلہ بار۔ ہوا دم گھونٹنے والی۔ شمال و جنوب سے بوئے مرگ آتی ہے۔ اور گولیاں سپاہیوں پر برس رہی ہیں۔ ذرا موقع میسر ہوا۔ تو موت کے سپاہی خرابہ سے سایہ کی طرح نکلتے ہیں۔ اور اپنے مُردوں کے ڈھیر پر ڈھیر خاک کے نیچے دبا دیتے ہیں۔ ان سپاہیوں کے درمیان آپ مصطفیٰ کمال کو دو فرض ادا کرتے پائینگے۔ ایک تو اپنے آدمیوں کی تدفین میں مدد کا فرض۔ اور دوسرا دشمنوں کا تجسس اور اُن کی پناہ گاہوں کا انکشاف ؛

وہ نہیں تھکتا نہیں سوتا۔ اور جنگ خندق کی کمان اس طرح کرتا ہے گویا خندقوں میں پیدا ہوا۔ اور اسکے ساتھ کام کرنے والے ترک اور جرمن جرنیل یہ محسوس کرنے لگتے ہیں۔ کہ وہ کچھ کام نہیں کرتے۔ اور بلاشبہ وہی سالار میدان ہے ؛

اور سپاہی! اُن کی شجاعت کی داد جس طرح چاہیں دے لیں ؛

ایک موت کے منہ میں کھڑا اپنی بندوق ایک طرف رکھ دیتا۔ اور جیب سے سگرٹ نکال کر اس طرح کش لگانے لگتا ہے۔ گویا اپنے گھر میں ہے۔ اور اہل و عیال کے درمیان بیٹھا ہے۔ اور دوسرا اپنے ترک تنہد اکو دفن کر رہا ہے۔ یکایک اُسے آسٹریلین زخمی افسر کے کراہنے کی یہ آواز اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے " اماں! اماں" ! اُس کا دل رحم و شفقت سے لبریز ہو جاتا

ہے۔ اُسے پیٹھ پر لاد کر دشمن کے مورچے کی طرف چل دیتا ہے۔ گولیوں کا مینہ برس رہا ہے۔ لیکن وہ ادائے فریضۂ انسانی کی خاطر موت سے نہیں ڈرتا۔ آسٹریلین اُسے دیکھتے ہیں۔ تو مبہوت ہو کر گولیاں چلانا بند کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اُنکے قریب آکر اُن کا مجروح اُنکے حوالے کر دیتا ہے۔ اُن کی آنکھوں سے تشکر کے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ وہ مٹھائی اور سگرٹ پیش کرتے ہیں لیکن وہ قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

مصطفیٰ کمال یہ سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے۔ اور اپنے سپاہیوں کے لئے بہتر نمونہ بننا چاہتا ہے۔ جنگی عملہ کے اعلیٰ افسر اُس کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ کہ جب وہ خندقوں سے نکل کر خود سامنے میدان میں آتا ہے۔ تو آسٹریلین اُسے دیکھتے ہی گولیاں برسانے لگتے ہیں۔ افسر خطرہ محسوس کر کے اُس سے التجا کرتے ہیں: "کہ اپنی جان کو معرضِ ہلاکت میں نہ ڈالئے"۔ تو وہ جواب دیتا ہے۔ "میں کیونکر ڈر جاؤں۔ جب میرے سپاہی نہیں ڈرتے"۔ پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر سگرٹ نکال لیتا ہے۔ بالکل سکون کے ساتھ پینے لگتا ہے۔ اور اپنے افسروں کے ساتھ طویل گفتگو میں مصروف رہتا ہے۔ حتیٰ کہ سگرٹ تمام جل جاتا ہے۔ پھر اس سادگی سے خندقوں میں واپس آتا ہے۔ گویا اس کا موت سے بچ جانا کوئی معجزہ نہ تھا۔

رات کے وقت جب کمال اپنے خیمے میں تنہا ہوتا ہے۔ تو ہم اُس

کی اُنگلیاں پھرتی سے پیانو پر چلتی دیکھتے ہیں۔ جو وہ استنبول سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ یہ پیانو چند ایرانی قالینوں کے ساتھ اس سپاہی کی ساری ملکیت ہے۔ جو گیلی پولی کے جہنم میں وسیلۂ عیش و طرب ہے +

خندقوں کی جنگ کمال شدت پر ہے مصطفیٰ کمال کو اپنے سپاہیوں کے حوصلے پست نظر آتے ہیں۔ وہ اس ضعف کا علاج فوراً سوچ لیتا ہے۔ یہ علاج حملہ تھا۔ میدان کی حالت بھی حملہ کے حق میں تھی۔ لیکن بدبختی عین شب حملہ میں انور کو محاذِ جنگ میں اُٹھا لاتی ہے۔ وہ کمال کی تجویز کا مضحکہ اُڑاتا اور حملہ سے انکار کرتا ہے۔ دونوں کے مابین سخت جھگڑا ہو جاتا ہے جس کی خبر افسروں سے گزر کر سپاہیوں تک پہنچتی ہے۔ کمال کو استعفاء پیش کرنے کا خیال آتا ہے۔ لیکن وان ساندرس اُسے ٹھنڈا کر لیتا ہے۔ اور انور کو حملے پر رضامند +

مگر سپاہی جھگڑے سے آگاہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس لئے حملے کی ساعت اُنہیں موت کا فتوےٰ نظر آتی ہے۔ وہ طبعاً ناکام ہوتے ہیں۔ انور تمسخر کے انداز میں مسکرا دیتا ہے۔ کمال اس پر بگڑ کر اُسی وقت استعفاء پیش کرتا ہے۔ اور وان ساندرس پھر ایک دفعہ درمیانی واسطہ بنکر استعفاء واپس کرا لیتا ہے +

"چناق بایر" کی ناکامی کے بعد اگست کی ایک رات کو انگریز خوج چمین پر تازہ حملہ کرتے ہیں۔ اور اگر کمال فوج مدافعت بھیجنے میں بعد ہی نہ کرتا۔ تو سولہ ہزار آسٹریلین بڑھ کر چوٹی تک پہنچ جاتے۔ جب صبح ہوئی تو آسٹریلین جنگ بند کر چکے تھے۔ کمال اس فرصت سے فائدہ اٹھا کر فوج مدافعت میں اضافہ کر دیتا۔ اور چوٹی پر اُنکے قابض ہونے کا موقع کھو دیتا ہے ؀

انگریز سخت اضطرابی حالت میں ہیں۔ پارلیمنٹ میں لائڈ جارج کچنر اور چرچل پر حملے ہوتے ہیں۔ اور جلد فتح حاصل کرنے پر زور دیا جاتا ہے ؀

کچنر سرایان ہملٹن کو تار دیتے کہ بار بار کی ناکامی کے اسباب دریافت کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی حکم صادر کرتا ہے۔ کہ سخت اور متواتر حملے کئے جائیں ؀

۸ر اگست کی صبح کو انگریز خلیج سلفا اور انا فارطہ کی جانب سے حملہ کرتے ہیں۔ اور "چناق بایر" کی بلندی تک پہنچنے کے لئے بے قرار ہیں۔ آسٹریلین اور نیوزیلینڈی بریگیڈ نہ کی محاذ کی طرف بڑھتے ہیں۔ اور اُن کی صفیں چیرنے کو ہیں۔ ترک شکست کے قریب ہیں۔ لیکن کمال کا آہنی ارادہ درمیان میں آجاتا ہے۔ اور شکست کو فتح سے بدل کر دشمنوں کو پیچھے دھکیل دیتا ہے ؀

لیمان وان سانڈرس معترف ہے۔ کہ یہ فتح معجزات جنگ میں سب سے بہتر معجزہ ہے۔ وہ رات کے وقت کمال کو اپنے خیمے میں دعوت دیتا ہے۔ اُس کے احترام و اجلال میں اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے "ہم اس وقت جنگ کی ہولناک حالت میں ہیں۔ ہماری فوجیں بھاگنے کے قریب ہیں۔ استنبول سے امداد پہنچنے کا امکان نہیں۔ اس لئے میں نے سوچا کہ گیلی پولی کی تمام افواج مدافعت کی کمان آپ کے سپرد کروں۔ کیا آپ قبول کرینگے"؟

کیا وہ قبول کریگا؟ ہاں وہ اس کے لئے مرتا ہے۔ اور محض آج کا دن دیکھنے کے لئے زندہ ہے۔ کیونکر قبول نہیں کریگا؟

دوسرے دن کچھ نئے سپاہی پہنچ جاتے ہیں۔ مصطفیٰ کمال اپنے لشکر کو حملے کا حکم دیتا ہے۔ ترک اپنی پناہ گاہوں میں سے تیر کی طرح نکلتے ہیں اور اس شدت سے حملہ کرتے ہیں۔ کہ دشمنوں کے پاؤں کے نیچے زمین ہلنے لگتی ہے۔ وہ ساحل کی طرف بھاگتے ہیں۔ ترک بھی دوڑ کر ان سے جا ملتے ہیں اور سنگینوں سے ہزاروں کا صفایا کر دیتے ہیں۔ ان خطرناک اور نازک حالات میں انگریزی بیڑہ فریقین پر گولے برساتا اور اُنہیں ہلاک کرنے لگتا ہے۔

لیکن انگریزوں نے "چناق بایر" کی چوٹی پر پہنچنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ کچھنر کو شکست کی خبر پر یقین نہ آتا تھا۔ اس لئے دوسرے دن ہم دیکھتے ہیں کہ اُنہوں نے "چناق بایر" پر سخت حملہ کر دیا ہے۔ قائدین مدافعت کے دل پر رعب و خوف چھا جاتا ہے۔ وہ کمال کو ٹیلیفون پر خبر دیتے اور جلد پہنچنے کی استدعا کرتے ہیں۔ وہ اُنہیں عجیب ٹھنڈے دل سے جواب دیتا ہے۔ کہ کچھ خوف نہ کرو۔ اور جب تک میں پہنچوں۔ چوٹی کی مدافعت کرتے رہو۔

وہ دیکھو! چناق بایر کی چوٹی پر کمال کھڑا ہے۔ دوربین ہاتھ میں ہے۔ گولیاں ہر جانب سے آ رہی ہیں۔ وہ دیکھتا ہے۔ کہ وقت ایک فوری حملے کا محتاج ہے۔ ورنہ شکست یقینی ہے۔ تمام افواج کو یکجا کر کے اُنہیں خندقوں میں بھر دیتا ہے۔ تاوقتیکہ انتظام کرے۔ پھر شیر کی مانند اُن کے درمیان گھوم کر کہتا ہے: "میرے بیٹو۔ حملے کے لئے جلدی نہ کرو۔ انتظار کرو۔ تاوقتیکہ میں خندقوں کے باہر ہو لوں۔ اور تمہیں اشارہ کر دوں اُس وقت اپنی کمین گاہوں سے نکلو۔ اور دشمن پر پختہ نشانہ باندھو۔ میں تمہارے آگے ہونگا۔"

حملے کے وقت (دوسرے دن ۳ بجے بعد ظہر) کمال محاذِ جنگ پر تنہا ظاہر ہوتا ہے۔ اس نارِ جہنم میں تنہا کھڑا ہوتا ہے۔ پھر ہاتھ سے اشارہ کر کے دشمن کی جانب دوڑتا ہے۔

سپاہی اُس کے پیچھے ہوتے ہیں۔ نعرۂ جنگ (اللہ۔ اللہ) آفاق تک پہنچتا ہے۔ اور آسٹریلین سپاہی حیوانوں کی طرح بھاگنے لگتے ہیں ساحل کی طرف۔ پانی کی طرف۔ بیڑہ اپنی توپوں کے دہانے کھول دیتا ہے۔ اور ترکوں کے ساتھ آسٹریلین بھی موت کا شکار ہوتے ہیں۔ اگر آپ گولوں اور دھوئیں کے درمیان میں سے دیکھینگے۔ تو آپ کو نظر آئے گا۔ کہ ترک سپاہی دشمن کے پیچھے پانی میں اترتے ہیں۔ اور اپنی بندوقوں کے کندوں سے اُنہیں غرق کرتے ہیں۔ پھر جس کے نصیب میں نجات ہے۔ وہ بچ کر واپس آجاتا ہے اور جس کے مقدّر میں موت لکھی ہے۔ وہ گولوں سے ہلاک ہوجاتا ہے۔

اس طرح انگریز درۂ دانیال کا معرکہ ہارتے۔ اور ایسی بُری شکست کھاتے ہیں جسکی نظیر اُنکی طویل تاریخ میں نہیں مل سکے گی[1]۔

---

[1] ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جو اثناء جنگ میں پیش آیا۔ اور بالتحقیق معلوم نہیں۔ کہ اسکا وقوع کس جگہ اور کس معرکے میں ہؤا۔ اس سے کمال کی شخصیت کا ایک گوشہ بے نقاب ہوتا ہے۔

مصطفیٰ کمال ایک پہاڑی پر کھڑا جنگ و قتال کی سیر دیکھ رہا تھا۔ اُس نے دیکھا۔ کہ پلٹن کا افسر شہید ہوگیا۔ اُس کی کمان اُس سے کم رتبہ افسر نے سنبھالی جب وہ بھی اپنی باری سے شہید ہوجاتا ہے۔ تو اس کی جگہ ایک اور کم رتبہ شخص لیتا ہے۔ حتیٰ کہ آخری کمان ایک لفٹنٹ کے ہاتھ میں آئی۔ کمال نے دیکھا۔ کہ یہ افسر بہادری اور فنِ جنگ میں مہارت رکھتا ہے۔ کمال نے سوچ لیا۔ کہ بعد جنگ اُسے کرنیل کے عہدے پر ترقی دیگا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ افسر نے جلد کمان افسر سے کی استدعا کی کیونکہ وہ ذمہ داری سے ڈرتا ہے۔ کمال کے دل میں اُسکی طرف سے حقارت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ اُسے تمام عمر ترقی نہ دینے کا عزم کر لیتا ہے۔

ہم واقعہ کو طول دینا نہیں چاہتے۔ انگریزوں نے اس کے بعد دو حملے اور کئے لیکن شکست کھا کر واپس ہوئے۔

دسمبر میں ایک دن مصطفیٰ کمال پاشا رپاشا اُس کا نیا رتبہ ہے آخند قوں کی طرف رخ کئے کھڑا ہوتا ہے۔ اور حیران و ششدر ہے۔ کہ توپیں چل رہی ہیں لیکن سپاہِ دشمن میں کچھ حرکت و نشان نظر نہیں آتا۔ اور نہ سمندر میں کہیں بیڑہ دکھائی دیتا ہے۔ چند جاسوسوں کو دریافتِ حال کے لئے بھیجتا ہے۔ جو چند منٹ کے بعد واپس آکر بتلاتے ہیں کہ انگریز رات کے وقت میدان سے بھاگ گئے ہیں۔ اور یہ چند توپیں اپنے آپ سے چل رہی ہیں۔ وہ مسکرا دیتا ہے۔

وطن خطرے میں

استنبول خوشنما لباس میں ملبوس ہے۔ جھنڈیاں ہوا میں اُڑ کر بہار دکھا رہی ہیں۔ ترکی نے اتحادیوں پر فتح پائی اور برلن کو انا فارطہ اور بطل انا فارطہ پر ناز ہے۔

رہگیر اور فوجی آدمی بھی مصطفیٰ کمال پر فخر کرتے ہیں جس نے اپنی زندگی کی پہلی قیادت میں ایسا معرکۂ عظیم سر کیا۔

سرگوشیاں بکثرت ہوتی ہیں۔ آپس میں مقابلہ کیا جاتا ہے۔
انور منہور ہزیمت خوردہ، جمال شکست یافتہ اور مصطفیٰ کمال فاتح و ظفر مند۔
رہگیروں کے درمیان یہی ذکر ہوتا ہے +

پھر کیوں مصطفیٰ کمال اپنی فتح و عظمت پر مسرور نہیں ؟

وہ دیکھئے۔ دارالخلافہ میں جبین پر شکن اور مُردہ دلی سے اُس ساعت پر لعنتیں بھیجتا ہُوا داخل ہوتا ہے۔ جب ترکی جرمنی کے ساتھ مل کر جنگ میں کُودا +

ہاں۔ جرمنی پامال اور ہزیمت خوردہ ہے +

دیکھئے وہ کس طرح غربی میدان کی خبر سُن کر حیوانِ مجروح کی طرح کراہ رہا ہے۔ دیکھئے وہ اعلیٰ فوجی عملہ کے دفتر میں اپنے ایک دوست سے ملنے جارہا ہے۔ وہاں پہنچ کر انجام وطن کے متعلق جو خوف و شکوک اُس کے دل میں بھرے ہوئے ہیں۔ اُس کے سامنے بیان کرتا ہے۔ اور اپنے قول کی تائید میں ایسی جنگی دستاویزیں پیش کرتا ہے۔ جن میں اختلاف و اعتراض کی گنجائش نہ ہو۔ عہدہ دار اُسے اطمینان دلاتا ہے۔ کہ حُبِّ وطن نے اوہام کی شکل مجسّم اُس کے سامنے کھڑی کردی ہے۔ ورنہ سلطنت عثمانیہ کے ذمہ دار جرمنی کی عظمت و قوت دیکھ کر اُس سے ملے ہیں۔ مصطفیٰ کمال محبّت کا جواب حُجّت سے دیتا ہے۔ اور مثال میں اپنا معرکہ پیش کرتا ہے جس میں

سے وہ فاتح نکلا۔ اور اگر وہ قائد ترکی" وان ساندرس سے عنانِ قیادت اپنے ہاتھ میں نہ لے لیتا۔ تو وطن کو ایسی شکست نصیب ہوتی جس کی پہلے کوئی نظیر نہ مل سکتی۔ عہدہ دار رنجیدہ ہو کر جواب دیتا ہے :۔

کمال! ہمیں سکون سے کام کر لینے دو۔ ورنہ تم اپنے ضمیر کے سامنے جواب دہ ہو گے۔ کیونکہ ہم ایسے امور انجام دینے والے ہیں جن سے تمہیں راحتِ قلب حاصل ہو۔ اور تمام دنیا حیران رہ جائے ؂

مصطفیٰ کمال حسبِ عادت مسکرا دیتا ہے۔ اُس کے دل میں ان عہدہ داروں کی طرف سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے جو ہر چیز سے انجان ہو کر ہر چیز سے واقف ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اپنے دل میں یہ کہتا ہُوا نکلتا ہے :۔

یہ ضدی کس طرح نتیجۂ جنگ سے واقف ہو سکتا ہے۔ جب خود انور بھی اُسی قدر جانتا ہے۔ جتنا جرمن اُسے بتانا مناسب سمجھتے ہیں ؟

پھر صدرِ اعظم طلعت پاشا سے ملتا ہے۔ اور اُس عظیم الشان شخص اور مخلصِ وطن سے بھی بعینہٖ وہی نغمہ سنتا ہے۔ وزارتِ خارجہ میں جاتا ہے۔ اور وزیر سے ملاقات کا طالب ہوتا ہے۔ وہاں اُسے وزراء کا گروہ ملتا ہے۔ جس میں آدھے چاپلوس ہوتے ہیں۔ اور باقی یا تو عشاقِ سیاست یا افلاطونی سیاست پر بحث کرنے والے۔ وہاں وہ ایسے آدمیوں کے مُنہ

سے تذکرۂ جنگ اور اقوام عالم کے انجام کے فیصلے سُنتا ہے۔ جنہیں سیاستِ
جنگ کا کچھ شعور نہیں ہوتا۔ اُن سے سخت نفرت کرنے لگتا ہے ۔

وزیر تھوڑی دیر تک اُس کی موجودگی سے تجاہل برتتا ہے۔ پھر اُسے
ملاقات کے لئے طلب کرتا ہے۔ مردِ میدان کی یہ خواہش ہے۔ کہ مردِ سیاست
کو ایک سخت سبق دے۔ اس لئے وہ بلند آواز میں دربان سے مخاطب ہو
کر کہتا ہے جسے تمام حاضرین اور خود وزیر بھی سُنتا ہے :-

ہزایکسیلنسی سے عرض کرو۔ کہ تھوڑی دیر انتظار فرمائیں ۔

یہ کہہ کر وہ ایک شخص سے باتیں کرنے لگتا ہے۔ اور جب دیکھتا ہے
کہ وزیر کو سبق مل گیا ہے۔ تو ملاقات کے لئے اندر جاتا ہے۔ وزیر اسے
خندہ پیشانی سے ملتا ہے۔ اور سیاستِ عامہ پر مسرت کا اظہار کرتا ہے۔
مصطفیٰ کمال مخالفت کرتا ہے۔ اور انجام وطن پر اپنی پریشانی کا اظہار
کرتا ہے۔ اور اُس سے اُمید رکھتا ہے۔ کہ جرمن اثر سے وزارتِ جنگ کو
بچایا جائے۔ اور اُس کے بعد جنگ کا علاج اس طرح کیا جائے جو تنہا ترکی
مصالح پر مبنی ہو۔ نہ کہ جرمن کی طمع و آز پر۔ وزیر پیچ و تاب کھا کر جواب دیتا ہے
کہ وزارتِ جنگ اس کا حل وزارتِ خارجہ سے بہتر کر سکتی ہے۔ اس طرح
ملاقات بے نتیجہ ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد مردِ میدان مردِ سیاست سے
علیحدہ ہو کر باہر آتا ہے۔ اور اپنے تذکرات میں لکھتا ہے "لیکن مجھے اعتقاد

تھا۔ کہ وہ لوگ جو سراور دُم میں تمیز نہیں کر سکتے۔ کچھ تو دعوائے فہم و ذکا میں بھٹک رہے ہیں۔ کسی کو کمال علم پر غرہ ہے۔ کوئی ڈکٹیٹری کے دعوے میں پاگل ہو رہا ہے۔ اُن میں سے کوئی بھی حقیر مصطفٰی کمال کو کچھ ایذا نہیں پہنچا سکتا۔ وہ جو کچھ کر سکتے ہیں۔ یہ ہے کہ مصطفٰی کمال کو گرفتار کر کے پھانسی پر لٹکا دیں۔ اس دلیل سے کہ اُنکے ہاتھ میں قوت و طاقت ہے۔ گو میں اس روز کو بہتر روز سمجھونگا۔ جب قوم میری نافرمانی کی خبر اچھی طرح سُن لیگی۔

وزارت جنگ میں وہ کیونکر جائے۔ جہاں اس کے حریف انور اور متعدد جرمن افسر موجود ہیں۔ جو اسے دیکھتے ہی چیں بہ جبین ہو جائینگے۔

مجبوراً "پیرا پیلیس" ہوٹل میں واپس آجاتا ہے۔ اور رات بھر اپنے کمرے میں بیٹھا ڈکٹیٹر انور۔ سیاسی عیّار طلعت اور وزارت جنگ کے تمام جرمنوں پر طیش و غصہ کا اظہار کرتا ہے۔

انور کے شکست خوردہ لشکر کی کمان

خدا انور کو معاف کرے۔ تاریخ اُس کی مجنونانہ حرکات اور طیش کو کبھی نہیں بخشے گی۔

اُس نے کس خیال سے ایک لاکھ ترک نوجوان جنگجو قفقاز کے

اُس منحوس حملے کے لئے دھکیل دیئے۔ جو روس پر نپولین کے حملے کی یاد تازہ کرتا ہے ٭

وہ چاہتا تھا۔ کہ اپنی حیثیت سے بالاتر کام کر دکھائے یعنی روس کو مشرق میں اس طرح پامال کرے جس طرح جرمنوں نے اسے مغرب میں کیا۔ لیکن قفقاز کے جنگی ناممکنات کا کچھ خیال نہ کیا۔ خصوصاً موسم سرما میں وہ اپنے سپاہیوں کو برف اور بھوک کی طرف دھکیل دیتا ہے۔ جو ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اور جب ناکامی کا یقین ہو جاتا ہے۔ تو لشکر کو حدود روس پر چھوڑ کر استنبول واپس آتا ہے۔ تاکہ اتحادیوں پر اپنے حریف کی فتح کو اپنی آنکھ سے دیکھے۔ اور دیکھئے! وہ اپنے لشکر کی قیادت اپنے حریف کے حوالے کر رہا ہے ٭

مصطفیٰ کمال اس تعیّن کو اپنی مرضی کے خلاف قبول کرتا ہے اور کمان لینے کے لئے فوج میں جاتا ہے۔ کیا دیکھتا ہے۔ کہ وہ روسی جن پر انور حملہ آور ہوا تھا۔ اُلٹ کر حملہ کر رہے ہیں۔ وہ وان بتلس۔ موش اور ارض روم پر قابض ہو چکے ہیں۔ اور خود ترکی پر زبردست حملہ کرنے والے ہیں ٭

جب لشکر کو دیکھتا ہے۔ تو اُسکے ضعف، قلت تربیت اور ذخائر سلاح میں کمی دیکھ کر اُسے خطرہ محسوس ہونے لگتا ہے۔ وزارت جنگ

اور انور کیطرف تار بھیجکر مدد۔ سلاح اور سامان خوراک کا طالب ہوتا ہے لیکن کچھ جواب نہیں ملتا۔ اور وزارت اُس کے مطالبے کی کچھ پروا نہیں کرتی۔ پھر استقلال سے اپنے لشکر کی تربیت و تیّاری میں مصروف ہو جاتا ہے۔ عصمت اور کاظم قرہ بکیر اس مشکل کام میں اسکے معاون و مددگار ہوتے ہیں۔ عصمت جو کثرتِ کلام سے اجتناب کرتا ہے۔ لیکن کثرتِ کار جانتا ہے۔ اور کاظم قرہ بکیر ایسا سخت سپاہی جو فوجی احکام کا نفاذ تمام و کمال کرتا ہے۔ جب یہ تینوں اس مشکل کام میں مصروف ہوتے ہیں تو روسی قیصریّت سیاست کی لہروں سے ٹکرانے لگتی ہے۔ اور اس کی حالت آندھی میں پرکاہ کی مانند ہو جاتی ہے۔ یعنی "سُرخ بغاوت" بلند ہوتی ہے اور ہر خشک و تر کو کھا جانے کے قریب ہے۔

بغاوت سینٹ پیٹرس برگ سے نکل کر تمام میدان ہائے جنگ میں پھیل جاتی ہے۔ مصطفےٰ کمال اپنے سامنے کے روسی مورچوں میں کمزوری دیکھتا ہے۔ اور ترکی کے سر سے اس خطرناک بلا کے دور ہونے پر قدرت کا شکر بجا لاتا ہے۔ روسی ہٹنا شروع کرتے ہیں۔ مشرقی میدان چھوڑ کر "بحر احمر" کے میدان میں چلے جاتے ہیں۔ مصطفےٰ کمال شمال کی جانب سے بڑھنا شروع کرتا ہے۔ اور ہم اُسے بتلس۔ وان اور موش میں داخل ہوتا دیکھتے ہیں۔ اس طرح وہ ملک واپس لیتا ہے۔ جو انور کی حماقت سے

ضائع ہوچکا تھا۔ پھر باطوم کی جانب بڑھتا ہے۔ اور ان ارمنی فوجوں کی بیخ کنی کرتا ہے۔ جو عالم تاریخ و فنا سے "ارمنستان" پیدا کرنے کی اُمید میں تھے ﴿

مصطفیٰ کمال اس کام میں مصروف ہوتا ہے۔ تو اُسے شام کی طرف سفر کرنے کا حکم صادر ہوتا ہے۔ جہاں انگریزی حملہ شرق اردنی کو عثمانی سلطنت سے قطع کرنے کی دھمکی دے رہا تھا ﴿

اب ہم شمالی شام کی طرف حلب کو چلتے ہیں ﴿

انور۔ جمال اور ویلکنہاین میدان شرقِ اردنی میں فوجی نقل و حرکت کی دیکھ بھال کر رہے ہیں ﴿

انگریز بغداد میں داخل ہو چکے ہیں۔ موصل خطرہ میں ہے۔ اور اب وہ ترکوں کو یمن۔ حجاز۔ عراق۔ شام اور فلسطین سے نکالنے کے لئے بھاری حملے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ لارنس جاسوس نے جو سونا دائیں اور بائیں بکھیرا تھا۔ اور مس بیل نے جو بیج عراقی اور کردی قبائل میں بہت مدت سے بو رکھا تھا۔ اُس کا ثمر حاصل کرنے کا وقت آ گیا تھا ﴿

مصطفیٰ کمال میدان میں اُترتا ہے۔ تو اُسی ساعت اُسے فتح سے نا اُمید سی ہو جاتی ہے۔ ترکی فوجوں کے سپہ سالار اسکے سامنے خطۂ جنگ

کی تشریح کرتے ہیں۔ کہ بغداد و مصر پر کس طرح حملہ کیا جائیگا۔ وہ اس حملے کی شدت سے مخالفت کرتا ہے۔ ولکنہاین اُسے رشوت دیکر حملے پر رضامند کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اُس کی طرف سونے سے بھرا ہوا صندوق بھیجتا ہے۔ مصطفیٰ کمال اُسے حقارت سے واپس کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ میں دل پر قابو پانے کے لئے ان مکروہ وسائل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں ؎

مجلسِ جنگ منعقد ہوتی ہے۔ اور اسمیں نقشۂ جنگ پر بحث کی جاتی ہے۔ مصطفیٰ کمال سپہ سالاروں پر جارحانہ تنقید کرتا ہے۔ مجلس میں گرم مباحثہ کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ ولکنہاین اُسے تلخ کلامی سے خطاب کرتا ہے۔ مصطفیٰ کمال بڑھ کر سخت الفاظ میں جواب دیتا ہے۔ پھر اُس کی رائے استعفا دیدینے پر قرار پاتی ہے۔ انور استعفاء قبول نہیں کرتا۔ لیکن کمال اپنی رائے پر مصر ہے۔ انور اُسے ارضِ روم کی طرف تبدیل ہو جانے کے لئے کہتا ہے۔ کمال اس میدان میں جانے سے انکار کرتا ہے۔ جسمیں کچھ لطفِ جنگ موجود نہیں۔ آخر انور اس سے خلاصی پانے کی تجویز سوچتا ہے۔ کہ وہ اسے ایک نامعلوم عرصے کے لئے رخصت دیدے۔ لیکن ولکنہاین رخصت پر اپنی ناموافقت

ظاہر کرتا ہے۔ اور چاہتا ہے۔ کہ ایسے سرکش جرنیل کا کورٹ مارشل ہو آخر رائے زحصت پر قرار پاتی ہے ؛

مصطفیٰ کمال جمال کے پاس گھوڑے بیچکر کچھ نقدی حاصل کرتا ہے۔ پھر استنبول واپس آتا ہے۔ اور بیکاری کو ایسی تجاویز جنگ سے متفق ہونے پر ترجیح دیتا ہے جنکا نتیجہ یقینی ناکامی ہو ؛

ہنڈنبرگ کیساتھ محاذ جنگ پر!

مصطفےٰ کمال "پیرا پیلس" ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے ؛

ایک دن اُسکے نام یہ حکم صادر ہوتا ہے۔ کہ ولیعہد محمد وحیدالدین کی مصاحبت میں مغربی محاذ جنگ کے ملاحظہ کے لئے جاؤ ؛

الٰہی! یہ نادر موقع ....

جرمنی اس بات کو اچھی طرح محسوس کرتا ہے۔ کہ ترکوں کے دلوں میں اپنے انجام کے متعلق قلق بھرا ہوا ہے۔ اس لئے ایک شاہی معاینہ کا انتظام کرکے سلطان محمد رشاد کو میدان غربی کے معاینہ کیلئے مدعو کرتا ہے۔ لیکن حکومت عثمانیہ خلیفہ کے مریض ہونے کا عذر پیش کرکے ولی عہد کو سلطان کا نمائندہ بناتی ہے۔ پھر جرمنی اور اسکے حلفا پر لعنت برسانے والے کمال کو ولیعہد کے ساتھ

بھیجتی ہے۔ تاکہ آتش بازی پر جرمن عظمت کا مشاہدہ اپنی آنکھ سے کرے۔
انور نے خوب سوچا......... کمال اس معاینہ سے جرمنی کا طرح خوان بنکر لوٹیگا۔ اور اُس کی نصرت کی خاطر ہر ممکن مساعدت و ایثار کے لئے تیار ہو جائے گا۔

مصطفیٰ کمال یہ سب کچھ طرفۃ العین میں جان جاتا ہے اور تمسخر کے طور پر مسکرا دیتا ہے۔ پھر ناجی بے استاذ تربیت فوجی کے ساتھ سرائے میں جاتا ہے۔ تاکہ سفر سے پہلے ولیعہد سے ملاقات کرے۔

دونوں شخص ولیعہد محمد وحید الدین کو دیکھتے ہیں۔ ادھیڑ۔ آرام طلب۔ کند ذہن۔ بیداری مُ خواب۔ یا سیاسی بیداری مفقود۔ اور ذکاء کی ادنےٰ جھلک تک ناپید۔

مصطفیٰ کمال اپنے آپ سے کہتا ہے :۔
یہ ابلہ ایک دن تمام عثمانی سلطنت کو کیونکر قابو میں لا سکے گا؟
سفر کی تیاری ہوتی ہے۔ اور باوجودیکہ مصطفےٰ کمال نے ولیعہد کو فوجی لباس پہننے کی نصیحت کی تھی۔ وہ شاہانہ لباس میں سٹیشن کو جاتا ہے۔ بعد میں دریافت کرنے پر معلوم ہُوا۔ کہ لیعہد ناراض ہے۔ کیونکہ وہ رتبہ فریق (بریگیڈیر جنرل) سے گرا کر امیر لواء (بریگیڈ میجر) بنا دیا گیا ہے۔ اور اس لئے فوجی لباس پر شاہی لباس کو ترجیح دی ہے۔ پھر ولی عہد اسے رخصت

کرنے والے صف بستہ سپاہیوں کا معاینہ کرتا ہے۔ لیکن معمولی قواعد و ضوابط سے بھی نابلد نکلتا ہے۔ سپاہی اس کی نادانی وابلہی پر ہنستے ہیں۔ گاڑی چلتی ہے۔ اور حدود ترکیہ کو چیر کر جرمنی کی طرف نکل جاتی ہے۔

ولیعہد اُسے "صالون" میں بلاتا ہے۔ لیکن جب مصطفیٰ کمال اندر داخل ہوتا ہے۔ تو متعجّب رہ جاتا ہے۔ ولی عہد فاتر العقل شخص سے بدل کر اور ہی نظر آ رہا تھا۔ وہ فاتر العقل جو نیند کا ماتا ہو۔ اور فوجی معاینہ سے بے خبر! ولی عہد بدل گیا تھا۔ اس کی حرکات و سکنات اور آنکھوں کی چمک سے دور بینی و مستعدی ظاہر تھی۔ مصطفیٰ کمال کو بعد میں معلوم ہوا۔ کہ ابلہی اس کی اہلیت حکمرانی پر محض نقاب تھی۔ جو اس نے آل عثمان کے رواج کے مطابق پہن رکھی تھی۔ اور جس سے غرض یہ تھی۔ کہ ولی عہد جاہل و کُند ذہن معلوم ہو۔ اور حرم کی زندگی کا دلدادہ تاکہ تخت نشین سے اپنی جان محفوظ رکھ سکے۔

ولیعہد کو کیا خیال آیا۔ کہ مصطفیٰ کمال کی شجاعت اور معرکۂ درۂ دانیال کی فتح پر اس کی مدح وثنا کر رہا ہے ؟

وہ اسے گرم جوشی سے کہتا ہے :۔

تم نے استنبول کو بچا لیا۔ اس لئے سب کچھ بچا لیا۔

پھر لطف سے باتیں کرتا۔ اور کمال کا دل مسخر کرنے کی کوشش کرتا

ہے۔ مصطفیٰ کمال کو اسکی جانب سے اطمینان ہو جاتا ہے۔ اور اسے ولیعہد کی شخصیت میں کل کا خلیفہ اور مستقبل کا دوست نظر آتا ہے۔ اسے اپنی صف میں ملانے کی کوشش کرتا ہے۔ ہم اسے ایک طویل گفتگو میں یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں "ملت ترکیہ پُر اضطراب حالت میں ہے۔ اس نے بظاہر قوت و جبروت پر تکیہ کر رکھا ہے لیکن اسکا باطن غرور و بدبختی ہے۔ وہ جرمن جنہوں نے آپ کو اپنی افواج کے ملاحظہ کیلئے بلایا ہے۔ بلاشک ہزیمت خوردہ ہیں آپ وہی کچھ دیکھیں گے۔ جو وہ آپ کو دکھانا چاہیں گے۔ میں آپ کے لئے ناصح مشفق بنونگا۔ اور ساتھ ساتھ ان کی صفوں میں ضعف کے مقام بتاؤنگا تاکہ آپ کی وساطت سے خلافت فلاح وطن کی خاطر اُن کے اقتدار سے چھٹکارا پائے"۔

گاڑی ایک چھوٹے سے گاؤں میں پہنچتی ہے۔ جو جرمنی کی بڑی لشکر گاہ ہے۔ ولی عہد اپنے حاشیہ برداروں کے ساتھ اتر کر وہاں پہنچتا ہے جہاں قیصر جرمنی، ہنڈنبرگ، لانڈروف اور دوسرے بڑے بڑے سپہ سالاروں کے ہمراہ کھڑا ہوتا ہے۔ ولی عہد ضروری مراسم ملاقات ادا کرنے کے بعد ایک ایک کر کے اپنے مصاحبین کا تعارف کراتا ہے۔

سب سے اوّل مصطفیٰ کمال کا تعارف کراتے ہوئے۔ اس کی تاریخ کے ایک گوشہ کا ذکر کرتا ہے۔ قیصر دہشت و تعجب سے پکار

اُٹھتا ہے :۔

سولہواں بریگیڈ......... انا فارطہ ؟

سب مصطفیٰ کمال کے گرد جمع ہو کر اُسے غور سے دیکھنے اور تعجب کرتے ہیں ۔

قیصر گفتگو کو دہراتے ہوئے کہتا ہے " کیا در حقیقت آپ انا فارطہ کے ہیرو ہیں" ؟

مصطفیٰ کمال فرانسیسی زبان میں جواب دیتا ہے :۔

"Oui Excellence"

یعنی جی ہاں جناب عالی !

(مناسب یہ تھا کہ وہ ایکسیلنسی کے بجائے امپیریل مجسٹی کہتا) ۔

پھر وفد جرمنی کی سب سے عظیم جنگی شخصیت ہنڈنبرگ کے دفتر میں پہنچتا ہے ۔ اور وہ پیرِ بزرگ نقشۂ میدان پھیلا کر محاذِ جنگ کی شرح کرتا ہے اس کا اسلوب تقریر اسقدر ساحرانہ اور مؤثر ہوتا ہے ۔ کہ ولی عہد اسے محسوس کرنے لگتا ہے ۔ میز کی ایک طرف مصطفیٰ کمال بیٹھا غور سے دیکھ رہا ہے ۔ ہنڈنبرگ کی چرب زبانی اس پر کچھ اثر نہیں کرتی ۔ بلکہ اس کے برعکس اس پر قلق و پریشانی کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں ۔

اُس کے بعد ولیعہد لانڈروف کے دفتر میں جاتا ہے ۔ وہاں بھی

وہی نغمہ کان میں پڑتا ہے۔ جو ہنڈنبرگ سے سُن چکا تھا۔ یہاں مصطفیٰ کمال صبر کی قوت کھو بیٹھتا ہے۔ اور اس معترضانہ سوال سے اس کا قطع کلام کرتا ہے ۔

حملہ آور فوجیں آخر کون سے خط تک پہنچنے کی استطاعت رکھتی ہیں ؟

لانڈر روف پریشان سا ہو جاتا اور لڑکھڑاتی زبان سے جواب دیتا ہے کہ اُن کے حملے کی منزل مقصود کا فیصلہ مستقبل کرے گا ۔

مصطفےٰ کمال واضح جوش سے جواب دیتا ہے۔ کہ حملے کی غایت کسی طویل شرح کی محتاج نہیں۔ یہ حملہ خفیرانہ ہے۔ اس سے کسی بہتری کی اُمید نہیں ہو سکتی۔ حتیٰ کہ کامیابی کی حالت میں بھی ۔

ولی عہد ہوٹل میں واپس آتا ہے۔ تو مصطفیٰ کمال اُسے جرمنی کی خطرناک حالت پر توجہ دلا کر چند سوال بتاتا ہے۔ کہ وہ قیصر سے آئندہ ملاقات میں انکے متعلق دریافت کرے۔ وہ یہی باتیں کر رہے ہوتے ہیں۔ کہ قیصر آکر اُنکے ساتھ بیٹھ جاتا ہے۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر ولیعہد اُس سے وہ سوال کرتا ہے۔ قیصر غصے میں کھڑا ہو کر کہتا ہے ۔

یُور رائل ہائی نس ! میں دیکھتا ہوں۔ کہ کوئی شخص آپ کے خیالات کو پریشان کر رہا ہے۔ پھر کہتا ہے۔ "میں قیصر خود آپ سے کہتا ہوں کہ جرمنی

فتحمند ہوگا۔ پھر کمرے سے نکل کر چلا جاتا ہے۔ وہ جانتا تھا۔ کہ ان ناقدانہ سوالات کا محرک مصطفیٰ کمال کے سوا کوئی نہیں ÷

ارکان وفد قیصر کی میز کے گرد جمع ہیں کھانے سے فارغ ہو کر سب ملحقہ کمرے میں جاتے ہیں۔ مصطفیٰ کمال ہنڈنبرگ کو تنہا کھڑے ہوئے پاتا ہے۔ اُس کے پاس جا کر باتیں کرنے لگتا ہے۔ اور اثنائے گفتگو میں اُسے مشرقی میدان کی حالت بتاتا ہے۔ کہ شام میں حالات کتنے نازک ہو چکے ہیں۔ اور ترکی صفوں میں کس طرح بے چینی پائی جاتی ہے۔ پھر لکا یک پلٹ کر مغربی میدان کی طرف آتا اور وہی سوال اس سے کرتا ہے۔ جو پہلے لانڈروف سے کر چکا تھا۔ ہنڈنبرگ خاموش ہو جاتا ہے۔ پھر قریب کی میز کے پاس آتا ہے۔ اور ایک سگرٹ اٹھا کر مصطفیٰ کمال کے سامنے پیش کر کے دیا سلائی جلاتا ہے۔ اسے اسی حالت میں چھوڑ کر چلا جاتا ہے ÷

نقشہ دیکھنے کے بعد ولیعہد محاذ جنگ دیکھنے کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔ مصطفیٰ کمال وہاں جانے سے انکار کرتا ہے۔ اور ولیعہد کے جانے کے بعد ایک اونچے درخت پر چڑھ کر دشمن کی صفوں پر دوربین سے ایک نگاہ ڈالتا ہے۔ موقع کی حالت سے خوفزدہ ہو کر اپنے قلق کا اظہار جرمنی افسروں سے کرتا ہے۔ اور وہ اس کی رائے سے موافقت کرتے ہیں ÷

چند دن بعد الزاس (AL SACE) کا گورنر رات کے کھانے کی دعوت

دیتا ہے۔ اور ارمنی مشکلات کا ذکر چھیڑ کر ولیعہد سے سفارش کرتا ہے۔ کہ وہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لیکر اُنکی حالت درست کریں۔ مصطفیٰ کمال کا غصہ جوش کھانے لگتا ہے۔ اور اُسے کہتا ہے ؎

"حضرتِ والی! ہم فوجی نمائندے ہیں۔ ہم یہاں اس لیئے آئے ہیں۔ کہ مغربی میدان کی حالت کا مشاہدہ کریں۔ اور اس ملک کی جنگی حالت کا معاینہ کریں جس پر ہم نے اعتماد کیا ہے۔ اور حلیف بنے ہیں۔ ہم یہاں ارمنوں کا مسئلہ طے کرنے کے لیئے نہیں آئے۔ جو ہم سمجھنا چاہتے تھے وہ ہم نے سمجھ لیا ہے۔ اور اب آخر اپنے وطن کی طرف واپس ہو رہے ہیں"

یہ آخری سخت کلمات ہیں۔ جو اس ملاقات میں مصطفےٰ کمال کی زبان سے نکلے۔ اور جس سے جرمنوں کے دل میں طرح طرح کے خیال آنے لگے ؎

بے نظیر انتقام

واللہ۔ اس آدمی کا حال بھی عجیب ہے۔ جو یہ کہکر ساری دنیا کو جھٹلاتا ہے۔ کہ جرمنی شکست کھائیگا۔ اور اُس سے بھی عجیب تر یہ کہ جب جرمنی میں جاتا ہے۔ تو قیصر اور اُس کے سب سے بڑے مارشل کے منہ

پر کہتا ہے۔ کہ تم شکست کھاؤ گے ٭

وطن کی واپسی کے وقت راہ میں اپنے جال کے تار ولیعہد حاضر اور کل کے خلیفہ کے گرد پھیلا رہا ہے۔ اور ناجی بے کو یاور کا عہدہ قبول کرنے کے لئے ابھار رہا ہے۔ جو ولیعہد نے اُسے پیش کیا تھا۔ تاکہ سرائے میں اُس کا مددگار بنے۔ پھر ولیعہد سے ملاقات کرتا ہے۔ اور انکے درمیان یہ باتیں ہوتی ہیں ٭

آپ ابھی تک سلطان نہیں ہوئے۔ آپ نے جرمنی میں دیکھا ہے۔ کہ کس طرح قیصر ولیعہد اور تمام شہزادے فوجی عہدے قبول کرتے ہیں۔ پھر آپ کیوں ایسے منصب سے دور رہیں ؟

میں کیا کر سکتا ہوں ؟

جب آپ استنبول میں واپس پہنچیں۔ تو کسی فوج کی کمان طلب کیجئے۔ میں آپ کے فوجی عملہ کا صدر بنونگا ٭

کون سی فوج کی کمان ؟

پانچویں فوج کی ٭

پانچویں فوج کا انتخاب اس لئے کیا۔ کہ یہی فوج آبناؤں کے تحفظ پر مقرر تھی۔ اور پایہ تخت پر بڑا بھاری اثر رکھتی تھی ٭

ولیعہد نے ذرا تامل کے بعد جواب دیا :-

اچھا! اسٹنبول پہنچکر اس پر غور وخوض کیا جائیگا ؎

وفد استنبول میں واپس آتا ہے۔ لیکن اس سے قبل سرکاری اطلاع پہنچ چکی ہوتی ہے۔ کہ جرمنی کے اعلیٰ فوجی عملہ نے ولیعہد کی صحبت میں مصطفیٰ کمال کی موجودگی کو ناپسند کیا ہے۔ انور نے دیکھا۔ کہ اس کی سیاست کام نہیں آئی اور مصطفےٰ کمال جرمنوں کو زیادہ نفرت و حقارت سے دیکھنے لگا ہے۔ اُس نے حکومت کے منصب سے اُسے علیحدہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس لئے مصطفیٰ کمال بیکار رہنے لگا۔ اُس کی صحت خراب ہوگئی۔ ڈاکٹروں نے اُسے وائنا کے سفر کا مشورہ دیا۔ وہاں کی جانب روانہ ہوا۔ پھر وہاں سے منتقل ہو کر کارلسباڈ گیا۔ وہاں دفعتہً خبر پہنچی۔ کہ خلیفہ مرگیا ہے۔ اور اُس کی جگہ وحیدالدین تخت پر بیٹھا ہے ؎

افسوس! اُس کے مرض نے خلیفہ جدید سے بر وقت ملنے کا موقع کھودیا۔ انور اُسے اپنی جانب مائل کر لیگا۔ چند دن بعد اُسے عباس حلمی بے کی طرف سے برقیہ ملتا ہے۔ کہ وہ فوراً حاضر ہو۔ پھر دوسرا برقیہ آتا ہے۔ کہ سفر میں جلد ہی کرے۔ اس لئے ۲۰ اگست ۱۹۱۸ء کو کارلسباڈ سے روانہ ہوتا ہے۔ لیکن وائنا میں پہنچکر ہسپانوی بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور کچھ عرصے کے لئے صاحب فراش رہنے پر مجبور ہو جاتا ہے آخر پایۂ تخت میں پہنچکر اور عزت پاشا سریاور خلیفہ سے ملکر ملاقات

کا وقت مقرر کرنا ہے۔

کل کے دوست ملے۔ ایک کے سر پر تاجِ سلطنت ہونا ہے۔ وحید الدین نے سگرٹ پیش کیا۔ اور انتہائی عزت و احترام کے طور پر اس کے لئے دیا سلائی جلائی۔ جب مصطفیٰ کمال نے اپنے پرانے افکار و اضطراب کو پھر دہرایا اور اُس سے سپہ سالار اعظم بن جانے کا طلبگار ہوا۔ تو سلطان نے اس بارے میں دوسرے افسروں کی آراء کے متعلق پوچھا۔ پھر ملاقات بے نتیجہ ختم ہو گئی۔

دوسری ملاقات میں بھی خلیفہ نے اُسی مصلحت سے کام لیا۔ تیسری ملاقات میں خلیفہ اس بحث کا خاتمہ ہی کر دینا چاہتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ اہلِ استنبول کے لئے غذا بہم پہنچانا دوسری ہر چیز سے اہم ہے۔ اسلئے یہ عملِ انسانی انجام دینا اس کے لئے افضل ہے۔

مصطفیٰ کمال نے تردید جواب میں کہا "ملک کی سلامتی پایۂ تخت کو غذا بہم پہنچانے سے قبل ضروری ہے۔ اور اگر حضور کو اپنی قوت پر اعتماد نہیں۔ تو آپ کی سلطنت برائے نام ہے۔"

خلیفہ نے مخالفت کا ارادہ کر لیا تھا کہنے لگا۔

میں نے اس بارے میں انور پاشا اور طلعت پاشا سے ذکر کیا ہے اور اپنے فرائض کو سمجھ لیا ہے۔ تو پھر انور نے فتح پائی اور مصطفیٰ کمال کی یہ اُمیدیں پامال ہو گئیں۔ کہ خلیفہ اُس کی رائے پر عمل کرے گا۔ اور جرمنوں کا

اثر و نفوذ مٹا کر ترکی کو تباہی سے بچا لیگا؟

چند روز بعد خلیفہ اسے ملاقات کے لئے طلب کرتا ہے۔ اور جب وہ نماز جمعہ کے بعد اندر داخل ہوتا ہے۔ تو خلیفہ کو دو جرمن سپہ سالاروں کے ہمراہ بیٹھا پاتا ہے۔ خلیفہ خندہ پیشانی سے اسے کہتا ہے:۔

ہم نے آپ کو شام کا سپہ سالار مقرر کیا ہے۔ وہاں کی حالت روز بروز بگڑتی جا رہی ہے۔ جس بات کا میں آپ سے طالب ہوں وہ یہ ہے کہ اُن اطراف کی آپ حفاظت کریں۔ اور انہیں دشمن کے ہاتھ میں پڑنے سے بچائیں۔

شام کا سپہ سالار! شکست خوردہ لشکر کا سپہ سالار!

مصطفیٰ کمال غصہ اور جوش میں خلیفہ سے رخصت ہو کر باہر آتا ہے۔ راستے میں اُسے انور ملتا ہے۔ اور اُس کے ہونٹوں پر فاتحانہ تبسم ہوتا ہے مصطفیٰ کمال نے اُس سے کہا:۔

خوش ہو۔ میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ کہ تم نے فتح پائی! اور جب معاملے نے حقیقی شکل اختیار کر لی ہے۔ تو ہمیں معقول تدابیر سوچنی چاہئیں مجھے معلوم ہوا ہے کہ شام میں ہماری فوجیں محض برائے نام ہیں اس لئے اُس طرف میرا تعین واقعی بے نظیر انتقام ہے۔ پھر آپ نے اصول کی مخالفت کی۔ اور خود سلطان کی زبان سے حکم دلوایا۔

اس نے اپنی گفتگو ختم نہ کی۔ اور چلدیا۔ چلتے ہوئے سڑک پر ایک جرمن جرنیل کو ترکی فوج کی توہین کرتے ہوئے سُنا غصہ سے اُس کی طرف مڑا۔ اور کہا۔ "اگر ترکی لشکر میدان سے بھاگ نکلا۔ تو اس لئے۔ کہ اس کے جرمن سپہ سالار نے فرار میں سبقت کی"۔

محاذ کی نازک حالت

مصطفےٰ کمال کو اس بات کا پورا یقین ہے۔ کہ اُس کی روانگیٔ شام جنگ عظیم کے حسرت انجام ڈراما کا آخری سین ہے :-

وہ بے حد غمگین ہے۔ کیونکہ جو نقشۂ جنگ اُس کے سامنے ہے۔ اس بات کا پوری طرح مظہر ہے۔ کہ محاذ شام بے لڑے مفتوح ہے دارالخلافہ کی حالت اُس رنجدہ خاتمہ کے خطرے میں تھی۔ جس کی اُمیدوار حکومت باب عالی تھی۔ ایک کٹھن سفر کے بعد ترکی لائنوں پر پہنچا۔ جو شمالی یافا اور حجاز ریلوے لائن کے درمیان پھیلی ہوئی تھیں۔ لیمان وان ساندرس نے اُسے قلب میں ساتویں فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔

ساتویں فوج شام میں تمام دوسری ترکی فوجوں کی طرح بالکل ابتری حالت میں تھی۔ اور اُس کی تعداد مطلوبہ تعداد کا دسواں حصہ بھی نہ تھی سلاح

وذخائر کا عدم و وجود برابر تھا۔ صحرا فوج پر ریگ بار تھا۔ سپاہی بھوک اور پیاس سے پریشان تھے۔ گرمی مارے ڈالتی تھی۔ اور اُن کی معنوی حالت اتنی خستہ و خراب تھی۔ کہ ترک فوجوں نے اس سے پہلے کسی وقت یا زمانہ میں نہیں دیکھی تھی۔ اسلئے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں۔ کہ ان کی ناکامیابی پر انہیں ملامت کرنا ناروا ظلم ہوگا۔ کیونکہ جو کچھ انہوں نے برداشت کیا۔ وہ انسانی طاقت سے باہر تھا ٭

اور اگر ہم چند میل جنوب کی جانب جائیں۔ تو انگریزی لشکر گاہ دیکھیں گے۔ جہاں فوج بے تعداد۔ سامان با افراط۔ ذخیروں کے ڈھیر۔ رسل ورسائل آسان اور عیش وعلاج کے تمام اسباب مہیا ہیں اور حجاز ریلوے لائن کے دونوں طرف عرب ڈاکوؤں کے گروہ کے گروہ لارنس جاسوس کی کمان میں ترکی کی لائنوں اور آمدورفت کے ذرائع کو بہت نقصان پہنچا رہے ہیں ٭

یہ تمام مظاہر ترکوں کی ہزیمت پر دال ہیں۔ کمال یہ سب کچھ اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اور اُس کی اصلاح کی سخت کوشش کرتا ہے۔ جو غفلت و فوضویت سے برباد ہو چکا تھا ٭

ایک دن آٹھویں فوج کے سپہ سالار رافت کی طرف سے اُسے ایک ہندی افسر کی گرفتاری کی خبر پہنچی۔ جو انگریزی محاذ سے بھاگ گیا

تھا۔ اس افسر کی زبانی معلوم ہوا۔ کہ انگریز ۱۴ ستمبر کو ساحل کی جانب سے ترکی لائنوں پر حملہ کرینگے۔ ترک سپہ سالار دیر تک بحث و مباحثہ کرنے کے بعد اس حملے کی روک تھام کے لئے مستعد ہوتے ہیں۔ اور اپنی قرارداد کی اطلاع لیمان وان سانڈرس کو دیتے ہیں۔ جو اُن کا تمسخر اُڑاتا ہوا کہتا ہے۔ کہ ہندی افسر سوا جاسوس کے کچھ نہیں۔ جو انگریزوں نے ترکوں کا مضحکہ اُڑانے کے لئے بھیجا ہے۔ اور اُس کے خیال میں انگریز حجاز ریلوے کی طرف سے حملہ آور ہونگے۔ لہٰذا اُس نے اُس محاذ کو تقویت دینے کا حکم دیا۔

چونکہ مصطفیٰ کمال اُس کی رائے سے متفق نہ تھا۔ اسلئے اپنی فوج میں سے کسی سپاہی کو ریلوے لائن کی مدافعت کیلئے علٰحدہ نہ کیا۔

۱۹ تاریخ کی صبح کو انگریزوں نے قلب و میسرہ پر ساحل کی جانب سے حملہ کیا۔ ہندی افسر نے سچ کہا تھا۔

فوج قلب نے مصطفیٰ کمال کی کمان میں حملے کو روک لیا لیکن ساحلی فوجوں کو انگریزوں نے منتشر کر دیا۔ اور شمال و مشرق کا رُخ کیا تاکہ تمام ترکی فوجوں کے لئے واپسی کی راہ بند ہو جائے۔ یہاں کمال کو حالت کی نزاکت کا ادراک ہوا۔ وہ اپنی فوجوں کو قریب کے سٹیشن میں ہٹا لے گیا اور شمال کی جانب منتقل کر دیا۔

پھر لارنس جاسوس کی سرکردگی میں عربوں کے گروہ ترک فوجوں پر خوفناک

حملے کرتے ہیں۔ وہ پُل اُڑا دیتے ہیں۔ لائن اکھاڑ دیتے ہیں۔ گاڑیوں کو معطل کر دیتے ہیں۔ اور کنوؤں میں زہر ڈال دیتے ہیں اسلئے مصطفیٰ کمال دمشق کی طرف واپسی کا حکم دیتا ہے ؛

وان ساندرس اُس سے ریاق کے قریب خط مدافعت کی تنظیم کا طالب ہوتا ہے۔ لیکن فوج کی معنوی حالت عربوں کی بغاوت اور انگریزوں کی تیز قدمی چونکہ اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اور چونکہ مصطفیٰ کمال دیکھتا ہے۔ کہ خود ترکی کی حدود خطرہ کی حالت میں ہو گئی ہیں۔ اس لئے لازم تھا کہ شام انگریزوں کے لئے چھوڑ دے۔ اور باقاعدہ پسپا ہو کر حدود ترکی کی مدافعت کرے ؛

لیکن وان ساندرس اس تجویز پر عمل کرنے میں متردد تھا۔ کیونکہ وہ جرمن ہونے کی حیثیت سے عثمانی شہنشاہیت کے املاک کا اہم جزُ خالی کر دینے کی ذمہ داری نہیں اُٹھا سکتا تھا ؛

وہاں اُسے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حالت ناقابل برداشت ہو گئی ہے۔ عرب باغی ہو چکے ہیں۔ جتنا انگریز آگے بڑھتے ہیں۔ اُنکی بغاوت و نافرمانی میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ عربوں کی ایک جماعت نے اس کی موٹر پر حملہ کر دیا جب وہ اپنے ہیڈ کوارٹر سے حلب کے ہوٹل " بارون " میں واپس آرہا تھا پھر دوسرے دن اُنہیں ہوٹل کے گرد جمع دیکھتا ہے۔ اُن کی سرکشی بہت

بڑھ چکی تھی ۔

پھر حلب کا چھوڑنا بھی ضروری ہے۔ شمال میں خطوط مدافعت کو مضبوط کرنا چاہیئے۔ وہاں کمال اپنے منتشر سپاہیوں کو جمع کرکے دوبارہ تنظیم کرتا ہے۔ اور ایک پرجوش تقریر کرکے انہیں دفاع کے لیئے جان کی بازی لگا دینے پر اُبھارتا ہے۔ کیونکہ اب وہ عثمانی شہنشاہیت کے املاک کی مدافعت نہیں کرینگے۔ بلکہ خود وطن کی مدافعت کرینگے۔ جو خطرے میں ہے ۔

سپاہی قتل و خون پر تلے ہوئے ہیں۔ اور شمال کی طرف بڑھنے والی ہندی فوجوں سے اپنے مرکز کی مدافعت خوبی سے کرتے ہیں۔ انگریزی حملہ مدد پہنچنے کے انتظار میں چند روز موقوف رہتا ہے ۔

اس حالت پُر اضطراب میں حکومت ترکی مصطفیٰ کمال کو تار بھیجتی ہے کہ حکومت نے لڑائی بند کر دی ہے۔ اور صلح مادروس پر دستخط کر دیئے ہیں۔ ساتھ ہی حکومت جرمنی وان سانڈرس اور دوسرے جرمن افسروں کو واپسی وطن کے لئے تار بھیجتی ہے ۔

دونوں عظیم شخصیتیں۔ لیمان وان سانڈرس اور مصطفیٰ کمال پاشا اطنہ کے ایک ہوٹل میں ملتے ہیں ۔ رخصت کی گھڑیاں آپہنچی ہیں ۔

اُن میں ہر ایک بزرگ ہستی اور فولاد صفت سپاہی تھا ۔

چند منٹ دونوں پر خاموشی چھائی رہی۔ آخر وان سانڈرس نے مصطفیٰ کمال کے خیالات کا سلسلہ توڑا :-

"یور ایکسیلنسی آپ سے میری شناسائی اُسوقت ہوئی۔ جب آپ انا فارطہ میں کمان کر رہے تھے۔ اور مجھے فخر ہے۔ کہ میں پہلا شخص ہوں جس نے آپ کی قابلیت اور کمال کی قدر کی۔ ہمارا باہم اختلاف رائے بھی رہا لیکن اس کے باوجود ہم آپس میں دوست رہے ہیں۔ اور اب کہ میں اپنے وطن کو واپس جا رہا ہوں۔ مطمئن ہوں۔ کہ ترکی کی کمان آپ جیسے مُدبّر سپہ سالار کے ہاتھ میں ہے ؛

مصطفیٰ کمال اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر پُر جوش مصافحہ کرتا ہے پھر دونوں علیحدہ ہو جاتے ہیں ؛

مغلوب کیلئے بدبختی

مصطفیٰ کمال اپنے لشکر کے ساتھ اطنہ میں پڑا ہے۔ اور اگر ہم اُس کے دفتر میں داخل ہوں۔ تو اُسے معاہدۂ ملادروس کی کڑی شرطوں پر سر جھکائے ہوئے دیکھیں گے جبین پر شکن اور اُس پر شدید تاثر کا اظہار ؛

پھر کاغذ اُٹھا کر ایک طویل برقیہ عزت پاشا صدر سالاعظم کے نام لکھنا ہے

اور اس دفعہ کی قوت کے متعلق پوچھتا ہے۔ جو درہائے طوروس کے قبضے کی منظہر ہے۔ کہ کیا اسی نام کے دونوں درّے بھی اس میں شامل ہیں اور جو ریلوے لائن اُن میں سے گزرتی ہے۔ وہ بھی دائرۂ تسلط میں شامل ہوگی؟ کیا امانوس کے درّوں پر قبضہ ہوگا۔ پھر دروں پر قابض ہونے والی سپاہ کی تعداد کتنی ہوگی۔ اطنہ کے متعلق حلفاء کا کیا طریقہ ہوگا جسے خود ترکی کا ایک جزو سمجھا گیا ہے؟ اور کیا ترکی افواج کو ان مقامات سے ہٹا دیا جاتے گا؟ اس کا جواب ایسا آتا ہے جس سے یہ عقدہ حل نہیں ہوتا۔ کہ معاہدہ کی دفعہ امانوس کے دروں کو تسلط میں شامل نہیں کرتی۔ اور افواج تسلط خود حلفاء محدود کرینگے۔

مصطفیٰ کمال اس ناقص جواب سے متعجب ہو جاتا ہے کیونکہ یہ پیچیدگی جو معاہدہ کو گھیرے ہوئے ہے۔ ترکی کے لئے موت کا پیغام ہے۔ عزت پاشا کو پھر تار دیکر پوچھتا ہے:۔

کیا حکومت اس حالت میں بھی تسلط کی اجازت دے گی۔ کہ افواج عدو کی تعداد تمام اناطولیہ پر قابض ہو جانے کے لئے کافی ہو؟ اور اطنہ کی حدود کے متعلق پوچھا۔ کیونکہ ڈر تا تھا۔ کہ اُسے شام سے نہ ملا دیا جائے۔ پھر حکومت کو اطلاع دی۔ کہ اتحادی اسکندرونہ پر قابض ہونے کے لئے تلے ہوئے ہیں۔ اور اپنی دوسری چٹھی میں لکھا۔ کہ "اگر ہم نے اپنی افواج

کو ہٹانا شروع کیا۔ اور ہر بُری نیت اور دفعات معاہدہ کی مبہم شرائط کی استعداد مقابلہ سے پہلے ہر چیز میں انگریزوں کی پیروی کرتے رہے۔ تو ہم انگریزی حرص و آز کے لئے اپنے ہاتھ سے میدان ہموار کرینگے" جواب آتا ہے کہ انگریزوں سے تلطف لازمی ہے۔ اور تسلط اسکندرونہ میں تعرض نہ کیا جائے کیونکہ انگریز اس سے زیادہ مستفید نہیں ہونگے جتنا مہمان میزبان سے مستفید ہو سکتا ہے مصطفیٰ کمال اس کی تردید میں لکھتا ہے:۔

"انگریز اسکندرونہ سے مستفید ہونے اور حلب کے جوار میں اپنی پڑی ہوئی فوجوں کے لئے سامان جمع کرنے میں حق پر نہیں۔ کیونکہ حلب میں ذخائر کا بے انتہا سامان موجود ہے۔ پھر صلحنامہ کی اکیسویں شرط اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ کہ اگر حلب میں انگریزی فوجوں کو سامان کی ضرورت لاحق ہوئی۔ تو اس کا تدارک کلیس و عین تاب سے کیا جائیگا میں آپ سے تاکیداً کہتا ہوں۔ کہ یہ انگریزی حرکات حلب میں موجودہ افواج کے لئے سامان کی بہم رسانی نہیں۔ بلکہ انگریز اسکندرونہ پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ پھر اسکندرونہ کی راہ سے قیرلق خان قاطمہ کا رخ کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ساتویں فوج پر جو انطاکیہ دیر جمال اور آخترین میں پڑی ہے۔ راہ واپسی قطع کر دیں۔ اس کے بعد اس فوج کے لئے قبول اطاعت کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ انگریز اس سے پہلے موصل میں چھٹی فوج کے ساتھ

ایسا کر چکے ہیں۔ پھر انگریزوں کی طرف سے ارمنی باغی جتھوں کی تقویت وحمایت اس بدظنی کی تائید کرتی ہے ۔

اور میں آپ سے بہ صراحت کہتا ہوں۔ کہ میں وہ شخص نہیں ہوں۔ کہ انگریز کمشنر سے یہ تلطف پیش آؤں۔ اور اُسے اُس کی خواہش کے مطابق کام کرنے کے لئے چھوڑ دوں۔ مجھے افسوس ہے۔ کہ میں آپ کی ہدایت پر عمل کرنے سے معذور ہوں۔ بلکہ میں اپنی فوجوں کو انگریزوں پر حملہ کرنے کا حکم دونگا۔ جو اسکندرونہ کے لئے نکلیں گے۔ اور ساتویں فوج کو حدود داخلیہ میں حرکت کرنے کے لئے کہونگا۔ تاکہ انگریزوں کو اسکی گرفتاری کا موقع نہ ملے آخر اپنے تار کو استعفاء پیش کرنے پر ختم کرتا ہے۔ اور کسی ایسے آدمی کے تعین کا طالب ہوتا ہے جس کا ضمیر ایسی فاحش اغلاط کے ارتکاب کی اجازت دیتا ہو۔

لیکن اگر ساتویں فوج گرفتاری سے نہ بھی بچ سکے۔ عزت پاشا پھر بھی حوالگی اسکندرونہ پر مُصر ہے۔ مصطفیٰ کمال تسلیم امر سے انکار نہ دیکھ کر انگریزوں پر گولی چلانے کا حکم بند کرتا ہے۔ اور عزت پاشا سے چاہتا ہے۔ کہ ساتویں فوج کو اس کے نام (وحدت جیوش صاعقہ) کی بقا کے ساتھ وہاں سے ہٹالے ۔

پھر اپنے دفتر میں بیٹھ کر ایک طویل برقیہ عزت پاشا کے نام لکھتا ہے۔ کہ انگریزی صلحنامہ میں ایسی کوئی ضمانت نہیں۔ جو ملک کی سلامتی کی

کفیل ہو۔ اسلیئے وہ عجز و الحاح سے طالب ہوتا ہے۔ کہ ہر مبہم شرط کی مدلل وضاحت کرائی جائے۔ ورنہ کل انگریز اُس سے زیادہ کے طالب ہونگے جتنا اُنہوں نے اب مانگا ہے۔ اور اطنہ خط قونیہ اور سمرنا کی ملمع کرینگے۔ اس کے بعد یہ بھی بعید نہیں۔ کہ کُل ملک کو اپنے تحت میں لینے کا مطالبہ کریں اور بلاد داخلیہ کے معاملات پر نگہداشت کا حق مانگیں جیسا کہ معاہدہ ہر ضعیف قوم کے لیئے مرتب کیا جاتا ہے۔

چند دنوں کے بعد وزارت نے استعفا دیدیا۔ اور عزت پاشا نے مصطفیٰ کمال کو تار دیکر جلد دار الخلافہ میں آنے کی التجا کی۔ وہ سُرعت کے پروں سے اُڑ کر گیا۔ اور سُنا کہ دول حلفاء نے حکومت کی سیاست میں مداخلت چاہی ہے۔ اور سلطان عزت پاشا پر ناراض ہوا۔ کہ کیوں اُس نے انور اور طلعت کو بحیرۂ اسود کی طرف بھاگنے کی اجازت دی۔ کیونکہ وہ اُنہیں انگریزوں کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے عزت پاشا وزارت سے مستعفی ہوگیا ہے۔ اور انگریزوں کا دوست اور قوم کا دشمن توفیق پاشا وزارت کی تشکیل کریگا۔

جب مصطفیٰ کمال نے یہ سُنا۔ تو بھاگا ہوا عزت پاشا کے پاس گیا اور اُسے استعفاء کی واپسی پر آمادہ کرنے لگا۔ کہ وہ نئی وزارت مرتب کرے اور مصطفیٰ کمال اُس میں وزیر جنگ ہو۔ پھر بھاگ کر پارلیمنٹ میں پہنچا

اور بہت سے ارکان کے ساتھ ملکر انہیں اس بات پر رضامند کیا کہ وہ توفیق پاشا کی وزارت پر حملہ کریں۔ اور اُسے توڑ کر دوبارہ عزت پاشا کو کرسی صدارت پر بٹھائیں۔ اُنہیں کسی بات کا خطرہ نہیں کیونکہ مجلس یقیناً کھلے گی۔ اور وطنیت کا تقاضا ہے۔ کہ ایسی غدار وزارت کا اعتراف نہ کیا جائے۔

صدر کی گھنٹی کانوں کو افتتاح جلسہ کا پیغام سُناتی ہے۔ ارکان اپنی اپنی جگہ بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک دروازہ سے مصطفےٰ کمال ظاہر ہوتا ہے اور دیکھتا ہے۔ کہ جب اُن سے اعتماد وزارت پر ووٹ لئے جاتے ہیں تو غالب اکثریت موافقت کرتی ہے۔

مصطفےٰ کمال ارکان اور ارباب سیاست سب پر لعنت بھیجتا ہوا باہر کو دوڑتا ہے۔ تاکہ خلیفہ سے ملاقات کر کے اُس پر اپنی آخری کوشش صرف کر دیکھے۔ اور جونہی وہ داخل ہوتا ہے۔ اُسے خلیفہ کا یہ قول متحیر کر دیتا ہے:۔

مجھے اس پر یقین ہے۔ کہ فوج کے سردار اور افسر آپ سے محبت کرتے ہیں۔ کیا اُمید رکھ سکتا ہوں۔ کہ مجھے ان سے کچھ ایذا نہیں پہنچے گی؟

مصطفےٰ کمال اُسے حیرت سے جواب دیتا ہے:۔

مولائی۔ کیا آپ تک ایسی معلومات پہنچی ہیں۔ کہ فوج آپ کے خلاف اُٹھنا چاہتی ہے۔ وحید الدین نے آنکھیں بند کر کے پھر اُسی سوال

کی تکرار کی۔ مصطفیٰ کمال نے جواب دیا۔ کہ گو اُسے پایۂ تخت میں آئے ہوئے
چند ہی روز ہوتے ہیں۔ لیکن بہرحال اُسے اپنے مالک و آقا سے فرج کے
اخلاص و وفا میں کچھ شک نہیں +

خلیفہ نے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔

میں آج کے متعلق نہیں کہہ رہا۔ بلکہ آج اور آئندہ کے لئے +

مصطفیٰ کمال اُس کی بدنیتی کو سمجھ گیا۔ اور اُسکے دل میں غداری
وطن کے جو خطرناک خیالات بھرے تھے۔ اُنہیں جان گیا۔ وہ وہاں سے غصہ
و جوش میں خلافت و سلطنت پر لعنتیں بھیجتا ہوا نکلا +

چند ایام کے بعد پارلیمنٹ کھلتی ہے۔ اور داماد فرید پاشا کی صدارت
میں نئی وزارت مرتب ہوتی ہے۔ یہاں ہم اُسے آپ کی خاطر زیر حکم داری
استنبول کا نقشہ کھینچنے کے لئے چھوڑتے ہیں +

میں اپنے گھر سشلی میں بیٹھا حالت جدیدہ کو دیکھ رہا ہوں۔ استنبول
اتحادی فوجوں سے بھرا ہوا تھا۔ باسفورس کی موجیں اُن جہازوں سے
جوش میں تھیں جنکی توپوں کے دہانے داہنے اور بائیں کھلے ہوئے تھے۔
اس کی نیلاہٹ چھپ گئی تھی۔ آدمی اپنے گھروں سے سخت ضرورت کے
بغیر نہ نکلتے تھے۔ اور جب نکلتے تھے۔ تو اپنی توہین کے ڈر سے پاس کی
دیواروں سے چمٹ کر جاتے تھے۔ ہولناک مناظر ختم ہونے میں نہ آتے

تھے۔ عظیم الشان استنبول پر ذلت و رذالت کی گھٹا چھائی ہوئی تھی لاکھوں باشندوں کی آوازیں سو گئی تھیں۔ آپ دشمنوں کی آوازوں اور اُنکے ہتھیاروں کی جھنکار کے سوا کچھ نہیں سنیں گے۔ تعجب ہے۔ کہ ہمیں پھر بھی ایسے آدمی نظر آتے ہیں جو سلطنت و حکومت کے قیام کا تصور کرتے ہیں۔ جب زندگی ایسے حالات کے دوران میں اتنی گندی ہو رہی تھی جیسے گندہ غرقہ"۔

دوسرا باب

جہاد اور خود مختاری

"ہاں! وطنی اگر بھاگے تو غلام بن جائینگے
لیکن جہاد کے بعد غلامی اور جہاد کے بغیر
غلامی میں بہت فرق ہے۔ایک قوم
جہاد کرتی ہے پھر گریہ وزاری میں عمر کاٹتی
ہے۔اور دوسری قوم جہاد کے بغیر ذلت
کی موت مرجاتی ہے"۔

(مصطفیٰ کمال)

سمرنا کا مذبح

پیرس میں مؤتمر صلح کا اجلاس ہو رہا ہے ۔

ولسن ۔ لائڈ جارج ۔ کلیمنشو اور ارلانڈو قسمت عالم کا فیصلہ کر رہے ہیں ۔

۶ مئی ۱۹۱۹ء کو وِنز یلوس کی مشہور کوشش کامیاب ہوتی ہے ۔ اور مؤتمر صلح اُسے اناطولیہ میں یونانی مطالبہ کی بنا پر سمرنا کے قبضۂ فوجی کا حق عطا کرتی ہے ۔

حکومتِ یونان ایک فرمان صادر کرتی ہے ۔ کہ سمرنا کا فوجی قبضہ غربی ایشیا میں مطالبات یونان کا قانونی اعتراف ہے ۔ یہ ایک ایسا حادثۂ عظیم ہے جسکا نتیجہ بھی عظیم ہوگا ۔ کیونکہ تمام دولِ عظمیٰ کی موافقت سے ہوا ہے ! اس طرح ان سلسلۂ ہزلیات کے پہلے مسرت انجام ڈرامے کا پردہ اُٹھتا ہے ۔ جو ہم شرائط ولسن اور حق انجام کے نام سے جانتے ہیں ۔ اور ترکی پر قابض ہونے والی حکومتوں نے دکھا دیا ۔ کہ صلح مادروس اس کے سوا کچھ نہیں ۔ کہ حسب ضرورت اس کی شرائط کم و بیش کی جا سکتی ہیں ۔ خاص کر انگریزوں نے یہ ثابت کر دیا ۔ کہ اُنکے سیاسی و حربی لغت میں کلمۂ "شرف" بے معنی ہے ۔

۱۴ ارمئی ۱۹۱۹ء کو یونانی فوجیں اتحادی بیڑہ کی حمایت میں قبضہ سمرنا کے لئے اترتی ہیں۔ اہل استنبول مسجد سلطان احمد میں جمع ہو کر پکارتے ہیں کہ "سمرنا ترکوں کیلئے" ہے۔ اور انہیں یہ قبضہ قبول نہیں جو مؤتمر صلح نے ان پر عائد کیا ہے۔

داماد پاشا کی حکومت ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ اور خلیفہ نے جس کی رائے شروع سے تسلیم و اطاعت ہے۔ ایک وفد والی سمرنا کیطرف بھیجکر یہ کہلا بھیجا۔ امیر المومنین اور ظل اللہ فی الارض کا ارادہ ہے۔ کہ شہر کی حفاظت کے لئے افواج کی مدافعت نہ کی جائے۔ کیونکہ یہ قبضہ عارضی ہے! ور انگریزی حکومت دوست ہے۔ جو اسی بات کی کوشش کرتی ہے جسمیں مسلمانوں کی بہتری ہو۔ اب ہم سمرنا میں چلتے ہیں۔ اور کیا دیکھتے ہیں؟

ہم دیکھتے ہیں۔ کہ انگریز امیر البحر کیلتھارپ حاکم سمرنا کو قلعے خالی کرنے کا حکم دیتا ہے! ور والی کیطرف چٹھی بھیجکر مؤتمر صلح کی قرارداد کی خبر دیتا ہے۔ پھر یونانی بھیڑیوں کو کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔ تاکہ نہتے شہریوں کا قتل عام کریں۔ یونانی زیتو و نزیلوس" کے نعرے لگاتے شہر میں داخل ہوتے ہیں۔ اور بھاگا بھاگ چھاؤنی میں پہنچتے ہیں۔ جہاں ترکی سپاہیوں نے ہتھیار رکھ دئے تھے۔ اور ان پر آگ برسانی شروع کر دیتے ہیں۔ ایک ترکی افسر سفید علم بلند کر کے اس آتش باری کو بند کرانے کی کوشش کرتا ہے لیکن ایک یونانی افسر

اُسے گولی سے شہید کر دیتا ہے ۔

پھر ترکی فوجوں کو انگریزی بیڑے کیطرف چلنے کا حکم دیتا ہے اور سپاہی ایک دوسرے سے ملے ہوئے راستوں سے گزرنے لگتے ہیں یونانی یکے بعد دیگرے اُنہیں قتل کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ جہازوں تک پہنچتے پہنچتے اُن کی تعداد بہت تھوڑی رہ جاتی ہے ۔

اگر ہم اس حسرت انجام ڈرامے سے قطع نظر بھی کر لیں۔ تو یہ لیجئے اس سے زیادہ ہولناک اور زہرہ گداز ڈرامہ دوسرا موجود ہے۔ یونانی سپاہی ایک عورت کو دیکھ لیتے ہیں جو راستے میں اپنی تنہائی سے خوفزدہ ہو کر ایک طرف چھپتی ہے وہ اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اسکے کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں۔ وحشیانہ ظلم سے اُس کی آبروریزی کرتے ہیں اور اُسکے چیخنے چلانے اور واویلا کرنے کی پروا نہیں کرتے یہ دوسری عورت حاملہ ہے۔ یونانی اُس کا پیٹ پھاڑ کر بچے کو نکالتے ہیں۔ اور اُس کی ولادت سے پہلے اُس سے انتقام لے لیتے ہیں ۔

وہ سپاہی مکان توڑ رہے ہیں عورتوں کی بے حرمتی کرتے ہیں طرح طرح کے عذاب دیتے ہیں۔ قتل کرتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ انگریزوں فرانسیسیوں اطالویوں اور امریکنوں کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے ۔

پھر اسکے بعد یہ نغمہ بھی گاتے ہیں۔ کہ وہ تمام اہل زمین سے اشرف مہذب اور اعلیٰ ہیں!

اہل وطن نے فرانسیسی زبان میں ایک کتاب شائع کی جسمیں یونان
کی تمام وحشت و درندگی کا تذکرہ تھا۔ اور اُسکے ساتھ حلفنامہ کو بھی لپیٹا ہوا تھا۔ یہ
واقعہ انگریزی پارلیمنٹ میں تحقیقات کیلئے پیش کیا گیا چنانچہ یونانی مظالم کی
تحقیقات کے لئے ایک کمیٹی قائم کی گئی جو جنرل ہار (انگریزی) جنرل نیوسکی
(فرانسیسی) جنرل ودیلیو (اطالی) اور امیرالبحر برسٹل (امریکن) پر مشتمل تھی۔
لیکن ہم پوچھتے ہیں۔ کیا کسی پر جرم ثابت ہوا؟ یا کسی ایک یونانی کو بھی موت
یا قید وغیرہ کی سزا ملی؟ ابھی تحقیقاتی کمیٹی اتحادی بیڑے میں پہنچے نہیں پائی
کہ یونانی پھر وہی قتل و غارت اور خواتین کی بے حرمتی کا بازار گرم کر دیتے ہیں
اگر سمرنا سے فارغ ہوئے۔ تو ہم نے دیکھا۔ کہ قرب وجوار کے دیہات میں اور
خاص کر منیمن میں اُنہوں نے اسی حسرت انجام ڈرامے کا اعادہ کیا۔ جو سمرنا
میں دکھا چکے تھے۔ اور ایک ہزار کے قریب مسکین بچے۔ بوڑھے۔ مرد وزن اور
حاملہ و باکرہ عورتیں شہید ہو گئیں۔ اور کوئی مکان ایسا باقی نہ رہا جسکے مکینوں
کو تہ تیغ نہ کیا گیا ہو۔ حتیٰ کہ بے گناہ و عصمت مآب خواتین بھی ان سے نہ بچ سکیں۔
اب ہم اس حسرت انجام ڈرامے پر نسیان کا پردہ گرا دیتے ہیں۔

دامن دریدہ ترکی

عثمانی شہنشاہیت سے کیا بچا؟

دُور دُور تک پھیلے ہوئے املاک بے نشان ہو کر رہ گئے۔

لیجئے یہ ہیں اُسکے شہر جنکے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فتحمند اتحادیوں پر تقسیم ہو رہے ہیں۔

علاقہ آبنائے انگریزوں کیلئے۔ سمرنا اور اسکے اطراف یونان کیلئے۔

علاقہ قونیہ وانطاکیہ اور اُنکے مضافات اٹلی کیلئے۔

ترکی کا جنوب مشرقی علاقہ فرانس کے لئے۔

شمال مشرقی علاقہ ارمنوں کے لئے۔

اس کے بعد ترکوں کے لئے کیا بچا؟

کاش معاملہ یہیں ختم ہو جاتا لیکن جو کچھ بچ گیا تھا۔ وہ بھی جاسوسوں اور تباہ کن جمعیتوں کیلئے جو عیسائی عناصر پر مشتمل تھیں۔ ایک شاداب میدان تھا۔

وہاں جمعیت مودیمیرا تھی۔ انجمن صلیب احمر یونان تھی۔ مجلس کشافہ یونان تھی۔ جمعیت روم تھی جسکا صدر بطریق ساؤن آفندی تھا۔ جمعیت بونتوس طرابزون اور سمسون میں تھی۔ اور بہت سی انجمنیں دیار بکر، بتلیس

عزیزیہ میں تھیں۔ ایک اور انجمن جو کردوں کو ترکوں سے علیحدہ کرنے کی مدعی تھی۔ اور انجمن محبان انگریز استنبول میں تھی جس کے سر پرست وحید الدین داماد فرید اور وزیر داخلیہ وغیرہ تھے۔ اور پادری فرد جسکے اہم کارکنوں میں سے تھا۔ اسکے علاوہ انجمن محبان امریکیاں وغیرہ تھیں۔

ان کے ساتھ ساتھ دوسری ملکی انجمنیں بھی تھیں۔ جو مکاروں کی مکاریوں کو منانے کیلئے بنی تھیں۔ ان میں سے ہم ایڈریانوپل۔ تھریس۔ پاشا علی ارض روم عزیزیہ۔ طرابزون لموف۔ لازستان اور سمرنا کی انجمنوں کا ذکر کرتے ہیں لیکن کیا ان انجمنوں کا کوئی ملکی پروگرام بھی تھا جو حصول مقصد کیلئے عملی وسیلہ کہلایا جاسکے؟ بالکل نہیں۔ بلکہ ان میں سے جس نے کوئی پروگرام بنایا تھا۔ وہ عقل سے بعید تھا۔ مثلاً شرقی اور غربی تھریس کی انجمنیں انگریزی اور فرانسیسی حمایت سے حصول استقلال چاہتی تھیں۔ لیکن باقی تمام انجمنیں بنائے اقتدار و تسلط کو تسلیم کرکے ملک کو بچانا چاہتی تھیں۔

ان جمعیتوں سے پُر بحر زخار میں وطن خودکشی کر رہا تھا۔ آپ استنبول میں سوا بے نتیجہ جھگڑے کے اور کچھ نہیں سنیں گے۔ سیاست کے دعویدار بہت ہو گئے تھے۔ اور ہر بیکار و نا فہم سیاست دان یہی نغمہ گاتا سنائی دیتا تھا۔ کہ ایسی پُر خطر حالت میں قبضے کے جوئے کے نیچے رہنا اس وقت تک لازم ہے جب تک حالات پُرامن نہ ہو جائیں پھر حکومت اتحادیوں سے گفتگو کرے گی۔ اور انہیں وطنی

مطالبات کی صداقت پر رضامند کرلے گی +

اور فوج ؟ اُس کے ٹکڑے قونیہ ۔ افیون قرہ حصار ۔ ونزلی ۔ انگورہ ۔ بجدہ ۔ سمرنا ۔ بارلیکسر ۔ بورسہ ۔ بندرمہ سیواس ۔ ارض روم اور دیار بکر میں پڑے ہوئے تھے لیکن تنظیم میں سب سے بہتر کاظم قرہ بکیر کی فوج تھی +

دستِ قدرت

بیسویں صدی کا معجزہ اتمام کے قریب ہے +

قبضے کے دعویدار مدعیانِ بغاوت کی ہنسی اُڑا رہے ہیں ۔ اور اِسے جنون سے تشبیہ دیتے ہیں ۔ داماد پاشا کی حکومت نے ہر چیز غاصبوں کے ہاتھ میں دے دی ہے ۔ خلیفہ اپنے قصر میں مسکرا ہؤا بیٹھا ہے جو اُسے مل گیا ۔ اُس پر رضامند ہے ۔ اور آلِ عثمان کے تختِ شہنشاہیت پر محض بیٹھ رہنے پر شاکر ۔ جس کی زمین جس کا پانی ۔ اور جس کا آسمان غیروں کے قبضے میں ہے +

جس جس ملک پر انگریزوں اور یونانیوں کا قبضہ ہے ۔ دیوانے باغی اس کے گرد گروہ بندیاں کر رہے ہیں ۔ اسلحہ ملک کے اندر انگریزی پہرہ داروں کی آنکھوں کے سامنے لائے جا رہے ہیں حتّٰی کہ چور اور راہزن گزشتہ اعمال سے تائب ہو کر اپنے مسلح جتھے باغی گروہوں میں ملا رہے ہیں +

قلب اناطولیہ کی نبضیں چل رہی ہیں لیکن ابھی بغاوت مجاہدین کے سینوں میں زعیم کے انتظار میں جوش کھا رہی ہے۔

پھر وہ زعیم کہاں ہے ؟

زعیم کی شخصیت کسی کے خیال میں متعین نہیں تھی۔ کمال ہو سکتا تھا۔ کاظم قرہ بکیر بھی ہو سکتا تھا۔ اور رؤف بھی۔ دوسرے سپہ سالار بھی۔ اور وزرائے سابقہ میں سے۔ ان میں ہر شخص بغاوت کے خیال میں تھا لیکن باغی کمال عمل منظم میں سب سے پیش پیش تھا۔

وہ سرائے میں وحیدالدین سے خفیہ ملاقات کرنے جاتا ہے خلیفہ اُسے شمالی اناطولیہ کے انسپکٹر جنرل اور مشرقی علاقوں کی گورنری کا عہدہ پیش کرتا ہے۔ اور اُسے جلد اناطولیہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیتا ہے۔ تاکہ وہاں جا کر باقی کارکن افواج کو منتشر کرے۔ اور باغیانہ حرکات کا قلع قمع کر دے لیکن وحیدالدین نے کسی دوسرے کی جگہ کمال کا انتخاب کیوں کیا ؟

یہاں مؤرخ حیران رہ جاتا ہے۔ اور اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کہ یہ قدرت کا ہاتھ تھا جس نے بصیرتیں چھین لی تھیں۔ اور مصطفیٰ کمال کی مستعدی اور سیاسی مہارت تھی۔

حیرت ہے کہ انگریزوں کی بصیرت بطلِ درہ دانیال سے کیونکر اندھی ہو گئی جس نے ابھی چار سال پہلے انہیں پامال کیا تھا۔ اور اب انگریزی

سپہ سالار اس پر متفق ہے۔ کہ اس زبردست مہم پر اُسے مامور کرے۔ گویا اناطولیہ کی خشک گھاس سے کہ رہا ہے۔ کہ یہ ہے آگ۔ جل اُٹھ۔

مصطفیٰ کمال جلد جلد والدۂ ماجدہ سے رخصت ہو کر تھوڑی دیر کے لئے وزارتِ جنگ میں جاتا ہے۔ پھر سیواس کی تیسری فوج کے سپہ سالار رافت بے کی معیت میں جہاز میں بیٹھتا ہے۔ اور بحیرۂ اسود کے راستے شمالی اناطولیہ کی طرف چل دیتا ہے۔

سمسون کی جنوبی جانب "افزا علی" شہر میں اُسے سمرنا پر یونانیوں کے قبضے کی خبر پہنچی۔ اور ان کے ظلم و ستم معلوم ہوئے تو بے چین ہو گیا۔ اہلِ شہر کو دعوتِ اجتماع دی۔ غالباً پہلی مرتبہ اس میں تقریر کی۔ اور ترکوں کو بقاء و تحفظ وطن کے لئے ابھارنے لگا سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

جاسوس اُس کے خیالات کی اطلاع سمسون میں انگریزوں کو دیتے ہیں۔ وہ پایۂ تخت میں حکام بالا کو خبر بھیجتے ہیں۔ اور وہاں سے اُس کی گرفتاری کا حکم صادر ہوتا ہے۔ لیکن اُن کے قبضے سے نکل جاتا ہے۔ اور اماسیہ پہنچتا ہے۔ جہاں نہ قبضہ ہے۔ نہ فوجی قوت۔ وہاں اطمینان کا سانس لیتا ہے۔ اور قول و عمل میں آزادی محسوس کرتا ہے۔ جمہور میں ہر روز بلکہ ہر گھڑی تقریر کرتا ہے۔ انگریزوں پر سخت حملے کرتا ہے۔ ....

.... اور اپنے ابنائے وطن کو بغاوت و جنگ کی دعوت دیتا ہے ۔

لیکن کونسی بغاوت اور کیسی جنگ؟ مال و زر کہاں ہے۔ اور آدمی کہاں ہیں؟

مصطفی کمال ناممکن کا لفظ نہیں جانتا۔ اس لئے ہم اُسے دیکھتے ہیں۔ کہ رافت۔ علی فواد اور رؤف کو جس نے وزارت بحریہ سے استعفاء دیدیا تھا۔ بلاتا ہے۔ اور سمرنا کے گرد گروہ بنانے شروع کرتا ہے۔ پھر چاروں اماسیا میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ مصطفی کا گہرا دوست عارف بھی آملتا ہے۔ اور یہ فیصلہ کرتے ہیں ۔

۱۔ غیر منظم گروہوں کے بجائے دفاع کیلئے فوج کی تنظیم ۔

۲۔ ہر شہر اور گاؤں میں بغاوت کی روح پھونکنا۔ رضا کاروں کی تعلیم و تربیت کے مرکز بنانا۔ سامان جمع کرنا۔ اور اسلحہ و ذخائر میں اضافہ کرنا ۔

۳۔ اناطولیہ کی تین دفاعی حصّوں میں تقسیم۔ مشرقی علاقہ کاظم قرہ بکیر کے حصّے میں۔ مغرب علی فواد کے تحت میں۔ اور قلب پر خود مصطفی کمال قائم ہو ۔

۴۔ دفاع کیلئے مرکزی حکومت کا قیام۔ جس کا سلطان سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اور اس کا تعین بلاشبہ ملک کے نمائندوں کی شرکت سے ہو ۔

خلیفہ قیدی ہے۔ آؤ ہمارے ساتھ چلو

یہ ساعتیں ہر طرف بکھر جاتی ہیں مصطفیٰ کمال اماسیا کے قرب و جوار کے دیہات میں چکر لگاتا ہے۔ اُس کی اُمیدیں جاگ اُٹھتی ہیں۔ اور بغاوت افواجیوں کے قتل سے متعلق اُس کا ارادہ پختہ ہو جاتا ہے۔ اُسے مستقبل تاریک میں ہر جگہ بغاوت نظر آتی ہے۔ اور یونانیوں کا قتل جو اپنی فوجوں اور اتحادی اسلحہ کے ساتھ قلب اناطولیہ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اُن پر اُس کی فتح۔ اُن کے مقتولوں اور اسیروں کا معاینہ۔ اُن کے فرار کا تماشا۔ اپنی شرائط صلح اتحادیوں کے سامنے پیش کرنا۔ ترکی میں سے اتحادیوں کا اخراج۔ ترکی کے فتحمند جھنڈے کو اُن کی سلامی۔ انگورہ میں کمالی حکومت کا قیام۔ خلافت و سلطنت کی فنا۔ جمہوریت کا اعلان۔ اور پھر ترکی کا مدارج ترقی پر چڑھ کر ایک خطرناک اور عظیم الشان حکومت بن جانا۔

یہ سب اُس نے چشم بصیرت سے دیکھا۔ اُس کے سامنے سے وہ تمام مشکلات زائل ہو گئیں جو قوت بشری کے لئے سدراہ ہو سکتی ہیں۔ اپنے آپ کو مغالطہ میں ڈالکر وہ نہیں دیکھتا۔ کہ قوم شکستہ حال ہے۔ حکومت غدار ہے۔ خلیفہ غلام ہے۔ اور افلاس۔ بدبختی اور یاس کا دور دورہ ہے۔ اس لہر میں ہم اُسے لوگوں کے سامنے تقریریں کرتے سنتے ہیں۔ وہ کہتا ہے:۔ "انگریز اسلام اور مشرق

کے دشمن ہیں۔ اُنہوں نے ترکی کو مٹانے اور اُسے صفحۂ ہستی سے نابود کر دینے کا تہیّہ کر لیا ہے۔ ترکی ہمیشہ رہنے والا ہے۔ ترکی مجاہد ہے۔ ترکی دین کا قلعہ اور اسلام کی تلوار ہے۔ کیا یونانی اناطولیہ میں مقیم ہو کر حکومت کرینگے۔ خلیفہ استنبول میں اسیر ہے۔ اسے کچھ اختیار و اقتدار حاصل نہیں۔ اگر وہ آزاد ہوتا۔ تو میرے ساتھ ہوتا اور اُسے غاصب دشمن کے سامنے ہتھیار اُٹھا کر بغاوت کا اعلان کرنا چاہیئے تھا اُس کی اسیری کی ٹھوس دلیل یہ ہے۔ کہ اُس نے سمرنا کے مظالم پر ذرا احتجاج نہیں کیا۔ اس قبضے کی تکمیل خلیفہ کی موافقت سے ہوئی۔ میں اُس کا نائب قائم مقام ہوں۔ اور خاص اس لئے آیا ہوں۔ کہ جنگ دینی کے اعلان اور جہاد مقدّس کے لئے لوگوں کو کھڑا کر دوں +

اپنی عزّت کیلئے لڑو۔ اپنے دین اپنے ناموس کا تحفّظ کرو۔ ملکی فوج میں رضا کار بنو۔ اور اپنے دشمنوں اور اپنے دین کے دشمنوں کو ملک سے نکال دو +

یا للعجب! یہ دبلا پتلا آدمی۔ پژمردہ چہرہ۔ یاس و قنوط سے ساکن و صامت ٹکڑوں کو متحرک کر دیتا ہے۔ جہاں موت کا شبہ ہوتا تھا۔ وہاں جوش کی زندگی ہے۔ سپاہی اور پنشن یافتہ افسر یہاں وہاں سے اُٹھتے ہیں۔ اور ہتھیار اُٹھانے کے لئے دوڑتے ہیں۔ (اور کونسے ہتھیار؟) اور سینکڑوں ہزاروں رضا کاروں کو تربیت دینے لگتے ہیں +

اماسیا سے منتقل ہو کر ارض روم گیا۔ اور وہاں جا کر کہنے لگا۔ تمہارے

...... خیال میں کیا ہے کیوں جنگ نہیں کرتے ؟ کیا نہیں جانتے ۔ کہ ملعون انگریزوں نے ارمنوں سے وعدہ کیا ہے ۔ کہ ارمنی جمہوریت تمہاری ولایت اور قبروں کی تباہی پر کھڑی کی جائے گی ؟ یہ کلمہ جمہور پر جادو کا اثر کرتا ہے ۔ اور وہ اپنے ملک اور متوقّع ارمنی جمہوریت کی مدافعت کے لئے تیار ہو جاتے ہیں ۔

ارضِ روم میں عظیم شخصیتوں کا مقابلہ ہوتا ہے ۔ کمال اور کاظم قرہ بکیر مصطفیٰ کمال نے اُسے اماسیا کی قرارداد کی خبر دی ۔ اور وہ اس سے متفق ہو گیا ۔ پھر مصطفیٰ شہر سے نکل کر دیہات میں تنظیم دفاع کی خاطر گیا اور افسروں اور سپاہیوں سے کہا ۔ کہ اپنے ہتھیار حکومت کے حوالے نہ کریں ۔ وہ بحیثیت نائب خلیفہ کے اُنہیں یہ حکم دیتا ہے ۔

چند روز کے بعد اُسے خلیفہ کی جانب سے برقیہ ملا ۔ جسمیں اُس کی واپسی کا حکم تھا ۔ مصطفیٰ کمال تار گھر میں جا کر خلیفۃ المسلمین کو تار دیتا ہے کہ اناطولیہ میں آکر فوج نجات دہندہ کی کمان اپنے ہاتھ میں لے ۔ صبح تک جواب کا منتظر رہتا ہے ۔ صبح تک جواب ملتا ہے ۔ جسمیں اُس کی جلد واپسی کا حکم ہوتا ہے ۔

کیا یہ چاہتا تھا یا اس کا متوقّع تھا ۔ کہ خلیفہ آکر فوج نجات دہندہ کی کمان کرے گا ؟ بالکل نہیں ۔ بلکہ اوّل اور سب سے پہلے لوگوں کو یہ ثبوت دینا چاہتا تھا

تھا۔ کہ خلیفہ کو کوئی اختیار حاصل نہیں۔ وہ استنبول میں قید ہے۔ تو کیوں اُسے پایۂ تخت میں واپسی کا حکم دیتا ہے؟ جب اُس نے خفیہ طور پر اُسے بغاوت و جہاد کی تلقین کی ہے۔ اس بنا پر وہ خلیفہ کو جواب دیتا ہے .... کہ وہ اس وقت تک اناطولیہ میں رہے گا جب تک ملک کو خود مختاری حاصل نہ ہو جائے اس لئے وہ فوج سے استعفا دیتا ہے۔ اور ایک فرد وطن کی حیثیت سے بغاوت شروع کرتا ہے۔

جہاد کی قرارداد قوم کے نمائندوں کی طرف سے

مصطفیٰ کمال قوم کے نمائندوں کو ارض روم میں بلاتا ہے۔ کہ مفاد و بقائے وطن کیلئے کچھ سوچیں اور تدبیر کریں۔ نمائندے جو نہیں ارض روم میں آ پہنچتے ہیں۔ وہ تمام اطراف اناطولیہ میں پیغام پہنچا دیتا ہے جسمیں کہتا ہے "وطن کی شان ضائع ہونے لگی ہے! اور جس حالت میں ہماری مرکزی حکومت اتحادیوں کے زیر نگرانی ہے۔ اُس سے وفائے عہد کا خیال ناممکن ہے ایسی حالت میں قوم کی بے مایگی ظاہر ہوتی ہے خدا نہ کرے۔ چونکہ ملک کی خود مختاری قوم کے عزم و ارادہ پر منحصر ہے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ ایک مؤتمر وطنی بلائی جائے جو کسی نگرانی یا اثر و اقتدار کے تابع نہ ہو۔ تا آنکہ قوم کی حالت کی اصلاح

ہو جائے۔ اور تمام دنیا پر اپنے حقوق ثابت کر دے۔ اسلئے ہم نے ارادہ کر لیا ہے
کہ ایک عام مؤتمر وطنی سیواس میں منعقد کریں۔ لہٰذا ارکان سے استدعا ہے
کہ اولین فرصت میں پہنچ جائیں۔ ہر ضلع کو چاہئے۔ کہ اپنے تین ماہر رکن انتخاب
کر کے فی الفور اُنہیں سیواس میں بھیجدے وغیرہ +

پھر ارکان منتخب کو نصیحت کرتا ہے۔ کہ بھیس بدل کر خفیہ طور پر زیر
اقتدار ملکوں سے نکلیں اور ارض روم کے ارکان اپنے فرائض منصبی سے فارغ
ہو کر مؤتمر عام میں آملیں +

مصطفی کمال ارکان اناطولیہ کی دعوت پر قناعت نہیں کرتا بلکہ یورپی
ترکی سے بھی نمائندے بلواتا ہے۔ اور ہم اُسے جعفر طیار بے سپہ سالار فوج ایڈریا
نوپل کے نام تار بھیجتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اُس میں کہتا ہے۔

"آپ جانتے ہیں۔ کہ اتحادی حکومتیں ہماری خودمختاری مٹانا۔ اور قوم
ترکی کو گروہوں اور پارٹیوں میں تقسیم کرنا چاہتی ہیں۔ اور جب مرکزی حکومت
حالتِ نظر بندی میں ہے اس کے ہاتھ میں اپنی باگ ڈور دیدینا فنا و پامالی کے
مترادف ہے۔ معاذ اللہ۔ اس لئے سیواس میں مؤتمر کا انعقاد لازم قرار دیا گیا
ہے۔ وغیرہ "

مؤتمر ارض روم پہلا جلسہ منعقد کرنے والی ہے۔ کہ خلیفہ کاظم قرہ بکر کو مصطفےٰ
کمال کی گرفتاری۔ اسے پایۂ تخت میں بھیجنے اور مؤتمر کی پراگندگی و انتشار کا

حکم دیتا ہے +

یہ کیوں ؟

کیونکہ مصطفیٰ کمال باغی ہے کیونکہ خلیفہ اتحادیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ داماد فرید اتحادیوں سے گفتگو کر رہا ہے۔ اور اناطولیہ کی بغاوت اسے گفتگو کا موقع نہیں دیتی۔ کیونکہ تمام اختیار اسلام اور مسلمانوں کے حامی اور اعلاء کلمتہ اللہ کے علم بردار خلیفہ کے ہاتھ میں ہے پھر یہ پر مغضب کجرو کون ہے۔ جو خلیفہ کے دوست اتحادیوں سے بغاوت کرتا ہے +

مصطفیٰ کمال خطرے میں ہے۔ اس کی گرفتاری کا مطلب یہ ہے۔ کہ اسے پابجولاں پایہ تخت کو بھیج دیا جائے۔ اور اگر اس کیلئے موت کا حکم نہ بھی ہوا تو وہ زندان کی تاریکی میں ڈال دیا جائیگا +

بغاوت جس کی ابھی ابھی طرح ڈالی گئی ہے خطرے میں ہے۔ کیونکہ قوت سے مؤتمر ارض روم کو روک دینا گویا آغاز ہی میں ملکی تحریک کا گلا گھونٹ دینا ہے۔ اس کے بعد کسی کو مؤتمر منعقد کرنے کی ہمت نہیں ہوگی +

نمائندے تحریک وطنیت کی کامیابی کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں۔ اور وہ زریں امیدیں جو کمال نے اُنکے دلوں میں زندہ کی تھیں۔ فنا ہو جانے کو ہیں +

کاظم قرہ بکیر وقت کا ہیرو۔ وطن پرستوں کے مقصود پر قابض۔ اور

شش و پنج میں ہے۔ کہ خلیفہ کی اطاعت کرے یا وطن کی آواز پر لبیک کہے۔
درحقیقت گھڑیاں تحریک وطنیت کی کامیابی سے مشکوک گزر رہی ہیں
جس نے اس کی زندگی منغص کردی تھی۔ اور وہ خیال کرنے لگتا ہے۔ کہ تمام
باغیوں کو پھانسی دیدے۔

لیکن وہ ہر چیز سے پہلے وطنی تھا۔ اور کمال جب کاظم قرہ بکیر کے پاس بیٹھتا
تو پوری مہارت سے اس کے حساس تار کو چھیڑتا۔ اور اس کے ارادہ کو قوی کرتا۔ تاکہ
وہ فرائض وطنی کی انجام دہی کو احکام خلیفہ کی اطاعت پر ترجیح دے آخر چند
روز کی زہرہ گداز ناامیدی اور شک کے بعد نسردہ چہرے سرخی سے چمک گئے۔ اور
برق زدہ قلوب جی اٹھے۔ کیونکہ کاظم قرہ بکیر بڑے دل والا مرد صدائے وطن پر
لبیک کہتا ہے۔ اور خلیفہ کی نافرمانی کرتا ہے۔

جلد ہی دوسرے دن مؤتمر کا جلسہ ہوتا ہے! اور حاضرین مصطفیٰ کمال
کو اپنا صدر اور قائد بغاوت مقرر کرتے ہیں۔ اور تعجب ہے۔ کہ وہ لوگ اُسے
.... صدر اور قائد بغاوت بناتے ہیں۔ جو کسی کو
اپنا سردار نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔

وہ کمال کی پوری پوری قدر کرتے ہیں۔ کیونکہ جانتے ہیں۔ کہ وہی اُن
کی قیادت کے لائق ہے۔ لیکن کچھ غیرت اور رنج اُنہیں باز رکھتا ہے۔ کہ اُسے
اپنا سردار منتخب کریں۔

پتلا اور جھکا ہوا چہرہ بھیڑیے کی سی آنکھیں جنمیں خوفناک چمک تھی اور شہد کی سی شیریں باتیں جنکے اندر زہر ملا ہوا نظر آتا تھا۔ جو وہ خلیفہ کو پلانے پر تلا ہوا تھا۔ اور آخر میں اس کا دستِ آہنی جو وہ ہوا میں لہراتا ہے۔ آہ طبائع انسانی کتنی عجیب ہیں *

بغاوت میں اُس کی تجویز سُنکر سرگوشیاں کرتے ہیں لیکن ذرا سی پاکیزگی کا محض خیال ہی بدن کے رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے خلیفہ جو کچھ بھی اس میں نقائص ہیں بہرحال خلیفہ ہے اور اُس کا حکم گو کتنا ہی ظالمانہ ہو حکم اللہ ہے خلافت سے نافرمانی کفر باللہ کے برابر ہے۔ پھر ٹوٹ جائے وہ تلوار جو حامئ دین اور خلیفۃ المسلمین کی مخالفت کے لئے اُٹھے *

تاہم معجزہ کا اتمام ہو کر مصطفیٰ کمال صدر منتخب ہو جاتا ہے پھر اُسے کیا؟ ارکان نے اُسے اپنا صدر بنا لیا تھا۔ اور اب وہ مؤتمر وطنی کا صدر رہے جسے وہ بعد میں مؤتمر قومی بنائے گا۔ اب وہ محض فرد وطن نہیں جس کی کوئی رسمی حیثیت نہ ہو *

مصطفیٰ کمال بحیثیت صدر منبر پر چڑھا۔ اور اپنی تقریر میں پہلے ارکان مؤتمر کا شکریۂ احسان ادا کیا۔ پھر کہنے لگا "میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ میں ملک و وطن کی بربادی اپنی آنکھوں سے دیکھوں اور خاموش رہوں اہل وطن نے فتحمندوں کے اطمینان و انصاف پر بھروسہ کر کے ہتھیار ڈال دئے

ہیں حالانکہ انہیں چاہیئے تھا۔ کہ لڑتے اور مرجاتے یا اپنے حقوق حاصل کر لیتے۔ لیکن طاقتور کے انصاف پر اطمینان کر لینا نادانی ہے اور حکومت مرکزیہ کی اندھی اطاعت اس ضعف و تسلیم سے اتحادیوں نے بُری طرح فائدہ اٹھایا۔ اور ترکی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے بطور غنیمت آپس میں بانٹ لیا۔ پھر اناطولیہ کے پُرامن دیہات پر یونانیوں کو چھوڑ دیا۔ تاکہ ان میں فساد پھیلائیں اُنکے ناموس برباد اور پاکیزگی و حقوق کو پامال کریں حکومت مرکزیہ نے یہ سب کچھ قبول کیا۔ کیونکہ پایۂ تخت پر اتحادیوں کا قبضہ ہونے اور پارلیمنٹ کے انسداد کے بعد حکومت کو منشائے نمائندگان کے آگے جھکنے کی پروانہ تھی۔ اور اتحادی قوم کی بربادی میں معذور ہیں۔ کیونکہ وہ ظفر مند ہیں اور ترک ہزیمت خوردہ۔ اور اُنکے خون وطنیت میں کوئی حرکت نہیں بیشک انہوں نے ترکی املاک کو ارمنوں۔ یونانیوں۔ انگریزوں فرانسیسیوں اور اطالیوں پر تقسیم کیا۔ کیونکہ وہ ہمارے وطن کو ایسی ذلت سے دوچار کرنا چاہتے ہیں۔ جو اُس نے ساڑھے چھ سو سال سے کبھی نہیں دیکھی جب اُس کی حد و شرق میں ہندوستان سے غرب میں آسٹریا سے شمال میں روس سے اور جنوب میں قلب افریقہ سے ملی ہوئی تھیں لیکن افسوس شہنشاہیت فنا ہو گئی شان و شوکت قعر مذلت میں گر گئی۔ اور غرور اُلٹ کر غلامی بن گیا۔

جیسے وہ ڈر گیا۔ کہ شاید ارکان پر تاثیر مطلوب کے برعکس اثر ہو۔ اس لیئے ہم دیکھتے ہیں کہ جنگ عظیم کے بعد عام مشرق کی حالت اُن کے سامنے کھول رہا ہے مصر سے شروع کرتا ہے کہ کس طرح مصریوں نے اپنے زعیم کی جلاوطنی کے بعد بغاوت

شروع کی۔ پھر ہندوستان کی بغاوت کا حال بتاتا ہے۔ کہ کس طرح وہ آزادی کیلئے جہاد کر رہے ہیں۔ پھر شام اور عراق کی بغاوتوں کا ذکر کرتا ہے۔ اس کے بعد افغانستان۔ قوزاق۔ آذربائیجان اور گرجستان کے جہادِ آزادی کی شرح کرتا ہے۔ جب اطمینان ہوگیا۔ کہ ارکان کے قلوب میں آثارِ حیات پیدا ہونے لگے ہیں تو دنیا کی اجمالی تعریف اُنکے سامنے بیان کی۔ خاصکر انقلابِ روس کی طویل شرح کی۔ گویا اُسے اپنے مستقبل کا حلیف جانتا تھا ؛

آخر میں مفتوح استنبول کی حالت بیان کرتا ہے۔ کہ کس طرح وہاں کے باشندے جب اُنہیں قبضہ کا اندازہ ہوا وہاں سے نکلے ذمہ دار اشخاص کا وہاں رہنا نامناسب ہے۔ اور جنہوں نے وہاں رہنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ وہ کچھ کرنا نہیں چاہتے۔ اسلئے لازم ہے۔ کہ اناطولیہ میں دوسری حکومت قائم کی جائے +

آخر میں یہ مردِ نحیف۔ خمیدہ رو۔ اور روشن چشم کہتا ہے :۔

"اور اپنی تقریر کے خاتمہ پر خدا سے دُعا کرتا ہوں۔ اور اپنی اِن اُمیدوں کا آغاز کرتا ہوں۔ جو ہماری قوم اپنے وطنِ مبارک اور دینِ جلیل احمدی کی مدافعت میں نہ بھولے گی۔ اور تا قیامت مدافعت کرتی رہے گی۔ اور اللہ جل شانہٗ مقام خلافت و سلطنت کو فراموش نہ کریگا اس سے دعا ہے۔ کہ ہمیں نصرت و فتح سے ہم آغوش کرے۔ جب ہم نے اپنے مبارک حقوق کی مدافعت کا بار اپنے

کندھوں پر اُٹھانے کا عزم کر لیا ہے۔ آمین !

کلامِ عجیب۔ اور اُس سے بھی عجیب تر دعاؤں میں خلافت و سلطنت کا ذکر!

نمائندوں کے دل بڑھتے ہوتے دینی جوش سے بھر گئے۔ وہ دیر تک تالیاں

بجاتے ہیں۔ اور "صدر زندہ باد" کے نعرے لگاتے ہیں۔ آخر اتفاق رائے سے قرار

پاتا ہے۔ کہ

۱۔ مدافعت وطن میں تنظیم اور قبضے کی علیحدگی ۔

۲۔ اناطولیہ میں حکومت مرکزیہ وطنیہ کا قیام ۔

۳۔ مؤتمر سیواس کے لئے نمائندوں کا انتخاب ۔

سیواس کی طرف

مؤتمر سیواس منعقد ہونے والی ہے ۔

مصطفیٰ کمال صدر مؤتمر ارضِ روم شب و روز کام میں منہمک ہے۔

مصطفیٰ رشید پاشا والیِ سیواس سے ہر وقت خط و کتابت کرتا رہتا ہے۔

اور اُسے انعقاد مؤتمر کی غرض سے میدان صاف کرنے کیلئے احکام پر احکام بھیج

رہا ہے۔ حسبی آفندی قاضی سیواس کو بھی ہموار کرنے کیلئے کہتا ہے۔ کہ سیواس

میں انعقاد مؤتمر سے کوئی خطرہ نہیں۔ پھر تیسری رجمنٹ کے سپہ سالار کو سیواس

ہیں تار دیکر اطلاع دیتا ہے۔ کہ مؤتمر ارض روم توقع سے زیادہ کامیاب رہی ہے۔ اور اُس کی قرار دادیں جوش کیساتھ منظور ہوئیں۔ دول اتحاد کو راہ خروج مشکل نظر آرہی ہے۔ وطن مجھ وکشی نہیں کرسکتا۔ اسلئے اُس نے قبضے کے جوتے سے نکلنے کی ٹھان لی ہے۔ یہاں گویا سپہ سالار کے ضعف کا احتمال ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ جو مؤتمر سیواس کو پرجوش بنانے کی کوشش نہ کرے۔ وہ یا تو ڈرپوک ہے یا غدار۔ اس کے علاوہ ہزاروں بڑے بڑے آدمیوں کو تار دیتا ہے۔ اور انہیں انکے حسب حال جہاد کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ ان میں ایسے وسائل نظر آتے ہیں جن میں اُس کی بلاغت اور قوت حجت چوٹی پر پہنچ جاتی ہے جس سے دلوں میں آگ بھڑکنے لگتی ہے۔ اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں +

ہر روز وطنیت و ایثار کی اعلیٰ مثالیں ملتی ہیں +

یہ نوجوان کمال کے قریب آتا ہے۔ اور اپنی حیات اور مستقبل اس کے ہاتھ میں دیدیتا ہے۔ وہ دولت مند اُسکے سامنے اپنی دولت کے ڈھیر لگادیتا ہے یہ عورت روتی جاتی ہے۔ اور جہاد میں مدد کا وعدہ کرتی ہے۔ وہ سادہ دیہاتی رضا کار بن رہے ہیں۔ اور اپنی زمینوں کا محصول فوج کیلئے پیش کرتے ہیں +

وہاں شہر مقبوضہ استنبول میں رات کی سیاہی اور پردے کے پیچھے بیسویں صدی کا پرنز در ڈراما دکھایا جارہا ہے جب مؤتمر ارض روم کی خبریں دارالخلافہ تک پہنچتی ہیں۔ تو بدخواہ مضحکہ اُڑاتے ہیں اور مجاہدین میں جوش بھر جاتا ہے ایک

طرف رنگ برنگ کا تجسّس اور بیوفائی جو صرف انہی ایام تاریک میں نظر آسکتی تھی. آپ کو دکھائی دے گی. اور دوسری طرف اگر قلوب سلیم کی گہرائیوں میں دیکھو گے یا گھروں کے اندر سیدھا نکلو گے. تو بے نظیر بہادری کی نشانیاں نظر آئیں گی۔

یہاں نوجوانوں کی ایک جماعت میز کے گرد بیٹھی ہے. میز پر قرآن کریم اور تلوار رکھی ہے. اور قسم کھاتے ہیں. کہ موت یا آزاد زندگی۔

اور وہاں ایک جماعت اناطولیہ میں اسلحہ پہنچا رہی ہے. اگر پوچھو گے کہ کس طرح؟ تو ہم کہیں گے. واللہ نہیں جانتے. اور نہ جاننے کی فرصت ہے۔

اور ایک تاریک کمرے میں جہاں تمباکو کا دھوآں دم گھونٹ رہا ہے. ایک نحیف ترکی نوجوان بیٹھا ہے. اُس کی پیشانی سے نپولین کی خصلت ٹپک رہی ہے. وہ ایک غیر ملکی جریدہ کے نامہ نگار یا خارجہ سفارتوں کے ملحقین سے بغاوت اور حقوقِ وطن کی مدافعت کی شرح کر رہا ہے۔

کمال اور اس کے اصحاب کی تعریف کرتا ہے. کہ وہ ہیرو ہیں. اور ان کی مدافعت اور جہاد میں مدد ضروری ہے جب وہ گفتگو سے فارغ ہو جاتا ہے تو اجنبی جوش سے بھرا ہوا نکلتا ہے. اور ترکی قضیہ میں اس کا دل مدد دینے کی خواہش کرنے لگتا ہے۔

اور یہ لڑکی. اس کا منگیتر شادی کیلئے بمنّت درخواست کرتا ہے. وہ چیخ اُٹھتی ہے. "کیسی شادی جب وطن برباد ہو رہا ہے؟ پھر ہم اُسے پُرغضب

شیرنی کی مانند اُس کے سامنے کھڑا دیکھتے ہیں آنکھیں سُرخ ہو رہی ہیں۔ بال بکھرے ہوئے ہیں۔ اور سینہ جوش و غضب میں زیر و بالا حرکت کر رہا ہے تُم اُسے غصّے میں خطاب کرتے ہوئے سنو گے۔

"مجاہدین کے ساتھ جہاد کرو۔ اور شہیدوں میں مرو۔ اگر تم میں کچھ مردانگی اور مجھ سے محبّت ہے"۔

ہزاروں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اگر تم نے کسی اور جگہ نہیں دیکھیں تو یہاں دیکھ لو۔ اور گو اُن کے چہروں سے کچھ نظر نہ آئے لیکن سینہ میں انتقام جوش مار رہا ہے۔ باسفورس اور بحیرۂ اسود کی سطح آب پر جہاز اور پرانی کشتیاں ترکی کے گلہائے شباب ملّاحوں کے لباس میں اُٹھائے ہوئے نظر آئیں گی۔ اور اُن کے پھلوں۔ اناج اور جالوں کی تہوں میں اسلحہ پوشیدہ ہوں گے۔

اب ہم سیواس میں لوٹتے ہیں۔ نمائندے ہر طرف سے بارش کے قطروں کی طرح مؤتمر پر برس رہے ہیں۔ ان میں پنشنر افسر مزدور سیاسی۔ تاجر اور شیخ قبیلہ سبھی ہیں۔ یہ یورپی لباس میں۔ وہ دینی لباس میں۔ اور دوسرا قدیم وطنی لباس میں دراز ریش ہا اور ریش تراشیدگان سب ہیں۔ اور تہذیب حاضرہ کے دلدادہ اور متعصّب حافظان ہیں۔

یہ سب سخت کوشش سے اور بیحد خطروں میں پڑ کر سیواس پہنچے ہیں

بلکہ خود کمال خطرۂ گرفتاری سے بچ نکلا۔ اور سیواس پہنچا۔ تاکہ انعقاد مؤتمر سے پہلے نمائندوں سے جا ملے۔

وہاں نمائندے کمزور جھکے ہوئے۔ اور چمکدار آنکھوں والے بھیڑیے کو دیکھتے ہیں۔ اور اُس کے منہ سے ایسا ہولناک کلام سنتے ہیں جس کے وہ منتظر تھے۔ سرگوشیاں کرتے ہیں پھر اجتناب کرتے ہیں اور پھر دوبارہ ان میں جوش پیدا ہوتا ہے لیکن غیرت و غرور اُن کے سینے پھاڑنے لگتے ہیں۔

نمائندے جانتے ہیں۔ کہ امریکہ نے اپنا مندوب اناطولیہ کی حقیقت حال معلوم کرنے کیلئے مؤتمر میں بھیجا ہے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ فرانس اور اٹلی پھیلنے والی بغاوت کو بہ نگاہ مروت دیکھ رہے ہیں۔ انہیں اس مہربانی پر تعجب آتا ہے لیکن نہیں جانتے کہ اس مہربانی کا مصدر وہ کمزور اعدو نپولین خصلت نوجوان ہے جو استنبول میں ایک تاریک کمرے کے اندر تمباکو کے دھوئیں کے درمیان اپنی راتیں گزارتا ہے۔

سازش

سیواس میں مؤتمر منعقد ہوتی ہے۔

اس کے پہلے جلسے میں کمال نے محسوس کیا۔ کہ وہ ایسے نمائندوں کے

سامنے ہے۔ جو سرگراں اور جھگڑالو ہیں۔ صدارت کو سخت حقارت سے دیکھتے ہیں لیکن اُسی وقت ایسے صدر کے طالب ہوتے ہیں۔ جو آہنی ارادہ رکھتا ہو۔

اُن میں سے ایک نے مجھ سے بیان کیا "میں اس سے نفرت کرتا تھا۔ لیکن میں دیکھتا تھا۔ کہ تمام حاضرین میں قیادت بغاوت کے لئے اس سے بہتر کوئی آدمی نہیں۔ اس لئے ہم نے اُسے اپنا سردار منتخب کیا ہے۔

حتیٰ کہ کاظم قرہ بکیر وہ مرد نیکدل جسے ہم نے قفقاز میں بحیثیت قائد جانا ہے جو اپنے احکام سختی سے جاری کراتا ہے۔ اس سے التجا کرتا ہے۔ کہ مؤتمر کے مراسلات پر اپنے نام کے دستخط نہ کیا کرے۔ تاہم کمال ان باتوں سے تجاہل برتتا ہے۔ اور سٹیج پر مقرر بن کر چڑھتا ہے۔ مؤتمر میں اشتراک کے لئے ممبروں کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ اور وطن کی بدبختی کا قصہ مادروس کے صلحنامہ پر دستخط کرنے سے لیکر تقریر کے وقت تک سناتا ہے۔ نمائندے سنتے ہیں۔ اُن کی حیرت اُسے قدسیت کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے حتیٰ کہ جب وہ صدر الاعظم فرید کی روانگی پیرس اور ترکی کی موت پر دستخط کا ذکر کرتا ہے۔ تو اُن کی آنکھوں سے بغاوت صاف نظر آتی ہے۔ اور وہ "غدار مردہ باد" کے نعرے لگاتے ہیں۔ جب اُس نے کہا۔ کہ فرید اناطولیہ میں قومی تحریک سے منکر ہے۔ بلکہ سرکاری طور سے اُسے جھوٹا بتاتا ہے۔ تو وہ فرید پر لعنت بھیجتے ہیں۔ فرید کی حکومت پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اور جو فرید کا پشت پناہ ہو اُس پر لعنت بھیجتے ہیں۔

کمال اپنی تقریر کو اس کلمے پر ختم کرتا ہے۔ کہ "تمام کوششوں اور کئی وطنی انجمنوں کی یکجائی نہایت ضروری ہے"۔ اور کہتا ہے۔ کہ "آزاد انتخاب کے شروع ہونے کا حکم صادر ہوا ہے۔ نمائندوں کو چاہیئے کہ میدان میں ثابت قدم رہیں آپ کی امیدیں بر آئینگی۔ باذن اللہ" +

چند منٹ کے بعد اُسے کاظم قرہ بکیر کی طرف سے برقیہ ملا جسمیں لکھا تھا۔ کہ ایک انگریزی جاسوس جو میجر نویل کے نام سے موسوم ہے "ملاطیہ" میں اس غرض سے گیا تھا۔ کہ وطنی تحریکات کے خلاف کردوں میں وسیع پیمانے پر پروپیگنڈا کرے۔ بدرخاں اور جمیل پاشا کا خاندان حکومت فرید کے ایما سے اس جاسوس کے ساتھ مل کر کام کر رہا ہے +

مصطفیٰ کمال نے یہ تار ارکانِ مؤتمر کے سامنے پڑھا۔ اور سازش کی اہمیت اُن پر ظاہر کی۔ کہ یہ انگریز جاسوس حکومت استنبول کے مشورہ سے کردوں کو بغاوت پر آمادہ اور سیواس پر حملہ کرا کے ارکانِ مؤتمر کو ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ جن میں وطن کے نیک بندے شریک ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی حکومتِ استنبول کی غداری کے متعلق تم کسی مادی دلیل کے خواہشمند ہو۔ پھر مردِ حرب "مؤتمر سیاست سے نکل کر ملاطیہ میں بارہویں رسالہ کے کمندار جمال بے سے ملا۔ اُس سے معلوم ہوا۔ کہ عزیز کا والی ملاطیہ میں نویل سے ملا اور دیر تک گفتگو کی۔ اُس سے پوچھا۔ کہ ملاطیہ میں ترکی سپاہی کتنے ہیں۔ تو اُسے معلوم ہوا۔ کہ بیس سے زیادہ نہیں۔ اُسے سازشیوں

کی گرفتاری کا حکم دیا لیکن اُس نے اپنا عجز ظاہر کیا۔ کمال نے البابس کماندار عزیزاور خربوط بیواس اور سیواس کی فوجوں کو ملاطیہ پر حملہ کا حکم دیا۔ یہ فوجیں انہیں گرفتار کرلیں۔ اگر سازشی گھوڑوں پر سوار ہو کر راتوں رات بھاگ نہ جاتے ترکی افسروں کو اس جگہ سے جہاں سے سازشی بھاگے تھے چھ ہزار پونڈ ملے۔ جو وہ کردی سرگروہوں کو رشوت دینے کے لئے ساتھ لائے تھے +

ملاطیہ عزیزاور سیواس کی وطنی قوتوں کو ایک کرنے اور کردنی بغاوت کو جڑ سے اُکھاڑنے کا حکم دینے کے بعد "مرد حرب" مؤتمر سیاست میں واپس آیا وہ فتحمند واپس آتا ہے۔ اور اہل سیاست کو اُن کی حیات اور مؤتمر پر اطمینان دلاتا ہے۔ وہ اس کی فضیلت اور قیادت کا اعتراف کرتے ہیں۔ کمال انہیں خلیفہ کی طرف ایک سخت احتجاج بھیجنے کے لئے کہتا ہے۔ اور وہ سب اُس کی رائے سے اتفاق کرتے ہیں +

رشید پاشا والی سیواس نے شدید لہجہ میں وزیر داخلیہ ترکیہ کو احتجاج بھیجا اور اس میں سازش ملاطیہ پر نفرت و ملامت کا اظہار کیا۔ وزیر داخلیہ اس کی تردید میں جواب بھیجتا ہے۔ کہ یہ سازش خلیفہ کی مرضی اور اس کے دستخطوں سے انجام پائی ہے۔ وطن کی سلامتی اور محافظت کی خاطر +

"سیاہ چمگادڑ" مردہ باد

مصطفیٰ کمال احتجاجات و عرائض لکھنے میں مشغول ہے اس طویل عریضہ میں جو اُس نے موتمر سیواس کی جانب سے خلیفہ کو لکھا ہے حکومت کے اس فعل کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے جو وطن پرستوں کو قتل کرانے اور کردوں کو انگریزی صف میں ملانے کیلئے کیا گیا ہے۔ آخر میں چاہتا ہے۔ کہ آئندہ ان حادثات سے فضا صاف رہنی چاہیئے۔ اور دسیسہ کاریوں کو بند کر دینا چاہیئے ✦

پھر ہم اُسے ایک شدید لہجہ میں احتجاج لکھتے دیکھتے ہیں جسمیں وہ خلیفہ سے داماد فرید پاشا کی وزارت توڑنے کا طالب ہوتا ہے۔" کیونکہ اُس کی غداری ثابت ہو چکی تھی اور اس نے حیلہ بازی کر کے عثمانیوں میں عداوت کا بیج بویا تھا"✦

یہیں تک اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ مؤتمر کے نام سے ایک اعلان جمہور میں شائع کیا اور اس میں حکومت پر یہ تہمت لگائی۔ کہ اُس نے قانون انتخابات نافذ کرنے میں تاخیر کی۔ اور معاہدۂ سیورے کی ابتدائی شرائط پر اتفاق کیا جسمیں طوروس کا علاقہ یونان کے قبضے میں دیا گیا ہے ✦

رائے عامہ پر اس اعلان کا بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ اور صمیم قلب سے "سیاہ چمگادڑ" داماد فرید مردہ باد کی صدا نکلتی ہے ✦

مصطفیٰ کمال نے نمائندوں کی تائید حاصل کرنے کے بعد رائے عامہ کی تائید بھی حاصل کرلی۔ اس تائید نے اُسے ایک اور آتشیں احتجاج خلیفہ کی طرف بھیجنے پر برانگیختہ کیا جس میں غدار وزارت پر حملہ تھا۔ کہ اُس نے ملک پر پے درپے بدبختیاں عائد کیں۔ اور داماد فرید پر لعنت پارہ ہوا۔ جو پیرس میں اتحادیوں کے ساتھ گفت وشنید تو اور زبان سے کرتا ہے۔ اور پایۂ تخت میں دروغ گوئیوں کی اشاعت کیلئے دوسری زبان استعمال کرتا ہے جس نے اتحادیوں سے گفت وشنید کے وقت اناطولیہ کی قومی تحریکات کو نظر انداز کردیا جس نے اناطولیہ کی باقی فوجوں کو اس سے علیحدہ کردیا۔ تاکہ وطن کے لئے قیام کی کوئی جگہ نہ رہ جاتے۔ آخر میں خلیفہ سے اس غدار حکومت کے توڑ دینے کا طالب ہوتا ہے اور آزاد قانون انتخاب کے نفاذ کا خواہشمند۔

اُسی وقت ہم اُسے ایک اور عام اعلان اہل استنبول کی طرف بھیجتے دیکھتے ہیں۔ اس اعلان میں اُس کی قوت بیانیہ ایسی نمایاں ہوتی ہے جس کی کوئی نظیر نہیں۔ وہ کہتا ہے استنبول کو جنگ کی طرف سرعت و سابقت میں فخر ہے۔ باغیوں نے اناطولیہ کو اپنا مرکز کسی اور غرض کے لئے نہیں بنایا بلکہ اتحادیوں کی قوت سے دور رہنے کی وجہ سے۔ پھر داماد فرید کی خارجی سیاست کے متعلق لکھتا ہے۔

"وہ تباہ کن سیاست جو اس چیز سے کچھ نہیں چھوڑتی جس کا نام وطن ہے۔ وہ منحوس معاہدہ کی شرائط میں سے جو شائع کرتا ہے۔ تحریف کے بعد کرتا ہے"

تاکہ جو ذلت وتباہی وہ لا رہا ہے۔ اس سے ترک باخبر نہ ہونے پائیں" پھر اس کی داخلی
سیاست کی برائیاں کھول کر بتاتا ہے اور اس پر غدّاری حیلہ سازی۔ وطن پرستوں
کی ہلاکت کی کوشش اور اُن کے اتحاد کو توڑ دینے کی تہمت لگاتا ہے۔ آخر اپنے اعلان
کو ان آتشیں کلمات پر ختم کرتا ہے۔ کہ مسیو کلیمنشو نے فرید پاشا کو رخصت کیوقت
کہا" اگر قوم ترکی خود مختاری۔ خود مختاری کے نغمے گاتی ہے۔ تو اُسے اپنے وجود کا
ثبوت دینا چاہئیے" ادائے فریضہ وطنی میں مدد کرو تاکہ فرید پاشا کی وزارت کے
اعمال پر اعتراض کرنے کی کوئی وجہ ہو اگر ہم نے حرکت نہ کی اور ساکن رہے۔ تو دنیا
کہے گی۔ کہ کیوں اس قوم نے اپنی حکومت پر حق اعتراض کا استعمال وقت مناسب
میں نہ کیا۔ اور ایسا کہنے میں وہ کسی قدر حق پر ہو گی۔ ہمارے نبیؐ کا ارشاد ہے۔
کما تکونوا یولی علیکم یعنی جیسے تم ہو گے۔ ویسے ہی تم پر حاکم بنائے جائیں گے ۔
پایۂ تخت میں ترکی جرائد اس اعلان کی اشاعت کرتے ہیں۔ تو گولہ پھٹنے کا
دھماکا ہوتا ہے۔ دارالخلافہ کے رہنے والوں کو اپنی بے انصافی پر قائم رہتے ہوئے
شرم آتی ہے۔ جب اُن کے بھائی قلب اناطولیہ میں جہاد میں مصروف
ہیں۔ پھر وہ کیا کرتے ہیں ؟
مجلسیں ہوتی ہیں مسجدوں میں دعائیں مانگی جاتی ہیں نوجوان اناطولیہ
کی جانب کھسکنے لگتے ہیں۔ اور وہ نوجوان نحیف اور نپولین خصلت اپنے کمرے
سے نہیں نکلتا جس میں سگرٹوں کا دھوّاں بھرا ہوا ہے سیواس کے مجاہدین

کی خبریں اُس کے پاس فدائیوں کی جماعت کے ذریعے سے پہنچتی ہیں جو سیواس اور دارالخلافہ کے مابین خطوط پہنچاتے ہیں۔ آہ وہ خطر رسان۔ وہ جانتا ہے۔ کہ اُن کا فخر بڑے بڑے مجاہدین کے رتبہ سے بھی ارفع ہے +

چند روز کے بعد مصطفیٰ کمال دوسرا بم پھینکتا ہے۔ جو اعلان کی شکل میں انگلستان۔ فرانس۔ امریکہ۔ اٹلی۔ سرو یہ۔ سویڈن۔ ڈنمارک اور ہسپانیہ کے سفیروں کو بھیجتا ہے جس پر مؤتمر سیواس کی مہر لگی ہوتی ہے۔ اس میں لکھا ہوتا ہے۔ کہ داماد فرید کی حکومت جو اتحادیوں سے انجام قوم پر گفت و شنید کرتی ہے کسی چیز میں قوم کی نمائندہ نہیں۔ اور جب تک وزارتِ وطنی کی تشکیل نہیں ہوتی۔ اہل وطن اس حکومت کے کسی فعل کے ذمہ دار نہیں۔ اور معاہدہ کا اقرار اس وقت تک پورا نہیں ہوگا۔ جب تک اُس پر حکومتِ وطنیہ کے دستخط نہ ہوں۔ جو قوم کی بہتر نمائندگی کر رہی ہے۔ اور اناطولیہ میں تحریکِ وطنیت دول یورپ کے حقوق پر کسی قسم کی ضرب نہیں لگائے گی +

دو بم قلب میں +

"سیاہ چمگادڑ" محسوس کرتا ہے۔ کہ اس کا خاتمہ قریب ہے۔ تاہم نہیں مانتا وہ دیکھئے۔ اپنے آقا وحید الدین کے حضور میں ہے اور اس کے ہاتھ میں مدبّرانہ و خطرناک سازش کا نقشہ ہے +

عارضی فتح!

"سیاہ چمگادڑ" اپنا نقشہ سباہ وحیدالدین کے سامنے پیش کرتا ہے۔ کہ باغی وطن پرستوں کی ایک قلیل جماعت ہے جس سے کچھ خطرہ نہیں۔ وحیدالدین ابھی تک سلطان و خلیفہ ہے! اور اس کا حکم واجب الاطاعت۔ اگر خلیفہ بغاوت تیز ہونے سے پہلے ہی اُسے منانے پر عمل کرے گا۔ تو انگریز بہت خوش ہونگے اگر بغاوت فنا کر دی گئی تو "سیاہ چمگادڑ" قوم کے سامنے اس وقت معاہدہ پیش کریگا۔ جیسے جنگ کی تباہیوں اور ہلاکتوں کے بعد پُرامن زندگی بسر کرنے کے سوا کسی چیز کی اُمید نہیں، اور قوم جلد ماضی کو بھول جائے گی۔ اقوام مشرق کا نسیان کتنا تیز ہے۔

"سیاہ چمگادڑ" نے شاہی فرمان اپنے آقا کے سامنے پیش کیا: تاکہ اس پر اپنے دستخط کرے! اور وہ ملک کے طول و عرض میں اُسے شائع کرائے۔ خلیفہ نے دستخط کر دیئے۔

دوسرے دن فرمان شاہانہ شائع ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ پڑھتے۔ اور ان پڑھ سنتے ہیں۔ خلیفہ اپنے افسوس کا اعلان کرتا ہے۔ کہ عثمانیوں کے مابین مخالفت پیدا ہو گئی ہے۔ ایک گروہ اپنی ناپختگی رائے کے سبب حکومت کی مخالفت اور اتحادیوں کے ساتھ گفت و شنید کرنے والوں کے لئے مشکلات پیدا کر رہا ہے۔

ان وجوہ نے اجرائے انتخاب میں دیر کر دی ہے جس سے مشکلات اور پیچیدہ ہوگئی ہیں۔ اور میں تمام افراد قوم سے متوقع ہوں۔ کہ وہ موقع کی اہمیت کو سمجھیں۔ قوانین واحکام کا احترام کریں۔ حکومت کے مطیع رہیں۔ اور اُن کی اُمیدوں کو ناکام بنائیں۔ جو قومی حلقوں میں فتنہ وقلق کا بیج بونا چاہتے ہیں +

یہ بم "سیاہ چمگادڑ" نے کمال اور مؤتمر سیواس پر پھینکا۔ اگر انعقاد مؤتمر سے قبل پھینکتا۔ اور ملک کے ہر حصہ میں شائع کرتا۔ تو تحریک وطنیت دائمی ناکامی کی موت مر جاتی لیکن اس کی بدقسمتی سے خاص وعام ہر چیز سے واقف ہو چکے تھے۔ اور معاملہ بغیر کسی برائی پیدا کرنے کے گزر گیا جیسا کہ حقائق ظاہرہ کے دیکھ لینے کے بعد ہر فریب کا حال ہوتا ہے +

ارکانِ مؤتمر جمع ہوتے ہیں۔ تاکہ فرمانِ خلیفہ کی تردید کریں۔ اُنھوں نے کہا۔ کہ بیشک اُن کے حقوق شرعی ہیں۔ اور لاریب فرید غدار ہے۔ بلاشبہ یہ اُس کی چالاکی ہے۔ کہ اپنے آقا سے وطن پرستوں کے حقیقی مطالب چھپاتا ہے اور انہیں اُس کے سامنے اس طرح دکھاتا ہے۔ گویا وہ ایک مشہور باغی قوم ہے۔ اور اختتام میں شکست وزارت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور وطنی وزارت کی تشکیل چاہتے ہیں۔ جو مؤتمر صلح میں قوم کی نمائندگی کرے +

جونہی یہ رسالہ شائع ہوتا ہے۔ مؤتمر کو ہر طرف یعنی طرابزون۔ ارض روم۔ وان۔ بتلس۔ دیار بکر۔ خرپوط۔ درسیم۔ سیواس۔ سمسون۔ علاطیہ۔ مرعش۔ عین تاب۔

قیصریہ۔ انگورہ۔ قرہ مان۔ افیون قرہ حصار اور دکزلی وغیرہ سے تائیدی تاروں کا تانتا بندھ جاتا ہے ۔

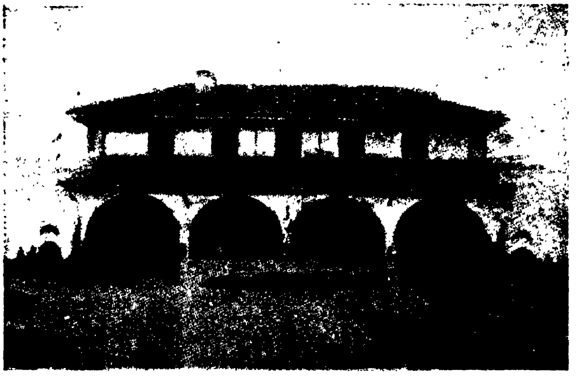
پھر علی فواد کماندار انگورہ اپنی وطنی قوتوں کے ساتھ اسکی شہر جا کر انگریزوں کا محاصرہ کرلیتا۔ اور جنگ کی رغبت ظاہر کرتا ہے۔ انگریز وہاں سے ہٹ کر سمسون میں چلے جاتے ہیں۔ اور اُس سے طلبگار ہوتے ہیں۔ کہ اُنہیں کچھ ایذا نہ دی جائے۔ جب اُن کا ارادہ وطن پرستوں کے خلاف اعلانِ جنگ کا نہیں۔

اس اثنا میں مسیولولون نے جو استنبول میں فرانسیسی سفارت کا مندوب تھا۔ ارکان مؤتمر سے کہا۔ حکومتِ فرانس وطن پرستوں کی تحریک کو غیر جانبداری کی نگاہ سے دیکھے گی ۔

بعد میں امریکہ سے جنرل ہربرٹ پہنچا۔ اور اپنی حکومت کی طرف سے اعمال مؤتمر کی تائید کی۔ اور امریکن سفارت پر موجودہ حکومت کی نااہلی ثابت کی۔ اور بتایا۔ کہ وہ ملک کی صحیح نمائندگی نہیں کر رہی ہے ۔

چند روز کے بعد تمام سفارتیں اپنی اپنی حکومتوں کو تار دیکر جلد داماد فرید کی وزارت کے ٹوٹنے کی خبر دیتی ہیں۔ اس سند پر کہ فرمان خلیفہ نے رائے عامہ پر کچھ اثر نہیں کیا تھا ۔

وطن پرست یہ سب جانتے ہیں۔ اور تمام ملک میں ان باتوں کی اشاعت کرتے ہیں۔ جوش زیادہ ترقی پکڑتا ہے۔ اور نور وطنیت سے "سیاہ چمگادڑ" کی



انگورہ میں کمال اتاترک کا مکان ان کی ذاتی جاگیر میں



انگورہ میں کمال اتاترک کے اسی مکان کا ایک حصہ جو نہار نام جھیل مرمرہ کے ساحل تک پھیلا ہوا ہے

آنکھیں چندھیانے لگتی ہیں +

خلیفہ اپنے انجام کے خوف سے عبدالکریم پاشا کو واسطہ قرار دیکر مصطفیٰ کمال سے بحیثیت صدر مؤتمر سیواس صلح کی کوشش کرتا ہے +

انگورہ میں تنہا

عبدالکریم پاشا استنبول میں آلۂ تلغراف کے سامنے بیٹھا ہے +

اور مصطفیٰ کمال سیواس میں آلۂ تلغراف کے سامنے بیٹھا ہے +

عبدالکریم پاشا چاہتا ہے۔ کہ وطن پرستوں اور سلطنت کے مابین جھگڑا بند ہو کر صلح ہو جانی چاہیئے +

مصطفیٰ کمال پاشا تردید میں کہتا ہے۔ کہ تحریک وطنیّت کسی وقت بھی خلیفہ یا سلطنت کے مقابل نہیں ہوئی۔ اُس کے تنہا ہدف وہ ہیں جنہوں نے وطن کو بیچا۔ اور اُس سے غداری کی۔ جیسے کہ فرید پاشا اور اس کے ساتھی تمام وزیر مجھے افسوس ہوتا ہے۔ کہ خلیفہ آنکھیں بند کر کے اپنے وزیرِ اعظم کی غداری کو دیکھ رہا ہے۔ اور اسے معلوم ہے۔ کہ وزیرِ اعظم تحریک وطنیّت کی خوبیوں کو بگاڑ کر پیش کرتا ہے۔ اور اُسے بالشویکی تحریک بتاتا ہے۔ حالانکہ وہ خود انگریزوں کو اناطولیہ پر قابض ہو جانے کی اجازت دیتا ہے۔ پھر کہتا ہے۔ کیا فرید پاشا ایک

منت کے لئے بھی با اقتدار رہ سکتا تھا۔ اگر اس میں ذرا بھی حمیت و وطن پرستی ہوتی"۔
عبدالکریم پاشا نیکدل آدمی تھا۔ لیکن آزاد خیال تھا۔ جھگڑے نے محض ابتدائی صورت اختیار کی تھی۔ وہ اس کی علت غائی سے آگاہ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ ابھی تک ملتجی تھا۔ کہ نزاع ختم ہو کر صلح ہونی چاہیئے۔ گو یہ مباحثہ برقی آٹھ گھنٹے متواتر قائم رہا +

کمال کے جوابی تار سلطان کے پاس جاتے ہیں۔ اور وہ دیکھتا ہے۔ کہ ہوا طوفانی ہو رہی ہے۔ جو کچھ بھی نہیں چھوڑے گی۔ اس لئے اُس کی خواہش پر فرید پاشا استعفا دے دیتا ہے۔ اور اس کی جگہ علی رضا پاشا مقرر ہوتا ہے +

جونہی استعفا کی خبر سیواس میں پہنچتی ہے۔ کمال ایک عام اعلان کے ذریعے سے قوم کو "سیاہ چمگادڑ" کے خاتمۂ عہد کی خوشخبری سناتا ہے۔ پھر وطن پرستوں کے مطالبات نئے وزیر اعظم کے سامنے پیش کرتا ہے جو منحصر تھے اس پر کہ مؤتمر سیواس دارض روم کی قرارداد کا اعتراف کیا جائے۔ اور اسوقت تک حکومت سے عدم تعاون رہے جبتک مجلس وطنی کا انعقاد نہ ہو لے۔ جو انجام قوم کا فیصلہ دے گی۔ اور اتحادیوں کے ساتھ گفت و شنید کے لئے نمائندہ انتخاب کریگی +

قانون انتخاب نافذ ہوتا ہے۔ انتخابات پُرامن فضا میں جاری ہوتے ہیں۔ وطن پرستوں کا زبردست غلبہ ہوتا ہے۔ اور مؤتمر سیواس کے بہت سے

ارکانِ مجلس جدید ہیں نائب بنتے ہیں۔ مؤتمر سیواس ابھی تک قائم ہے۔ وہ خود منتقل ہو کر انگورہ میں آتا ہے۔ اور اسے اپنی قیامگاہ بنا کر ولایت اناطولیہ کو واسطہ قرار دیتا ہے۔

مصطفیٰ کمال ارض روم کی مجلس جدید کا نمائندہ انگورہ کو جاتا ہے۔ تاکہ نبض کی تلاش کرے۔ نمائندوں کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ نیابت انہیں تفریح کی جانب مائل کر رہی ہے۔ جب وطن زیر تسلط کے نیچے برباد ہو رہا ہے۔ وہ کیوں والیسیٔ وطن کو اتنی اہمیت دے رہے ہیں۔ اور مجلس جدید کا انعقاد درہ دانیال میں پھیلے ہوئے انگریزی بیڑے کے سایہ میں کرنا چاہتے ہیں؟

چند بیمار دلوں کو کیوں یہ خیال آیا۔ کہ مؤتمر سیواس بند کر دی جائے کیونکہ مجلس جدید کے انتخابات جدید کے بعد اس میں کوئی رسمی اعترافی شان باقی نہیں رہتی؟

کیا وطن پرست اوّل منزل ہی میں ایک اتفاقی فتح حاصل ہو جانے سے رک جائیں گے اور مستقبل سے آنکھ بند رکھیں گے۔ جو جنگ اور ہولناک جنگ کی دھمکی دے رہا ہے؟

مصطفیٰ کمال مجلس کی قدیم نشست گاہ میں بیٹھا سوچ رہا ہے جہاں وہ نمائندوں کو دیکھتا ہے۔ اور سنتا ہے۔ کہ اپنے وطن کی خاطر توفیق پاشا کی

حکومت کی تائید کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ سے پوچھتا ہے۔ کہ یہ آزاد دماغ سیاسی تردد و ہزیمت کی طرف رجوع کرینگے ؟

وہ سپاہی ہے۔ اور دیکھتا ہے۔ کہ جانباز سپاہی سیاسی مدبر سے بہتر بحر حوادث کی لہروں میں سفینۂ قوم کی قیادت کرسکتا ہے۔

لیکن سیاسی نمائندے اُس کی رائے پر کاربند نہیں ہوتے۔ بلکہ بعض کے منہ سے تم ایسا کلام سنو گے جس کا وہ اس قوم سے متوقع نہ تھا جو کل تک حکومت سلطان سے آزاد اناطولیہ میں دوسری حکومت کی منادی کر رہی تھی تو کیا حالات بدل گئے۔ اور قبضہ زائل ہو گیا ؟

بالکل نہیں لیکن وہی ضعف ارادہ تھا جو ہنوز مشرق میں نظر آ رہا ہے وائے افسوس! اب وہ استنبول میں واپس جانا چاہتے ہیں۔ جہاں وہ اِس قلیل الحاصل جہاد پر اکتفا کرینگے۔ جو احتجاج و کلام تک محدود ہوتا ہے۔ اور جس میں جنگ کا تصادم کچھ بھی نہیں۔

رؤف بے وہ مرد بزرگ جسے میں نے قاہرہ میں دیکھا ہے۔ اور اُس کے بلند تر اخلاق اور تدبر و ذکا پر متعجب ہوا ہوں۔ اس عظیم الشان تحریک کا قائد بنتا ہے۔ اور نمائندوں کے پیش پیش استنبول کا رخ کرتا ہے۔

جب کمال اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ پارلیمنٹ کی صدارت کا حق اپنے لئے محفوظ رکھے۔ یا اپنے قیام انگورہ کیلئے کچھ کہتا ہے۔ تو اُس کا

مضحکہ اُڑاتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اُس کے نحیف چہرے اور بھیڑیے کی سی چمکیلی آنکھوں کے سامنے سے ڈر کر پریشان ہو جاتے ہیں +

پھر وہ سب استنبول کو جاتے ہیں اور بھیڑیا تنہا انگورہ میں رہ جاتا ہے تاکہ وطنی قوتوں کی تنظیم کرے۔ اور سر پر منڈلانے والی جنگ کیلئے انہیں مستعد بنائے +

اور وہ نمائندے جو استنبول کو گئے ہیں۔ جان لیں گے۔ کہ کیا انقلاب کر دکھاتے ہیں +

مصطفیٰ کمال کا قاتل سعید فی الدّارین ہے!

پارلیمنٹ کے ممبر باسفورس کو عبور کر کے پایۂ تخت میں پہنچتے ہیں پھر مجلس میں فاتحانہ نعرے اور تکبیریں پڑھتے داخل ہوتے ہیں جنہوں نے مجلس اور آزاد قانونِ انتخاب رائج کرا دیا +

مشرق میں ان ہزلیات کا دورہ ہو نا رہا ہے۔ اور اُس کی تکرار کچھ مدت اور رہے گی +

نمائندے گویا زبانِ حال سے خلیفہ سے یہ کہہ رہے ہیں "بزرگی ہے وحید الدّین کیلئے۔ اور اچھوت ہے وہ انگورہ کا باغی گنہگار +

پھر کام شروع کرتے ہیں۔ اور جھگڑتے ہیں۔ اُن کا جھگڑا طول کھینچتا ہے ؛

جب اُنہیں یہ خبر پہنچتی ہے۔ کہ انگریز اناطولیہ کی بعض اطراف کو خالی کر آتے ہیں۔ اور فرانسیسی چند دوسرے ترکی علاقوں کو۔ تو اُن کے مناقشہ کی حدت اور تیز ہو جاتی ہے۔ اور انہیں معلوم ہونے لگتا ہے۔ کہ واقعی وہ کام کر رہے ہیں۔ اس لئے جھگڑتے ہیں۔ اور جب انگریز اُن کے امور داخلیہ میں مداخلت کرتے ہیں۔ تو وہ احتجاج کرنے لگتے ہیں ؛

۱۶ مارچ ۱۹۲۰ء کی صبح کو انگریز اُن پر ایک آخری ضرب لگاتے ہیں۔ سپاہیوں کے گروہ کے گروہ جہازوں سے اترتے ہیں۔ اور دار الخلافہ کو اپنے قبضہ میں لے لیتے ہیں۔ پھر غلطہ کے پُل پر سے چلتے ہوئے وزارت جنگ میں پہنچتے ہیں اور پھر میدان بایزید میں ؛

یہاں تاریخ دم لیتی ہے۔ تا کہ بایزید کے قتل عام اور قرہ قول بایزید میں انگریزی وحشت و درندگی کا ذکر سنائے۔ قرہ قول کے سپاہی سو رہے ہیں اور انگریزی فوجیں محمد نو بنچی کو ہتھیار ڈال دینے کا حکم دیتی ہیں۔ اور جب وہ انکار کرتا ہے۔ تو اُسے وہیں ڈھیر کر دیتی ہیں ؛

پھر قرہ قول میں داخل ہوتی ہیں۔ اور ترکی سپاہیوں کو سوتا پا کر قتل شروع کر دیتی ہیں۔ اُن کی شہادت جہاد آزادی کی پہلی سرخی بنتی ہے ؛

مجاہدین نمائندے احتجاج کرتے ہیں۔ تو اُن کی جمعیت منتشر کردی جاتی ہے۔ اور بعض کو جن میں رؤف بے اور فتحی بے ہوتے ہیں۔ مالٹا کو بھیجدیتی ہے جب بُرج چمکتا ہے۔ تو زمین زیر تسلط ہوتی ہے۔ پانی زیر تسلط ہوتا ہے۔ اور قصر کے وسط میں خلیفہ و سلطان بیٹھا ہوتا ہے جسے کہتے ہیں۔ کہ حامی دین بھی ہے۔ اور خلیفہ المسلمین بھی تعجب ہے کہ یہ شخص احتجاج نہیں کرتا +

نمائندوں کے گروہ اناطولیہ کی طرف بھاگتے ہیں۔ اور وزارت جنگ کے گردہ۔ عصمت اور فوزی اور خدا جانے کون کون بڑے اور چھوٹے افسر اپنے ہم شغل کمال۔ کاظم۔ رافت۔ علی فواد اور عارف سے جا ملتے ہیں +

دارالخلافہ کے لب ساکت ہیں۔ گویا وہ ایک پہاڑی ہے۔ جس پر اُلّو بول رہا ہے +

اس روز بد میں طلبہ ایک مدرسہ میں داخل ہوتے ہیں۔ ایک سبق کی آخری فصل میں اُستاد متفکر و خاموش بیٹھا ہوتا ہے۔ جب اُس کی خاموشی طول پکڑتی ہے۔ تو ایک شاگرد اُٹھکر کہتا ہے "کیا بات ہے آج ہمارے اُستاد بات نہیں کرتے"؟ اُستاد سر اُٹھا کر جواب دیتا ہے "آج نہ کلام ہے۔ نہ درس۔ درس وطن کی بہبود کی خاطر دیا جاتا ہے آج کے دن سے ہمارا کوئی وطن نہیں جس کیلئے درس دوں۔ پھر اُس کی آنکھوں سے خوفناک چمک پیدا ہوتی ہے"

اور کہتا ہے "جب تک ہم اپنے وطن کی شان واپس نہیں لے لیتے۔ اسوقت تک زبانیں کٹ گئیں۔ اور قلم ٹوٹ گئے۔ اور اگر تم نے پوچھا۔ کہ وہ وطن کہاں ہے، تو میں کہونگا۔ ہاں قلب اناطولیہ میں جہاں مصطفیٰ کمال۔ محمد[1] اور فاطمین[1] کیا ہے کوئی تم میں جو اُن کے ساتھ کام کرے۔ اور وطن کی خاطر شہید ہو"؟

تاریخ کہتی ہے۔ ہاں ہیں۔ جو اناطولیہ کی طرف فرار نہ ہو سکے۔ اُنہوں نے دارالخلافہ میں رہ کر کام کیا۔ ورنہ ہم کس طرح ہر روز صبح انگریزوں کو سپیول لاشیں راستوں پہ پامال کرتے دیکھتے؟

انگریزوں نے اپنی کاری ضرب لگائی۔ اب وحیدالدین کی باری ہے۔ وہ دیکھئے قسر سے نکل کر میدانِ عمل میں آیا ہے۔ اور اگر خلیفہ کا ظہور ہؤا تو "سیاہ چمگادڑ" کا ساتھ ہونا لازم ہے۔

"سیاہ چمگادڑ" جان بل سے بھی زیادہ انگریز تھا۔ اُس نے دیکھا۔ کہ نمائندوں کی پراگندگی اور پارلیمنٹ کی شکست وریخت بہتر طور پر پوری ہو گئی۔ اب صرف کمال اور اُس کے ارکانِ جنگ کی گرفتاری باقی ہے۔ پھر اُس کی فتح مکمل ہو جائے گی۔

پھر کمال اور اُس کی تحریک کی پامالی کتنی آسان ہے۔ اگر خلیفہ فرمان

---

[1] محمد ایک ترکی سپاہی کا نام ہے اور فاطمہ ایک ترکی عورت کا۔

کے ذریعے سے اس کا خون حلال بتاتے۔ فرمان لکھا ہوا ہے صرف خلیفہ کے
دستخط باقی ہیں۔ اور خلیفہ نے بلا تردد دستخط کر دئے +

دوسرے دن فرمان تمام ارکان حکومت اور گلیوں میں پھیلا دیا گیا۔ مسجدوں
میں پڑھا گیا۔ اور خلیفہ کی رضامندی سے یونانی طیاروں نے تمام اناطولیہ
میں بانٹا +

اس سے لوگوں کو یہ معلوم ہوا۔ کہ اناطولیہ کی تحریک باغیانہ تحریک ہے
اور اُس کے زعماء غدار ہیں اس لئے خلیفہ ہر مسلم وطنی کو اپنا اور دین حنیف
کا ناصر بننے کی دعوت دیتا ہے۔ جہاد وہی ہے جو خلیفہ کے زیر علم ہو۔ اور ان کا فر
اعدائے وطن کو مٹایا جائے۔ مصطفیٰ کمال باغی کا خون مباح ہے۔ اور اس کا
قتل دین و دنیا کی سعادت +

حکم کا اجراء

خلیفہ اور "سیاہ چمگادڑ" کی پورے محاذ پر فتح ہے +

تحریک وطنیت آندھی سے خزاں کے پتوں کی طرح گر رہی ہے +

وطن پرستوں کی چھاؤنیاں خلیفہ کے ہاتھ پر یکے بعد دیگرے ٹوٹ رہی
ہیں۔ موغلہ کے کناروں سے اناطولیہ تک خلیفہ کا لشکر جو سلیمان شوکت پاشا نے

اپنے آقا کے حکم سے جمع کیا تھا۔ اناطولیہ میں فاتحانہ داخل ہوتا ہے۔ گویا اناطولیہ زمین دشمن سے ایک قطعہ ہے۔ جو فرزند آلِ عثمان اور محمد فاتح کے جانشین نے فتح کیا ہے۔

علماء نے مذہب جہاد دینی کی نفیری پھونک کر لوگوں کو بلا رہے ہیں۔ اگر انہوں نے انصارِ کمال میں سے کسی کو دیکھ لیا۔ تو وہ بری موت مارا گیا۔

قریہ پر قریہ اور ولایت پر ولایت خلیفہ کی مطیع ہوتی جارہی ہے۔ سمرنا۔ بروسہ۔ قونیہ۔ آطہ بازار اور سمسون فتح ہوگئے۔ وہ خلیفہ کا لشکر اب انگورہ میں پہنچنے کو ہے۔

پھر فرانسیسی سرحدِ شام کی طرف سے بڑھتے ہیں! انگریز اور اطالوی پیش قدمی کرتے ہیں۔ یونانی سمرنا سے اندر کو آتے ہیں۔ ارمن اپنے خواب کی تعبیر صحیح کرنا چاہتے ہیں۔ کرد انگریزوں کے اُکسانے پر علم بغاوت بلند کرتے ہیں انصارِ خلیفہ میں سے ہر ترک مصطفیٰ کمال کے خون کا پیاسا ہے۔ اور اُس کے قتل کے لئے جو انعام مقرر ہے۔ حاصل کرنا چاہتا ہے۔

اگر وطنی قوتوں کی تلاش کروگے۔ تو تمہیں صرف کاظم قرہ بکیر کا لشکر ولایات شرقیہ میں ملے گا۔ اور باقی فوجیں یا تو جیش خلیفہ سے جاملی تھیں۔ یا ایسے گروہ تھے۔ جو غیر اہم تھے۔ یا پھر وہ جیتے تھے۔ جن سے نفع کے بجائے نقصان زیادہ تھا۔

مصطفیٰ کمال نے ہر چیز کھو دی سوا اُمید کے +

وہ مدرسۂ زراعت کے ہال کمرے میں بیٹھا ہے۔ اور اُس کے ساتھ اُس کا دوست عارف ہے۔ اور چند مخلص و امین پہرہ دار۔ سامنے نقشہ ہے۔ جس پر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد نگاہ ڈال لیتا ہے۔ وہ سپاہی آیا۔ اُس نے اپنا ہاتھ فوجی سلام کے لئے بلند کیا۔ اور تار اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اُس میں وہ کسی تازہ رنجدہ واقعہ کی خبر پڑھتا ہے۔ اور ضروری انتظامات کا حکم دیتا ہے پھر دوسرا سپاہی آتا ہے۔ اور کسی دوسرے حادثہ کی اطلاع دیتا ہے۔ اُس کے لئے نیا حکم دیتا ہے۔ اسی طرح رات کے آخری وقت تک۔ ہر روز +

کیا اس کے پہرہ دار اور سپاہی اُس سے غداری کرینگے؟ اور کیوں نہ کریں جب اُس کے قتل میں خلیفہ کی رضا ہے۔ اور چند ہزار پونڈ؟

اگر اس کے پہرہ دار امین بھی رہے تو کیا وہ خطرۂ قتل سے بچ جائے گا۔ جب اناطولیہ اس خونِ مباح کے پیاسے سنگدلوں سے گھرا ہوا ہے +

اگر ان خونیوں سے بچ نکلا تو کیا اُس بغاوت سے بھی نجات پا جائے گا۔ جس کے شعلے بھڑکنے ہی والے ہیں۔ اور انگورہ کے گرد موت ایک مکان سے دوسرے مکان پر منڈلا رہی ہے +

تنہائی المناک۔ یاس قاتل۔ اور قدرت سے کشتی لڑنا بشری طاقت سے بالا ہے +

بھیڑیا اپنی تنہائی میں آہن و برف کی طرح جما ہُوا ہے ۔ اور کبھی پکار اُٹھتا ہے ۔ ہو ہو ہو سو ہو .... ترکی مر نہیں سکتا "

چند روز کے بعد دروازہ کھُلتا ہے ۔ اور دو آدمی اندر آتے ہیں ۔ عصمت کوتاہ قد اور فوزی طویل و قوی تینوں آپس میں بغلگیر ہوتے ہیں ۔ کچھ بات نہیں کرتے ۔ بلکہ ہر ایک الگ الگ اپنے کمرے میں جا کر کام شروع کر دیتا ہے ۔

پھر دوسرے آدمیوں کا وفد آتا ہے ۔

خالدہ ادیب ترکی عورتوں کا فخر ۔ اس کا خاوند ڈاکٹر عدنان اور وہ نمائندے جو مالٹا کے سفر سے بچکر بھاگ نکلے تھے ۔ اپنے سابق صدر کے پاس آتے ۔ وہ اپنے فعل پر متاسف تھے ۔ اور خلافت پر پر مغضب اور وہ مرد بزرگ سر طویل الجسم اور چھوٹی ڈاڑھی والا جسے میں نے پہچانا ۔ اور اس کا شاگرد بنا ۔ پایہ تخت سے فرار ہو کر کمال کے پاس آتا ہے ۔ تا کہ اپنے آتشیں اشعار سے بغاوت کی آگ بھڑکائے اور تحریک وطنیت کیلئے ترانہ تیار کرے ۔ یہ شخص ترکی کا سب سے بڑا شاعر استاذی العزیز محمد عاکف تھا ۔

اس کے باوجود یاس قاتل کا ہنوز انگورہ میں ڈیرہ تھا ۔ اور سفاک ابھی تک خونِ مباح کے پیاسے تھے ۔

اللہ تیرے لئے ہے فاطمہ

واللہ! اس ترکی قوم کا بھی عجیب حال ہے تقریر سے پرجوش ہوتی ہے۔ پھر فرمان اُسے بدل کر دیتا ہے۔ کمال اُسے بغاوت پر کھڑا کرتا ہے۔ اور خلیفہ اُسے بٹھا دیتا ہے۔ اور اُس کے پیچھے "سیاہ چمگادڑ"۔

اس انقلاب میں راز یہ ہے۔ کہ قوم اپنی دائمی پریشانی اور بے حسی کے باعث جنگ کی بدبختیوں سے گزر چکی تھی۔ اور اس بے کسی و بے خیالی میں جو ہزیمت و فنا کی طرف لے جاتی ہے۔ محکوم رہ چکی تھی۔

ترک کل تک بیک تھے۔ جو خلیفہ کی تائید کرتے تھے۔ اور کمال کے قتل کی کوشش میں تھے۔ لیکن آج حالت بدل چکی تھی۔ اور رائے عامہ منقلب ہو کر انگورہ کے باغی مرد آہنیں کی طرف جھک چکی تھی۔ لوگوں نے پایۂ تخت کے تسلط قرہ قول بایزید میں فوجوں کی خونریزی۔ نمائندوں کی جلاوطنی۔ اور پارلیمنٹ کی شکست و ریخت کی خبریں سُن لی تھیں۔ اُنہیں یقین ہو گیا تھا۔ کہ خلیفہ اور "سیاہ چمگادڑ" انگریزوں کے اشارے پر کام کرتے ہیں۔ اور کمال کا خون مباح کر کے اس کی تحریک کو مٹانا چاہتے ہیں جنہیں وطن کی بہبود کے سوا اور کوئی مصلحت نہیں۔ حتیٰ کہ جو خلیفہ پر حسن ظن رکھتے تھے۔ وہ بھی اُس سے کسی فعل خیر کے معتقد نہ رہے تھے۔ جب وہ زیر تسلط دار الخلافہ میں اپنے قصر کے اندر محبوس تھا۔ رائے عامہ جمہ تائب ہو چکی تھی۔ اُس کی اُمیدیں انگورہ کے مدرسۂ زراعت میں

کمال کے پرانے دفتر سے وابستہ تھیں۔ اور اُس کی قیادت پر یقین اور خلیفہ سے انتقام پر قائم ہو چکی تھی۔ اس کے بعد بھی امید نہیں۔ کہ شک و یقین کے مابین متزلزل رہے گی +

خلیفہ کے لشکر کی روحِ معنوی کم ہو چکی تھی۔ ہر روز اپنے سپاہیوں کے فرار اور وطن پرور فوجوں میں جا ملنے کا تماشا دیکھتا تھا۔ اور ابھی چند ہفتے ہی گزرے تھے۔ کہ مضمحل و زائل ہو چکا تھا جس طرح ہر باطل حق کے مقابلے میں زائل ہو جاتا ہے +

وہ سپاہی جو وطن پرور فوجوں سے الگ ہو گئے تھے دوبارہ اپنی پلٹنوں میں لوٹ آتے ہیں۔ اور مصطفیٰ کمال کے قدموں پر جھک کر اپنے اشکِ ندامت سے اُنہیں تر کرتے ہیں +

نوجوان بڈھے عورتیں جن میں پردے کی سختی سے پابندی کرنے والی بیویاں تھیں۔ ایک سیلاب تھا جو انگورہ کی جانب امڈا چلا آرہا تھا +

وہ حسین دیہاتی عورت فاطمہ جو انگورہ میں سامان ڈھو کر لاتی۔ اور فوج کی خدمت کرتی۔ اپنے دست و بازو کو بندوق پستول۔ ہزاروں گولیاں اور گولے اٹھانے کے لئے پیش کرتی ہے۔ جو نہ معلوم کہاں سے خفیہ درآمد ہوتے ہیں۔ اگر کہیں رات کی تاریکی پھیل جاتی۔ اور وہ راستے میں ہوتی۔ تو وہیں سو جاتی۔ اور جس جگہ اتفاق ہوتا کڑاکے کی سردی میں اور موسلا دھار بارش

میں اُنہیں اُٹھائے ہوئے اسلحہ وذخیرہ کو اپنا اوڑھنا بنالیتی ۔

اُس نے صرف ہتھیار اور سامان ہی نہیں۔ بلکہ اپنا اکلوتا بیٹا بھی وطن پر قربان کرنے کیلئے پیش کیا۔ فاطمہ اللہ تیرا ہے۔ اے شہید کی بیٹی، شہید کی بیوی۔ اور شہید کی ماں ۔

مصطفیٰ کمال یہ سب کچھ دیکھتا ہے اور اسی طرح فولاد کی مانند جما ہوا ہے۔ جیسے کہ تھا۔ اُسے اب بہتر معلوم ہوا۔ کہ آنے والی ہولناک کشتی کے لئے تیغ و تفنگ سے اپنی فوج کی تربیت کرے۔ ان کے پاس ذخیرہ کم تھا، راحت حرام۔ اور غذا کم۔ آپ اُسے یہاں وہاں ہر جگہ فولادی تاروں سے بنے ہوئے مجسمے کی طرح متحرک دیکھینگے ۔

اُس نے قوم کے تمام نمائندوں کو انگورہ میں مدعو کیا، جب وہ جمع ہو گئے۔ تو ایک مجلس کی تشکیل کی جس کا نام اُنھوں نے "مجلس وطنی کبیر" رکھا اور وہ اس دفعہ بھی کمال کو اپنا صدر منتخب کرتے ہیں۔ کیونکہ ایمان و عقیدہ میں وہ سب سے افضل تھا۔ اور اب وہ انہیں اپنے نحیف چہرے اور بھیڑیے کی سی چمکیلی آنکھوں سے نہیں ڈراتا ۔

سیورے کی تباہی کے بعد

معاہدۂ سیورے پر دستخط ہو گئے۔ سلطان کی طرف سے معاہدہ کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ اور اُس کی نشر و اشاعت کی جاتی ہے۔ ترک اُسے پڑھتے ہیں۔ اور اُن کے دلوں میں نئے سرے سے بغاوت جوش مارنے لگتی ہے ۔

اسی لئے سلطان نے اُنہیں صابر رہنے کا حکم دیا اور اجنبی تسلط کے مقابلہ سے منع کیا تھا ؟

کیا اسی لئے علماء نے مصطفیٰ کمال پر کفر کا فتویٰ صادر کیا۔ اور خلیفہ نے اس کا خون حلال کیا ؟

اتحادیوں پر ترکی کی عادلانہ تقسیم ہوتی ہے۔ وہ وطن پرستوں کے لئے سوا ایک تنگ سی جگہ کے کچھ نہیں چھوڑتے۔ اور انہیں اپنے ملکی معاملات پر کسی دعوے کے حقدار نہیں ٹھہراتے ۔

پیس ڈالنے والی تباہی اور معاہدہ بغیر خون بہائے آیا۔ ازراہ قابل تمسخر معاہدہ جو ایک ایسا چھوٹا سپاہی لے کر آیا جس کے ایک ہاتھ میں تو معاہدہ تھا۔ اور دوسرے میں توپ ۔

انگورہ کا بھیڑیا خلیفہ "سیاہ چمگادڑ" اور اُن متکبروں پر گرم ہوتا ہے جو جنگِ عظیم میں فتح حاصل کرنے کی وجہ سے حکومتوں اور قوموں کی قسمت کا

فیصلہ اپنے مصالح کی بنا پر کرتے ہیں۔

وہ اتنا بھی صبر نہیں کرتا۔ کہ اتحادی اناطولیہ کی طرف بڑھنا شروع کریں۔ بلکہ اپنی فوجوں کو شمال و جنوب مشرق و مغرب سے پیش قدمی کرنے اور اپنے ہاتھ سے نکلی ہوئی بالشت بالشت زمین پر قبضہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ اس عرصہ میں اپنی آتشیں تقریر سے مجلس وطنی کبیر کے نمائندوں میں آگ بھڑکاتا ہے پھر قوم کی طرف لوٹتا ہے۔ تو اُسے سخن شنو کان ملتے ہیں۔ اور جہاد کیلئے مستعد مجاہدین۔

"اتحادی نکل گئے یا اناطولیہ سے نکلنے والے ہیں صرف سمرنا میں یونانی باقی ہیں۔ اور استنبول میں انگریز۔ ایک زبردست حملہ یونان کو سمندر کی طرف دھکیل دے گا۔ اور انگریزوں کو جہاں سے وہ ......"۔

وہ کہتا ہے کہ استنبول کا تسلط بالکل کمزور ہے۔ اور مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ پھر فرانسیسی۔ اطالوی اور امریکی احرار ہمارے نپولین خصلت دوست کے الفا سے کہتے ہیں۔ کہ اتحادی خراب و خستہ حالت میں ہیں۔ وہ دوبارہ جنگ کی طرف نہیں لوٹ سکتے۔ اور یورپی قومیں اپنی حکومتوں کو کسی طرح بھی جنگ میں کودنے کی اجازت نہیں دے سکتیں۔ گو اس کا باعث کچھ ہو۔ نیز اتحادی قومیں وطنی تحریک کی قوت اور ابطال درہ دانیال کو جہاد پر آمادہ دیکھ کر پریشان و خوفزدہ ہیں بعد انگریز جب کمال کو تصور میں لاتے ہیں۔ تو انہیں گیلی پولی کی خاک کے نیچے اپنے ہزاروں مدفون مقتولین کا تصور ساتھ ہی آجاتا ہے۔

سمرنہ دو بارہ جی اُٹھتا ہے ٭

خلیفہ کے لشکر سے کچھ باقی نہیں ٭

اتحادی اطراف اناطولیہ کو سرعت سے خالی کر گئے ٭

کاظم قرہ بکیر نے منطقۂ آرمینیا کو صاف کر کے ارمنی سایہ کو مٹا دیا ہمیشہ کیلئے ٭

گولہ بارود کے بیشمار صندوق جو اس مرد نے دشمن سے غنیمت میں حاصل کئے تھے۔ انہیں انگورہ بھیج دیتا ہے ٭

علی فؤاد یونانیوں اور ارمنوں سے سمرنہ کے اردگرد کا علاقہ صاف کر رہا ہے ٭

اور ہم چرکسی مسلح جتھوں کا سابق سپہ سالار علی فؤاد کے ساتھ فرائض جنگ نہایت خوبی سے انجام دیتا ہے ٭

جعفر طیار۔ یہ زبردست سپاہی کمال کا مخلص دوست اور یورپی ترکی کے منطقۂ ایڈریانوپل میں اس کا علم بردار استنبول کی جانب بڑھنا شروع کرتا ہے ٭

انگورہ میں مصطفیٰ کمال قلب جبار کی طرح سپاہیوں میں شجاعت کی روح پھونک کر یہاں وہاں دھکیل رہا ہے ٭

اس کے فولادی ارادے۔ قوی روح اور آتشیں نگاہوں میں ہر دیکھنے اور سننے والے کیلئے ایک مثال ہے ٭

وقت کا ہیرو ونزیلاس

مرد نحیف وزرد جسمیں بھیڑیے کی بیوفائی اور لومڑی کا فریب ہے۔ کریٹ میں پیدا ہوا حرب وضرب کی آغوش میں پلا۔ بڑھا۔ اور خون چاٹ کر جوان ہوا۔ اُسے بین الاقوامی سیاست میں ید طولےٰ حاصل ہے۔ حسن بن صباح کے فدائیوں سے بڑھکر ہولناک فدائی۔ لاکھوں لاشیں کچلیں اور مقصود حیات تک پہنچنے کے لئے خون کے کئی سمندر عبور کئے۔ یونانی عظمت کی واپسی اور مسجد ایا صوفیا پر صلیب علم بلند کرنا۔

اس وقت وہ بطل وقت ہے۔ اور متکبرین عالم کے ساتھ بیٹھا ہوا قسمت اقوام کے فیصلے کر رہا ہے جب اُس نے ان متکبرین کو ترکی بغاوت اور انہیں استنبول سے نکالنے کے عزم سے بے چین دیکھا۔ تو ترکوں کو فنا کرنے کی خاطر اپنے ابنائے وطن کی فوجیں بطور رضاکار پیش کیں۔

روباہ کریٹ کے پیشکش پر متکبرین عالم خوش آمدید کہتے ہیں کیونکہ اقوام یورپ ضعف وخستگی کی حالت میں تھیں۔ اور ترکوں سے لڑنا نہ چاہتی تھیں۔ اور یونانی بغیر کسی کے مجبور کرنے کے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں غ،

روباہ کریٹ منقلب ہوکر بھیڑیا بن جاتی ہے۔ اور متکبرین عالم سے اسلحہ و ذخائر کی امداد طلب کرتی ہے۔

وہ اُسے بقیۂ حرب میں سے توپیں۔ گولے، مشین گنیں۔ بندوقیں۔ گولیاں ہوائی جہاز۔ گھوڑے اور گاڑیاں بطور امداد دیتے ہیں ✦

گرگ کریٹ اپنے افسر اور سپاہی سمرنا کو بھیجتا ہے۔ جو اناطولیہ پر چڑھائی کی تمہید ہے ✦

طرفۃ العین میں مصطفٰی کمال موقع کے یکسر انقلاب کو دیکھ لیتا ہے اور اُسے تھکی ہوئی اور جنگ سے بیزار اتحادی فوجوں کے بجائے لاتعداد اور پُرجوش سپاہی مقابلہ کیلئے مستعد ملتے ہیں ✦

۲۲ جون ۱۹۲۰ء کو یونانیوں نے بڑھنا شروع کیا ✦

یورپی ترکی میں جعفر طیار اپنی فوج کے ساتھ شکست کھا کر گرفتار ہو گیا اور ترکوں کے ہاتھ میں جو دیہات اور شہر باقی تھے۔ اُن پر یونانیوں نے قبضہ کر لیا ✦

ازمیت میں یونانی سپاہ نے ترکوں پر کاری ضرب لگائی ✦

سمرنا سے دو زبردست یونانی لشکر بڑھے۔ ادہم چرکسی کے جتھوں اور ملی فوج کی فوجوں کا صفایا کر دیا۔ اور نصرت کا علم بلند کئے اناطولیہ کے گاؤں اور شہروں کی طرف پیش قدمی کی ✦

یونانی زمانۂ امن میں تو خدمتگار اور بنیے ہیں۔ لیکن جنگ کے وقت خونخوار سپاہی۔ اناطولیہ پر چڑھائی کے وقت وہ وحشی درندے بن گئے۔ گرگ کریٹ نے

اُنکے دلوں میں سوتے ہوئے انتقام قدیم کو جگا دیا تھا۔ اور اُنہوں نے اس طرح خون بہانا شروع کیا۔ کہ کوئی ترک یا فرانسیسی نہیں بہا سکتا۔

پھر اُنہیں جنگ عظیم کی ہولناکیوں سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ اسلحہ وذخیرہ ہاتھ میں تھا۔ دولت پانی کی طرح بہ رہی تھی۔ پشت پر اتحادی تھے۔ جو اُنہیں جھیل رہے۔ اور اُن کی تائید کر رہے تھے۔ اور سامنے وہ وطنی جھنڈے اور فوج کے ٹکڑے تھے جو بھوک کے مارے ہوئے۔ فقیر اور اسلحہ وذخائر سے تہی دست تھے۔

یونانی یلغار کے سامنے وطنیوں کا فرار کیسا افسوسناک تھا۔ اور خلیفہ اور سیاہ چمگادڑ کس قدر مسرور تھے۔ یونانی اسکی شہر میں پہنچنے ہی والے تھے۔ اور اُن کے سپہ سالار بڑھکر مشرقی اناطولیہ تک پہنچنے پر مُصر تھے۔ لیکن اتحادیوں کے ارادۂ بلند نے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا۔ تاکہ جو جگہ اُنہوں نے فتح کر لی ہے۔ اس میں اُن کے قدم مضبوط ہو جائیں۔

انگورہ میں بحث وتکرار ایک فوری شکست کا سبب ہونے والی تھی مجلس وطنی کبیر کے ارکان جنہوں نے کل تک مصطفیٰ کمال سے یہ سنا تھا۔ کہ فتح بالکل قریب ہے۔ اور استنبول میں پہنچنا نزدیک۔ ہزیمت و فرار کی خبریں سنکر دہشت زدہ ہو جاتے ہیں۔ اُنہیں یقین نہ آتا تھا۔ کہ اس قدر جلد حالت میں تغیر آجائے گا۔ کیا مصطفیٰ کمال اُن کی عقلوں سے کھیل رہا تھا جب اُس نے یہ کہا کہ استنبول چشم زدن میں واپس لے لیا جائے گا؟ یا وہ اپنی حماقت وجوش اور حکام کی

بزدلی کے سبب سے تحریک وطنیت کی شکست کا باعث ہوگا ۔

مصطفیٰ کمال بعض ارکان کی نگاہوں میں عدوئے قوم نظر آنے لگا تھا

عصمت و فوزی جنگوں کی نگہداشت کے ناقابل تھے ۔اور علی فواد جریونانی فوجوں

کے سامنے سے ہٹ آیا ۔ وہ غدار ہے ۔اس لئے اُس کا قتل ضروری تھا اور ہم

چرکسی مسلح جتھوں کا سابق سپہ سالار نجات دہندہ ہے ۔اور وہی جنگ کی

نگہداشت کے قابل ۔

بلکہ بعض ارکان ایسے بھی تھے ۔جو یہ چاہتے تھے ۔کہ منظم فوجوں کو توڑ

کر اُن کے گروہ بناتے جائیں ۔اور اُن کی قیادت ادہم چرکسی کے سپرد کی جائے "

ادہم چرکسی جب انگورہ میں آتا ہے ۔تو اُس کا استقبال ایک فاتح غازی

کی طرح کیا جاتا ہے ۔اور جب وہ مجلس وطنی کبیر میں داخل ہوا ۔ تو ارکان اُس کی

تعظیم کے لئے کھڑے ہو کر نعرے لگانے اور تالیاں بجانے لگے ۔لیکن جب مصطفیٰ

کمال داخل ہوا ۔تو اُس کا استقبال غفلت و بے پروائی سے ہوا ۔ اور اسے ایسی

نظروں سے گھورنے لگے ۔گویا اُس میں فریب پنہاں تھا ۔اور اُس کی آنکھوں

میں بغاوت کی چمک ۔

مصطفیٰ کمال اُسی طرح بُت آہن تھا ۔

وہ منبر خطابت کیطرف ثابت قدمی سے بڑھا ۔اور ارکان کے سامنے خاموش

کھڑا ہو گیا ۔تاکہ اُن کی تالیوں کا عداوتی شور بند ہو جائے ۔پھر بالکل آہستہ آواز

میں بولنا شروع کیا۔ جو بعد میں ذرا اونچی ہو گئی۔ اور چند منٹ کے بعد گونجنے لگی۔

اُس نے ارکان سے کہا "آپ موقع کو اچھی طرح نہیں پہچانتے۔ تحریک وطنیت سے آپ کو کس طرح اُمید ہو سکتی ہے۔ کہ اپنی حالت طفولیت ہی میں یونانی پیشقدمی کو روک لے؟ یونانی لشکر زبردست لشکر ہے۔ اور مال و اسلحہ سے لدا ہوا۔ اپنی کمزوری کے لئے آپ خلیفہ اور "سیاہ چمگادڑ" کو ملامت کر سکتے ہیں جنہوں نے وطنی فوجوں کو منتشر کیا۔ پھر معاہدۂ سیورے پر دستخط کئے۔ انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اہل ملک کو خانہ جنگی پر اُبھارا۔ اور ہر ترک اپنے بھائی کو اس طرح کاٹنے لگا۔ گویا اپنے ملک میں داخل ہونے والے دشمن کو قتل کر رہا ہے۔ جس ملک کی یہ حالت ہو۔ اور جس فوج کی یہ کیفیت ہو۔ وہ کسطرح یونانیوں کے مقابلے میں ٹھہر سکتی ہے۔ یا انہیں اوّل معرکہ میں شکست دے سکتی ہے"؟

پھر اپنے کلام کا رُخ امر واقع کیطرف پھیر کر کہنے لگا کہ "اپنی شان قدیم کو یاد کرو۔ اپنے آباؤ اجداد کے فخر کو دھیان میں رکھو۔ اور یہ نہ بھول جاؤ۔ کہ آپ کبھی یونان پر حاکم و غالب تھے۔ کس طرح اپنے کل کے غلاموں سے ذلت و اسیری قبول کرو گے؟ حاشا اللہ۔ آپ اس کے غلام بنیں۔ جب خدا نے آپ کو آزاد پیدا کیا ہے؟ اپنی قومیت کو جوش میں لائیے۔ اپنی بکھری ہوئی قوت کو جمع کیجئے اور یاد رکھئے۔ کہ آخرالامر علم فتح آپ کے ہاتھ میں ہو گا۔ باذن اللہ"۔

پھر لوہے اور برف کی طرح جما ہوا بُت منبر سے اُتر کر چل دیتا ہے۔ چند منٹ تک گہری خاموشی چھائی رہتی ہے۔ پھر ارکان نعرے لگاتے ہیں۔ اور عدوئے دیروزہ اور بطلِ امروزہ کے لئے تالیاں بجنے لگتی ہیں۔

غدّار ادہم کیلئے بربادی

مصطفیٰ کمال مرد حرب نظامی مجلس وطنی کبیر کے کرے سلوکان کی تائید سے ظفر مند نکلا۔ اور اُس نے منتشر جتھوں کے سردار ادہم چرکسی کے مٹانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ وہ اپنی دائمی عادت کے مطابق اپنے ساتھ یا تحریک وطن کے ساتھ بُرائی کرنے والے کو کبھی نہیں بخشتا۔ اور ادہم چرکسی اس کے اور تحریک وطن کے یعنی دونوں کے ساتھ بُرائی سے پیش آیا۔ اپنے غرور اور اپنے گروہوں کی حرکات جنونی کی وجہ سے وہ یونانی پیشقدمی کرنے والے لشکر کے مقابلے میں وطنی فوجوں کی شکست کا باعث ہؤا۔ وہ ترکی نظام عسکری کو مٹانے ہی والا تھا۔ اُس نے چند افسروں اور سپاہیوں کو فوجی لباس اُتار کر منتشر جتھوں کا لباس پہننے کے لئے اُکسایا۔

کمال فوجی نظام کا پابند تھا۔ اُسے نقشۂ جنگ اور نمبروں سے معلوم ہو رہا تھا۔ کہ پراگندہ جتھوں کی لڑائی میں شکست یقینی ہے۔ اس لئے اُس نے

محاذِ غربی پر عصمت کو سپہ سالار مقرر کیا۔ اور ادہم کو ہدایت کی۔ کہ وہ عصمت کے حکم کی حرف بحرف تعمیل کرے ؛

لیکن ادہم نے عصمت کے تابع ہو کر رہنے اور اُس کے لشکر کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ اپنے منتشر گروہوں کو جمع کر کے یکجا کیا۔ اور اُس کا نام سبز فوج رکھا۔ پھر ولایاتِ غربیہ میں علحدہ ہو کر یونانیوں سے لڑنے کی کوشش کی۔ اس نے دیہاتیوں سے بہت زیادہ محصول لینا شروع کیا۔ اور کمال اور اُس کی حکومت پر غصہ ظاہر کرنے لگا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ کمال کو دھمکی دی کہ اگر وہ اُس سے سوءِ نیّت سے پیش آیا۔ تو اُسے پھانسی پر لٹکا دے گا ؛

کمال نے اُسے اس گمراہی سے روکنا چاہا لیکن وہ نہ رکا۔ ایک دفعہ کمال نے اسے انگورہ میں بلا کر کہا کہ وہ گروہ بازی کو ترک کر دے۔ تو اُسے پستول سے دھمکی دی۔ اور جب اُسے محاذِ جنگ میں عصمت سے جا ملنے کو کہا۔ تو اپنے حریف سے جھگڑا پیدا کرنے لگا۔ پھر گاڑی کے ڈبے سے کود کر کمال کے ہاتھ سے مارے جانے کے خوف سے بھاگ کر اپنے گروہ کے ساتھ جا ملا ؛

ولایت کوتاہیہ میں اُس نے کمال اور تحریکِ وطنیّت کے عصائے اطاعت کو توڑ دیا۔ اور اپنی سفاکانہ اصلیت کی طرف لوٹ کر ملک میں فتنہ و فساد پھیلانے لگا۔ پھر منقلب ہو کر غدّار بن گیا۔ اور حکومتِ استنبول سے گفتگو کر کے اپنی خدمات پیش کیں۔ ترکوں کے سینے سے روحِ معنوی نکالنے پر عمل کرنے لگا۔ اور اعلان کے

ذریعے سے جنگ کو بند کرنے۔ امر واقع کے آگے جُھک جائے! اتحادیوں سے گفت وشنید۔ اور ہر چیز ان کی رضا پر چھوڑ دینے کی تلقین کرنے لگا۔

یہ سب کمال سے نفرت اور تحریک کو مٹانے کی خاطر تھا۔ اور وہ اس تحریک وطنیت کی ابتدائی حالت میں ضعف اور اس کھلی غداری سے فائدہ اُٹھا کر دو باتوں کا خواہشمند تھا۔ یا فیادتِ عامہ یا تحریک وطنیت کی یکسر پامالی۔

پایانِ کار کمال نے اُس پر ایک آخری ضرب لگائی۔ اور مافت کو کوتاہیہ میں ایک جرار لشکر کے ساتھ بھیجا جس میں ادہم کو شکست ہوئی اور اُس کے گروہ منتشر ہو گئے۔ ادہم بھاگ کر وہاں پہنچا۔ جہاں یونانی لشکر قائم تھا۔ اس کے بعد اُس کا نام زعیم وطنی کی فہرست سے ابد تک کے لئے کٹ گیا۔

مصطفیٰ کمال مردِ نظام عسکری اور نقشوں اور نمبروں کے پابند نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور اُسے اپنے خطرناک دشمن سے نجات مل گئی۔ جو مجاہد ترکی کو دو جنگجو حصّوں میں تقسیم کر دینا چاہتا تھا۔

عصمت "اینونو میں"

گزشتہ سال ایک روز میں عالی ظرف خاتون بایان شریفہ صالح گوزجان کے مکان میں بیٹھا رؤف بے سے گفتگو کر رہا تھا۔ ہماری گفتگو کا موضوع عصمت تھا۔ رؤف بے نے کہا:۔

وہ بڑا آدمی ہے۔ جتنی کہ سپہ سالار بھی اس تک پہنچنا چاہتے تھے۔ جب وہ معمولی افسر تھا اس سے میری شناسائی یمن میں ہوئی تھی۔ میں نے اُس وقت بھانپ لیا تھا کہ آگے چل کر یہ شخص بہت بڑا آدمی بن جائے گا۔ جب انور وزیر جنگ بنا تو اس نے اُسے جنگی حرکات کے شعبہ کا مدیر مقرر کیا۔ یہ عہدہ بڑا اہم و ذمہ دارانہ تھا۔ میں اپنے اس سفر کو کبھی نہیں بھولوں گا جو یانیا کے ارکان جنگ کے ساتھ ہوا۔ ہمارے ساتھ وہیب پاشا تھا۔ اُس نے عصمت کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے کہا "اس آدمی کا کوئی ثانی نہیں"۔

رؤف بے تھوڑی دیر چپ رہا۔ پھر کہنے لگا:۔

"میں یہ گمان نہیں کر سکتا جیسے اکثر آدمیوں کا خیال ہے۔ کہ مصطفیٰ کمال نے عصمت کو بنایا۔ بلکہ عصمت نے اپنے آپ کو خود بنایا۔ اور ترکی کی ان دو زبردست ہستیوں کے متعلق میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں۔ کہ ایک نے دوسرے کو مکمل کیا"۔

یہ مردِ عظیم جس نے بقول رؤف بے مصطفٰی کمال کو مکمل کیا۔ اب اینونو میں ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ میں اپنی فتح سے ترکی تاریخ میں ایک شاندار باب کا افتتاح کرنے والا ہوں۔ یونانیوں کے خیال میں ادہم کا ان سے مل جانا۔ وطن پرور ترکی فوجوں میں پھوٹ پڑ جانے کے مترادف تھا۔ انہوں نے فیوان قرہ حصار پر پیشقدمی کر کے اناطولیہ کی مرکزی ریلوے لائن کا ایک حصہ قبضے میں کر لیا۔ لیکن دفعتہً عصمت کے وسیع حملے نے اُنہیں اپنی مقبوضہ جگہ خالی کرنے اور اسکی شہر میں لوٹ آنے پر مجبور کیا۔

عصمت کا یہ حملہ بیحد موافق تھا۔ اور یونانی اب ترکی فوج سے خوف کھانے لگے۔ گو گرک کریٹ کے زعم میں اوہ اپنے زعم میں صحیح تھا یہ لشکر منظم اور زبردست کہلانے کے بجائے ضعیف ٹکڑے کہلانے کا زیادہ مستحق تھا۔

عصمت کی اس فتح نے جو بالکل معجزہ تھی۔ یونانی صفوں میں روح معنوی ضعیف کر دی۔ اور ترکی فوج کی روح جہاد قوی ہوگئی۔

یہ فوجی ٹکڑے جنہیں ڈینز بلاس نے حقیر جانا تھا اور جن پر فقر۔ فاقہ۔ اور عریانی چھائی ہوئی تھی۔ اب اُن میں عصمت کے زیر علم شجاعت اور نام و نشان لوٹ کر آگیا تھا۔ اور فتح کی تصویریں سامنے نظر آنے لگی تھیں۔

یونانیوں نے اسکی شہر میں ڈیرے ڈالدیئے۔ ان چھ مہینوں میں وہ قوت میں اضافہ کرتے رہے۔ اور اتحادیوں سے مزید ذخیرہ جنگ طلب کیا۔ تاکہ آئندہ

حملے کے لئے مستعد ہو جائیں ۔

انگورہ کے دن اور راتیں

مصطفیٰ کمال انگورہ میں مشغول کار ہے ۔ اس سے ذرا دور فوزی نقشہ اور شئون جنگ میں منہمک ہے جس کا نہ اوّل ہے نہ آخر ۔ اور عصمت اینونو میں اسی طرح مستعد ہے ۔ اور دائماً مستعد پایا جائیگا صامت و ساکت عمل کا پیکر ۔

اس مناسبت میں مجھے اجازت دیجئے ۔ کہ اقوال رؤف بے میں تھوڑی سی اصلاح کردوں مصطفیٰ کمال عصمت اور فوزی وہ اقانیم ثلاثہ ہیں جنہوں نے ایک دوسرے کو مکمل کیا ۔ اور تحریک وطنیت جس کا ذکر ہم اس کتاب میں کر رہے ہیں تینوں کے مجموعے کا نام ہے ۔

وہ ایک بھرا ہوا لمبے قد کا آدمی ہے ۔ ارادے میں آہنیں ۔ اور اخلاق میں کامل ۔ نہ سگریٹ پیتا ہے ۔ نہ شراب اور جھوٹ کے نام سے واقف ہے ۔ بیاہا ہوا ہے اور اولاد صالح کا باپ ۔ ہر حال میں شعائر اسلامیہ کی حفاظت کرنے والا ۔ نماز پڑھتا ہے ۔ روزے رکھتا ہے ۔ زکوٰۃ دیتا ہے ۔ اور قرآنِ مجید کی تلاوت کا بچپن سے عادی ہے ۔ مال و جاہ سے بے غرض ۔ اپنے دفتر ۔ اپنے نقشہ ۔ اپنے

لشکر اور اپنے مصلّے کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ اگر تنہائی میں اُس سے گفتگو کرو گے تو معمولی آدمی نظر آئے گا لیکن تنظیم جیش۔ تدابیر حرب و اسلحۂ عسکری میں دنیائے حرب کی صف اوّل میں کھڑا ہے۔ اپنے ملک کے نقشہ سے اتنا ہی واقف ہے۔ جتنا ہم اپنے خاص گھروں سے۔ آپ اُس سے اناطولیہ کی کسی سمت میں کسی گاؤں۔ کسی نالی۔ کسی پہاڑی۔ یا کسی طریق زرعی کے متعلق پوچھئے۔ وہ آپ کو اُس کی جگہ اور مکان اس طرح صحیح بتائے گا گویا وہیں پیدا ہوا اور اسی جگہ اپنے طویل ایام زندگی بسر کر کے بڑا ہوا۔

مصطفیٰ کمال انگورہ میں اس شخص کے پڑوس میں کام کر رہا ہے۔ اور اُسے یقین ہے۔ کہ یونانی اسکی شہر میں وسیع پیمانے پر حملے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ اسلیئے وہ تمام ولایات میں رضا کاروں کی بھرتی کے لئے حکم صادر اور بہ نفس نفیس فوجی حرکات کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ وہ اہل اناطولیہ کو اپنی اراضی کا آدھا محصول حکومت کو قرض دینے کے لئے کہتا ہے اور وعدہ کرتا ہے۔ کہ یہ قرضہ ہمیں دشمن کو ارض وطن سے بھگا دینے اور ملکی حالت کے معمول پر آنے کے بعد ادا کر دیا جائے گا۔

اہل اناطولیہ اپنا آدھا محصول حکومت کو قرض دینے میں ذرا متردد نہیں ہوتے بلکہ اُن میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو واپسی کے بالکل طالب نہیں۔ اس قوم کی قربانیوں پر دیکھنے والے کو تعجب ہوتا ہے۔

وہ قوم جس کا مال خلافت نے پوری چھ صدیوں تک چھینا، اور یمن، بلادِ عرب، عراق اور شام پر سخاوت و دریا دلی سے خرچ کیا، اور اُس کا خون ان پامال وادیوں میں بہایا۔ اس کے باوجود کوئی نہیں جو اس کے احسانات کا ذرہ برابر اعتراف ہی کرے۔ ان مالی قربانیوں کا راز اس نئی روح میں ہے جو مصطفیٰ کمال نے اُن کے جسم میں پھونکی۔ وہ اُن کے اموال اور محصولاتِ اراضی اب کسی دوسرے ملک کی تعمیر و حفاظت کے لئے نہیں مانگ رہا تھا۔ بلکہ اُن سے لینا تھا۔ کہ انہیں کو دیدے! اور اس وطن کیلئے خدمتِ تحفظ چاہتا تھا جس کا وہ پانی پیتے تھے۔ اور جس کے آسمان کے نیچے رہتے تھے۔ وہ اپنی جدید تحریک وطنیت میں اس بات پر قائم ہے کہ اناطولیہ اہلِ اناطولیہ کیلئے ہو۔ وہ دائماً اُس بات کا معترف ہے کہ اناطولیہ حقیقی ترکی ہے۔ وہ ترکی جو دولِ شرقیہ میں سب سے سر بلند ہوگا اور دولِ غربیہ میں مساوی سطح پر۔ اور اہلِ اناطولیہ اس ذمہ داریٔ عظیم کو اپنے کندھوں پر اُٹھانے میں بے حد مسرور ہیں۔ اسلئے کچھ عجب نہیں کہ اپنی زمین کے آخری خوشے اور اپنے خون کے آخری قطرے سے سخاوت کریں۔

اُن کی قربانیاں یہیں تک محدود نہیں رہتیں۔ بلکہ ان میں سے نوجوان اور بوڑھے جیشِ وطنی میں بھی رضا کارانہ داخل ہوتے ہیں۔ اور جو فوج میں رضا کار نہیں ہو سکتا۔ وہ محاذِ جنگ میں سامان و اسلحہ پہنچانے کے لئے بھرتی ہو جاتا ہے۔ آپ کو منطقۂ انگورہ اور اینونو کے درمیان یہاں سے وہاں تک ہزاروں مرد اور

بار ہا ہے۔ اس زبیدہ کو یقین نہ آتا تھا۔ کہ اُس کا بیٹا کسی دن پاشا بن جائیگا۔ اور گیلی پولی کی بربادی سے ترکی کو نجات دلائیگا۔ وہ دیکھئے۔ اب وہ ترکی کو معاہدۂ سیورے سے نجات دلا رہا ہے۔ وہ اُس سے اس طرح بات کرتی ہے جس طرح مائیں ایک شریر بچے سے کرتی ہیں۔ مصطفیٰ کمال ہنس دیتا ہے۔ اور یہ ہنسی کتنی نادر ہے ؏

وہ فکریہ خانم کی مدد سے اس کے کھانے پینے اور سونے کی پوری نگہداشت کرتی ہے۔ اور یہ کہتے ہوئے نہیں بھولتی۔ کہ "میرا بیٹا جب بچہ تھا۔ تو ایسا کھانا پسند کرتا تھا۔ اور ایسا رنگ اُسے ناپسند تھا" ؏

صبح کے وقت جب سو کر اُٹھتی ہے۔ تو اپنے بیٹے کو مکان میں نہیں پاتی۔ جب اس کے سونے کے کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ تو اُس کے بستر کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتی ہے۔ ہر چیز بکھری ہوئی اور پراگندہ۔ قلپاق۔ ترکی ٹوپی بھدّے فوجی جوتے داخلی وخارجی کپڑے۔ نقشے چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں۔ اور درجنوں سگرٹوں کے بقیہ ٹکڑے کمرے میں اِدھر اُدھر پڑے نظر آتے ہیں۔ تو اس کے دل سے آہ نکل جاتی ہے ؏

مجلس وطنی کبیر اپنے کام میں منہمک ہے۔ اہم اور غیر اہم امور کے لئے بھی جلسے منعقد کرتی ہے۔ نمائندے اخلاص وایثار سے کام کرتے ہیں لیکن وہ سب

کمال کی نظر میں ایسے آدمیوں کا ایک اجتماع تھا جن کی زبانیں بولتی ہیں۔ دلوں میں وطنیت کا جوش بھرا ہوا ہے۔ اور ہتھیلیاں تالیاں بجا سکتی ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں جیسے کہ دنیا کی تمام پارلیمنٹوں کا قاعدہ ہے۔

ہاں ان میں سیاسی مدبر بھی ہیں۔ اور عالم دین بھی ہیں کسان بھی اور تاجر بھی۔ مزدور بھی ہیں۔ اور شاعر و ادیب بھی۔ اور جو قانون یا حکم صادر ہوتا ہے لازم ہے کہ اس پر مباحثہ کریں۔ اور موافق ہوں۔ لیکن کون ہے۔ جو قانون بناتا ہے۔ اور صدور حکم کس کے ایما سے ہوتا ہے؟

ہمیں اقرار ہے حقیقت و تاریخ کی خاطر کہ ارکان نعروں اور مباحثات پر اپنی قوتیں صرف کرتے تھے۔ لیکن ہمیں اس بات کا بھی اقرار ہے حقیقت و تاریخ ہی کی خاطر کہ وضع و نفاذ کمال ہی کرتا تھا۔ گو ان کا اور مجلس وطنی کا وجود احکام و فرامین کمال کو قانونی صورت دینے کے لئے لابد تھا۔

جب تک مصطفیٰ کمال مجلس کی کسی پچھلی کرسی پر بیٹھا رہتا ممبروں کے نزدیک مناسب شخصیت ہوتا لیکن یہ شخصیت نامرغوب بن جاتی جونہی وہ ان سے جرح کرتا۔ اور ان کے منتشر خیالات سے تنگ آکر منبر پر چڑھ جاتا اب اس کا دبلا چہرہ اور بھیڑیے جیسی چمکیلی آنکھیں سب کے سامنے ہوتی تھیں۔ پھر جب اس کی گرجتی ہوئی آواز دندنانے اور جادو بیانی دلوں کو مسحور کرنے لگتی۔ تو ارکان نہایت زور سے تالیوں پر تالیاں بجاتے۔ اور اس کی ہر بات

مان لیتے ۔

کمال ہر روز ایک نئی اور عجیب چیز پیش کر کے انہیں متحیر کر دیتا ۔

روسی بالشویک جو قیصریت کو فنا کر دینے کے لئے پیدا ہوئے تھے ۔ اُن کی نئی حیات سیاسی کا ظہور اس طرح ہوا جس کی بنیاد سرمایہ داری کے انہدام اور کل کے اتحادیوں اور سب سے زیادہ انگریزوں سے عداوت پر تھی ۔ وہ ترکوں سے اس تقلیدی عداوت کو بھول جاتے ہیں ۔ جو انہیں پشت بہ پشت وراثت میں ملی تھی ۔ وہ حکومت کو سرکاری طور پر تسلیم کرنے کے بعد اس کے اور قریب ہو گئے ۔ اور ۲۴ اگست ۱۹۱۹ء کو اس کے ساتھ ایک حلف نامہ مرتب کیا ۔

کاظم قرہ بکیر نے قرص کے قریب ارمنوں کو شکست دی ۔ بہت سا سامان جنگ قبضہ میں کر لیا ۔ جس میں ذخائر ۔ توپیں اور بندوقیں تھیں ۔ جو انگلستان کی بنی ہوئی تھیں ۔ اس کے بعد ارمنوں کو معاف کر دیا ۔ اور انہیں فوراً انگورہ کی جانب بھیجدیا ۔

فرانس اور اٹلی انگریزی یونانی سیاست میں دقت اور نقصان محسوس کرنے لگے ۔ اور حکومتِ انگورہ سے کہا ۔ کہ اس وقت سے وہ غیر جانبدار ہیں اور وطنی فوج کیلئے اسلحہ فروخت کرنے کو تیار ہیں ۔

انگریز بھی اپنے حلیفوں سے کچھ کم دقت اور نقصان محسوس نہ کرتے تھے ۔

لیکن اُن کی اُمیدیں ابھی تک جنگ یونان سے وابستہ تھیں۔ اسلیئے انہوں نے اپنا بیڑا اور فوجیں درہ دانیال کے پانی اور چھاؤنیوں میں ڈال رکھی تھیں۔

شرقِ اسلامی میں جوش و ولولہ موجیں مار رہا تھا۔ جس نے پچھلے زمانہ کو محو کر دیا۔ اور محبت کا سیلاب ہر طرف سے انگورہ کی طرف بہنے لگا۔ مال جمع ہؤا۔ مسجدوں میں دعائیں مانگی گئیں۔ اور شاعروں نے کمال اور تحریک وطنیت کی شان میں قصیدے تصنیف کیئے۔

"من العار ان یفدی الغزاۃ نفوسہم | ونحن بدنیار نضن ودرہم
یہ عار ہے۔ کہ غازی تو اپنی جانیں فدا کریں۔ اور ہم درہم و دینار کو دبا کر رکھیں۔

اور بعض کا تاثر اس حد تک بڑھ جاتا ہے۔ کہ وہ پکار اُٹھتے ہیں۔

"عظم المصاب وضج کل موحد | وملا الاسی فی القبر قلب محمدٌ
مصیبتیں اتنی بڑھ گئیں کہ ہر موحد چیخ اُٹھا | اور قبر کے اندر محمدؐ کے دل میں حزن و غم بھر گیا
"وتزلزل الحرمان حتیٰ وشکا | یتداعیان الی الحضیض الا وہد
حرمان میں زلزلہ آ گیا حتیٰ کہ پستی کے گڑھے میں گرنے والے ہیں۔

یہ سب کچھ مصطفیٰ کمال منبر پر نمائندوں کو سناتا ہے۔ اور اپنے زور بلاغت سے اُس میں رنگ بھرتا ہے۔ وہ پرجوش ہو کر نعرہ زن ہونے لگتے ہیں۔ اسطرح وہ ان تمام تھکا دینے والے ایام میں اُن کے دل میں بھی جگہ قائم رکھتا ہے۔ جنمیں یونانی یلغار کر رہے تھے اور تباہ کن طوفان کی دھمکی دے رہے تھے۔

پھر جنگ وسیاست کا یہ مرد میدان نمائندوں اور فوجوں کو جوش دلانے

چھوڑکر تحریک وطنیت کیلئے ترانہ لکھنے کی تجویز پیش کرتا ہے۔ اور بہترین ترانہ

لکھنے والے کے لئے بڑا بھاری انعام مقرر کرتا ہے شعراء میں مقابلہ ہونے لگتا

ہے۔ اور وہ ترانہ لکھنے کیلئے طبع رسا کے جوہر دکھانا شروع کر دیتے ہیں لیکن یہ

انعام کسی اور شاعر کے نصیب میں کہاں ہے۔ جب ترکی کا شاعر اعظم محمد

عاکف انگورہ میں مقیم ہے۔ عاکف کا ترانہ دیکھ کر کمال اسے لکھتا ہے۔

آستاذی العزیز خدا آپ کی عمر میں برکت دے۔ آپ نے ترانہ لکھا۔ جسکے

ہر شعر میں اعجاز ہے۔ اور آگ کے شعلے ہیں" وہ انعام حاصل کرنے میں کامیاب

ہوتا ہے لیکن اُسے تحریک وطنیت کیلئے چھوڑ دیتا ہے۔ کیونکہ وہ خود تحریک کے

سرگروہ آدمیوں میں سے تھا۔ اور کہتا ہے "اس کے ترانۂ وطن کا قبول کر لینا

ہی اُس کے فخر و یادگار کیلئے کافی ہے"۔

جس دن ترانہ مجلس وطنی میں پڑھا گیا جوش و تاثر کی کوئی حد نہ تھی۔

ہر شعر پر تالیوں کے شور میں جو چند منٹ تک رہتا۔ سلسلہ کٹ جاتا تھا حتیٰ

کہ جب شاعر اس شعر پر پہنچا۔

تمہاری عظمت کا آفتاب طلوع ہونے والا ہے جسکے لئے تمہارے خدا

نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ اور کون جانتا ہے۔ کہ شاید کل ہی وہ طلوع ہو جائے۔ یا

شاید فردائے قریب سے بھی تمہارے قریب تر ہو" ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کمال پر

بیخودی کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ اور وہ ترانہ و مصنف کے لئے نعرے لگانے اور پکارنے لگتا ہے۔ کہ ایام عظمت شاہدگ سے بھی قریب تر ہیں۔ تالیاں بجاتا اور نعرے لگاتا نشست گاہوں پر کودنے لگتا ہے۔ یہانتک کہ گھڑی کی سوئی دس منٹ تک چلتی رہتی ہے۔

ماتم عظیم

عصمت محاذ جنگ میں یونانی حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے مستعد ہے اور اب وہ ادہم جرکسی کے چلے جانے اور اس کے گروہوں کے منتشر ہو جانے کے بعد اپنے جیش منظم پر مسرور ہے۔ اپنے چھوٹے سے لشکر اور اسلحہ سے جو دشمن کے مقابلے میں عدم کے برابر تھے اسکی شہر افیون قرہ حصار اور ان کے اردگرد کے علاقہ کی حفاظت کا عزم کئے ہوئے ہے۔

ہر روز عصمت اپنے سر کے اوپر دشمن کے طیاروں کی صدائے پرواز سنتا ہے۔ اور غصے سے دانت پیسنے لگتا ہے۔ کہ اس کے پاس ایک طیارہ بھی نہیں۔ لیکن قدرت تمسخر کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ وہ ایک انگریزی طیارہ بھیجدیتی ہے۔ جسے ایک بہادر ترکی نوجوان چلا رہا تھا۔ اس ہوائی جہاز کا بھی عجیب قصہ ہے۔ یہ استنبولی نوجوان اس بات پر شرمسار ہے۔ کہ اپنے برادران مجاہدین کے

ساتھ شامل نہیں۔ اسلئے اپنی حسین وجمیل بیوی کو وہاں بھیجتا ہے جہاں انگریزی ہوائی بیڑہ کے افسر رہتے ہیں۔ اس کے جمال کی قوتیں ساحرانہ کھیل کھیلتی ہیں۔ اور ایک افسر کا دل اُس کا اسیر ہو جاتا ہے۔ عاشق معشوقہ سے اپنی آرزو کے بر لانے کی کوشش کرتا ہے۔ تو وہ اُسے غمزہ وادا سے جواب دیتی ہے کہ "تمہاری تمنا برلانے سے پہلے میں چاہتی ہوں۔ کہ ہوائی جہاز پر مجھے سیر کراؤ"۔ ہوا باز راضی ہو جاتا ہے۔ اور اسے ہوائی جہاز پر سوار ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ تو وہ اسے کہتی ہے کہ "کیا میرا شوہر ہمارے ساتھ سوار نہیں ہوگا۔ وہ بالکل بیوقوف ہے۔ اس سے کچھ ڈر نہیں ہے"۔ ہوا باز اُسے بھی اپنے ساتھ سوار کر لیتا ہے۔

عالم فضا میں ہم ایک ہولناک خونریز کا نظارہ کرتے ہیں ترک نوجوان انگریز ہوا باز کو مار کر زمین پر گرا دیتا ہے۔ اور طیارہ کو بے نظیر مہارت سے اُڑائے جاتا ہے۔ انگورہ کی طرف مصطفیٰ کمال کی طرف۔ یہ تنہا طیارہ وطنی فوج کی ملکیت نہیں عصمت یونانیوں پر فوری حملہ کی قدرت نہیں رکھتا۔ ہر سپاہی جو جو وہ کھوئے گا۔ اور ہر گولی جو وہ ضائع کرے گا۔ وطنی فوج کو اور ضعیف کردیگی۔ لیکن یونانی حملے پر قادر تھے۔ یہ لیجئے۔ اُن کی توپوں سے فضا بھر جاتی ہے۔ اور اُنکے گولے ترکی استحکامات کو مسمار کر رہے ہیں۔ وہ دیکھتے اُنکی محافظ فوج خندقوں سے نکلکر توپوں کی حفاظت میں نکلتی ہے۔ اور عصمت کے لشکر

پر زبردست حملہ کرتی ہے جو قریب ہے۔ کہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو جائے۔ پھر تباہی ہے اُس کے لئے اگر وہ پیچھے ہٹا ۔

وہاں انگورہ میں طویل مناقشہ اور شدید رعب چھایا ہوا ہے۔ ارکانِ مجلس یونانیوں کی روک تھام پر مُصر ہیں۔ خواہ انجام کچھ ہی ہو۔ مصطفیٰ کمال یونانی پیشقدمی کی اہمیت سمجھ کر۔ رات دن کام کرتا ہے۔ اور حالاتِ جنگ معلوم کرنے کیلئے ہر ساعت عصمت سے رسل و رسائل کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ عصمت سے اُسے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یونانی پیشقدمی کی روک تھام ناممکن ہے۔ دشمن نے کوتاہیہ اور افیون قرہ حصار پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور قریب ہے۔ کہ اسکی شہر میں داخل ہو۔ کمال اُسے اسکی شہر کی مدافعت کا حکم دیتا ہے۔ لیکن عصمت اُسے خبردار کرتا ہے۔ کہ اسکی مدافعت غیر ممکن ہے اور التجا کرتا ہے۔ کہ یا خود آکر فوج کی قیادت کرے۔ یا کسی اور مضبوط مقام پر ہٹ جانے کی اجازت دے ۔

اب مصطفیٰ کمال انگورہ سے روانہ ہو کر محاذِ جنگ کو جاتا ہے جونہی یونانی پیشقدمی اور جیش وطنی کی پسپائی کی خبر شائع ہوتی ہے۔ تمام اناطولیہ میں ایک ماتم بپا ہونے لگتا ہے ۔

اس دفعہ یونانی کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑینگے جس کا نام ترکی ہے ارمن ترکوں سے سخت انتقام لے رہے ہیں ۔

شہر و دیہات جل رہے ہیں۔ ناموس برباد ہو رہے ہیں۔ بڈھے، عورتیں بچے اور مرد قتل ہو رہے ہیں۔ مسجدیں گرائی جا رہی ہیں۔ اور مؤذن کی آواز "اللہ اکبر۔ اللہ اکبر" ہمیشہ کے لئے خاموش ہو رہی ہے۔

ترکوں کی زمین۔ ترکوں کی قوم اور ترکوں کا دین کوئی چیز بھی باقی رہتی نظر نہیں آتی۔

دیہاتی فرار پر مستعد ہیں۔ اپنا سامان باندھتے ہیں۔ اپنے گھروں کو چھوڑتے ہیں۔ اور مساجد اور اپنے شہدا اولیا کی قبروں سے وداع ہونے پر ہیں۔ اہل انگورہ اندر کو بھاگتے ہیں۔ اور گاؤں خالی ہو جانے کو ہے۔ سوا ارکان مجلس وطنی۔ سپاہ اور چند بہادر مردوں کے۔

یاس۔ بربادی۔ موت۔ یہ تمام کابوس سوتے جاگتے لوگوں کے سامنے ہیں۔

وہاں استنبول میں ابھی تک خلیفۃ المسلمین اور ظل اللہ فی الارض دشمنوں کا دوست ہے۔ اور مجاہدین کا دشمن۔

مصطفیٰ کمال محاذِ جنگ میں جاتا ہے۔ عصمت گرمجوشی سے اس کا استقبال کرتا ہے۔ اور قیادت جنگ اس کے لئے چھوڑ کر صرف احکام نافذ کرنے پر کفایت کرتا ہے۔

محاذِ جنگ میں چند گھنٹوں کی دیکھ بھال سے کمال کو یقین ہو گیا۔ کہ



غازی کمال پاشا بحیثیت کمانڈران چیف کے

اندر کیطرف ہٹ آنا لابد ہے۔ ورنہ شکست یقینی ہے ۔

جب مصطفیٰ کمال کو کسی چیز پر یقین ہو جاتا ہے۔ تو پھر تردد نہیں کرتا۔ اسلئے عصمت کو نہر سقاریہ کے کنارے ہٹ آنے کا حکم دیتا ہے ۔

معرکۂ سقاریہ

کیا آپ نے کبھی اُس بھیڑیے کو دیکھا ہے جس نے ابتدائے تاریخ سے ایشیا کے چرواہوں کو پریشان رکھا ؟

اور کبھی اس اُونچی چوٹی سے اس بلندی پر اور کبھی بلندی سے پستی کیطرف چھلانگیں مارتے دیکھا ہے ؟

اور کبھی اس کے چہرے کا خم اور حالت خطر میں اُس کی آنکھوں کی چمک دیکھی ؟

یہ بھیڑیا تمام و کمال اسکی شہر اور انگورہ کی درمیانی مسافت کود تے پھاندتے قطع کرتا ہے۔ اور جب اُس بھٹ کے قریب پہنچتا ہے جو مجلس کبیر کہلاتی ہے اور جہاں تمام بھیڑیے جمع ہیں۔ تو وہ غراہٹ سے اس کا استقبال کرتے ہیں۔ موت اس کی آنکھوں سے نمایاں تھی۔ اور یاس قاتل اس کے چہرے سے۔ اپنی باری ہیں وہ بھی ان کے سامنے غراتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ جیسا

کرالیشیا کے بھیڑیے نے ایشیائی ترکوں سے اس سے پہلے کہا تھا۔ کہ "نجات یہاں سے ہے...... انگورہ کے قریب سے .... سقاریہ کے کناروں پر"۔

بھیڑیئے پھر غرّانے لگتے ہیں۔ اور شدتِ غضب سے دانت پیستے ہیں اُن کی آنکھوں میں موت کی چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنے سردار کو پھاڑ ڈالنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟

سردار بھیڑیے کا غضب زیادہ جوش میں ہوتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں غصہ اور چمک اُن سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔ اس کے نتھنے سانس کی تیزی کی وجہ سے پھول جاتے ہیں۔ اور وہ کہتا ہے۔ تم کیوں بزدلی دکھاتے ہو۔ اور ناامیدی کی گھڑی میں سرکش بنتے ہو۔ کیا میں نے تم سے نہیں کہا کہ نجات یہاں سے ہے۔ انگورہ کے قریب سے۔ سقاریہ کے کناروں پر .... سپہ سالاری کی باگ میرے ہاتھ میں دو۔ میں تمہاری نجات کی سبیل پیدا کرونگا۔

بھیڑیوں میں پھر غرّاہٹ پیدا ہوتی ہے۔ مجلس وطنی آتشیں نگاہوں سے جلنے لگتی ہے۔ اور موت کے سائے پاس قاتل کے عالم میں رقص کرنے لگتے ہیں۔

وہاں نشست گاہِ مجلس سے دُور بھیڑیا اپنی دُم زمین پر مارتا ہے۔

اور حملے کے لئے کودنے لگتا ہے ◆

اللہ وہ منظر!

اس کی غراہٹ کان بہرے کر دیتی ہے۔ اُس کا جھکا ہوا چہرہ آگ کے شعلوں سے فولاد کا سرخ ٹکڑا بن جاتا ہے۔ اُس کی آنکھوں کی پُرہول وحشتناک چمک تمام بھیڑیوں کو پچھاڑ دیتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ مجلس وطنی سے سپہ سالارِ اعظم بنکر نکلتا ہے ◆

سردار بھیڑیا انگورہ سے سقاریہ کی مسافت چھلانگیں مارتے کاٹتا ہے اور جب وہ محاذ جنگ میں پہنچتا ہے۔ اور گولوں کی گڑگڑاہٹ سنتا ہے۔ تو اُس کی آنکھیں تیزی سے چمکنے لگتی ہیں۔ اور نتھنے پھول جاتے ہیں! اور جب وہ دشمن کے مقامات کے سامنے ہوتا ہے۔ تو ہم اُسے گھوڑے کی پیٹھ پر ہاتھ میں دوربین لئے دیکھتے ہیں۔ ہم اُسے میدان کے کٹاؤ اپنے صفحۂ ذہن میں جمانے دیکھتے ہیں۔ ہم اُسے میدان کی بالشت بالشت جگہ کا قیاس کرتے اور اس بستی کا اندازہ دن کے وقت لگاتے دیکھتے ہیں۔ اس پہاڑی کا رات کے وقت اور ان بلندیوں کا دن اور رات میں ◆

پھر ہم اُسے پستی پر۔ بلندی پر۔ پہاڑی کی چوٹیوں پر ہر جگہ اور ہر مقام پر دیکھتے ہیں۔ جس طرح اس سے پہلے گیلی پولی میں موت سے نبرد آزما دیکھ چکے ہیں اور اُسے یقین ہے۔ کہ موت اُس کے نصیب میں نہیں ◆

ہزاروں گولیاں اُس کی طرف چلائی جاتی ہیں لیکن وہ نہیں مرتا۔ سیکڑوں گولے اس کے گرد پھٹتے ہیں۔ اور عمریں فنا ہوتی ہیں سپہ سالاروں اور افسروں کی عمریں۔ سپاہیوں کی عمریں۔ اور وہ ان سب باتوں کے باوجود نہیں مرتا۔

یکایک ایک گولی اُس کے گھوڑے کو زخمی کر دیتی ہے۔ اور وہ زمین پر گر پڑتا ہے۔ بھیڑیا اُٹھ کھڑا ہوتا ہے! اور اس کے بازو کی تین ہڈیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔

مگر کیا وہ مر گیا؟

بالکل نہیں۔ وہ اپنی دُم زمین پر مارتا اور نتھنے پھُلائے سپاہیوں کو پکارتا ہے۔

"میری طرف۔ دوسرا گھوڑا لیکر۔ یہاں اس پہاڑی پر میں گھوڑے کی پیٹھ سے گرا ہوں۔ اور اسی پہاڑی سے یونانی بھاگیں گے"۔

ہم اُسے متواتر اڑتالیس گھنٹے گھوڑے کی پیٹھ پر دیکھتے ہیں۔ اس عرصے میں اُس نے نیند کا مزہ نہیں چکھا۔ اور شکستہ بازو کا درد بے حد تکلیف دے رہا تھا۔ جو طاقت بشری سے بالا ہے۔

وہ قدرت کے ساتھ جنگ کر رہا تھا۔ وہ جانتا ہے۔ کہ سقاریہ آخری اُمید ہے۔ یا فتح اور زندگی۔ یا شکست اور موت۔ پھر کیا اس کے بعد اُسے

گھوڑے سے گرنے یا چند ہڈیاں ٹوٹ جانے کی پروا ہو سکتی ہے ؟

سقاریہ اپنی تاریخ ہزارہا قربانیوں کے خون سے لکھتا ہے ۔

دریا کے قریب یونانی ترکوں پر جان توڑ حملے کرتے ہیں ۔ اور اُن کا ہر حملہ ترکی کے پُر شباب پھولوں کو فنا کرتا ہے جو سردار بھیڑیے کی آخری اُمیدوں گاہیں ہیں ۔

یونانی ترکوں کو اس طرح قتل کرتے ہیں گویا دیرینہ انتقام کی آگ سے انہیں پھونک رہے ہیں ۔ وہ انتقام جو ونزیلاس گزگ گریٹ نے ان میں بیدار کیا تھا ۔

ارمن اُن کی صفوں میں اپنے کل اور آج کے دشمن ترکوں سے انتقام لینے ہیں ۔ اور حکومت آل عثمان کی تباہی پر اپنی حکومت کے قیام کے اُمیدوار ہیں ۔

دریا سے چند میل کی راہ پر جہاں بلندیوں کا موڑ ہے ۔ اور راستہ انگورہ کی طرف اترتا ہے ۔ وہاں سردار بھیڑیے کے سپاہی جہاں زمین ذرا بلند یا بچاؤ کی کوئی جگہ ملی ۔ جھکے ہوتے ہیں ۔ اور اُن پر ایسی نا اُمیدی چھائی ہوئی ہے ۔ جو صدیوں سے تاریخ کے صفحات پر نہیں آئی ۔ لیکن یکایک ایک آدمی اُن میں اُمید پیدا کر دیتا ہے ۔ اور اُن کے دلوں میں شجاعت و جرءت

بھر رہا ہے۔ یہ آدمی سردار بھیڑیا ہے۔ اور اگر انگورہ کی طرف آنے والے راستے میں ذرا اتر و گے۔ تو تمہیں ہر جگہ ہزیمت کی دنیا دکھائی دے گی۔ یہ کنبہ قلب اناطولیہ میں گھوڑوں پر سوار یا بیل گاڑیوں میں بیٹھا بھاگ رہا ہے۔ یہ تاجر یا کسان اپنی زمینوں کا جلد جلد تصفیہ کر کے فرار کے لئے اسباب باندھتے ہیں ✦

وہ مجلس وطنی کے بھیڑیے اپنی بیویوں اور جگر گوشوں کو وہاں بھیج دیتے ہیں جہاں ذرا امان نظر آتی ہے۔ اور خود مجلس کے دروازے کے سامنے کھڑے توپوں کی گرج اور طیاروں کی پرواز کی آواز سن رہے ہیں! دروازہ پیس کر چلا رہے ہیں!" بربادی ہے۔ سردار بھیڑیے کے لئے۔ اگر وہ ہمارے پاس ناکام لوٹ کر آیا" ✦

وہاں قریباً الاگوز میں ہم ایک طرف معمولی سا مکان دیکھتے ہیں ایک پہرہ دار پورے ہتھیار لگائے کھڑا ہے۔ اور مکان کی طرف آنے والے راستہ پر گھوڑوں کی ٹاپوں اور تلواروں کی جھنکاروں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ ذرا ذرا وقفے کے بعد اس مکان میں سے چند افسر اور سپاہی نکلتے ہیں۔ جن کے چہروں سے موت کی زردی۔ نگاہیں خون آلود اور اعصاب شکستہ دکھائی دیتے ہیں ✦

اگر ہم مکان کے دروازے پر غور سے دیکھیں۔ تو سپہ سالار کے کمرے کے دروازے پر ایک بھیانک پہرہ دار نظر آئے گا۔ اگر ہم مکان کے اندر جھانکیں

تو یہ منظر ہماری آنکھوں کے روبرو ہوگا ۔

ایک حقیر سا کمرہ۔ اسباب بگڑا ہوا چھت گرنے والی۔ بڑی میز۔ معمولی لالٹین۔ ترکی کا نقشہ اور اُس پر یہاں وہاں چھوٹی چھوٹی جھنڈیوں کے نشانات۔ میز کے سامنے سردار بھیڑیا اپنی خوفناکی و ہیبت کے ساتھ +

پھر بھی پُرسکون بھیڑیے کے کمرے میں۔ لیکن طوفان آور +

وہ دیکھئے۔ سپاہی ایک طویل مراسلہ لئے اندر داخل ہوا۔ بھیڑیا اس کے منہ کی طرف دیکھے بغیر لے لیتا ہے۔

اور پڑھتا ہے۔ پھر غرّانے لگتا ہے +

دشمن نے فوج کے بائیں بازو کو صاف کر دیا +

بھیڑیا کمرے میں چلنے لگتا ہے۔ پھر میز کی جانب لوٹ کر نقشے کے سامنے آتا ہے۔ بعض جگہوں سے جھنڈیوں کے نشان مٹا کر دوسری جگہ لگا دیتا ہے۔ اور نئے نشانات کی جگہوں سے حملے کا حکم دیتا ہے۔ ترک حملہ کرتے ہیں۔ اور دشمن کا بُری طرح صفایا کر دیتے ہیں +

چند گھنٹوں کے بعد

بھیڑیا دوسرا مراسلہ پڑھتا ہے اور پھر غرّانے لگتا ہے +

پھر جھنڈیاں دوسری جگہ لگانا۔ اور حملے کا حکم دینا ہے۔ ترک حملہ کرتے ہیں۔ لیکن اس دفعہ دشمن کا صفایا نہیں کر سکتے۔ بھیڑیا میز سے

اُٹھ کر میدانِ جنگ کی طرف گھوڑا دوڑاتا ہے۔ جونہی وہاں پہنچتا ہے۔ تو دیکھتا ہے۔ کہ سپاہی اُسے دیکھتے ہی جان کی بازی لگا دیتے ہیں لیکن یونانی اُنہیں شکست دیکر لوٹا دیتے ہیں۔

آدھی رات کے وقت۔

سردار بھیڑیے کے کمرے میں ہر چیز پُر سکون ہے۔

سردار بھیڑیا جنگی خیالات میں مستغرق ہے۔ جھنڈیاں دریائے سنقاریہ اور اس کے گرد کی پہاڑیوں کو ڈھانپے ہوئے ہیں۔

عارف داخل ہوتا ہے۔ پھر عصمت۔ پھر فوزی۔

ہر ایک جنگ کی ہولناکیوں کو بیان کرتا ہے۔ اور صبح کی شکست سے ڈر رہا ہے۔ لیکن سردار بھیڑیا فتح کے بغیر کسی چیز کا متوقع نہیں اور اپنی آواز سے جو سیسہ کی طرح اس کے ہونٹوں سے بہ رہی ہے۔ کہتا ہے۔

"دیکھو۔ وہ دشمن کے مقابل کی پہاڑی نہیں دیکھتے۔ اس پہاڑی سے ہم یونانیوں پر فتح پائینگے"۔

بغیر کسی سوچ بچار کے جھٹ کہدیتا ہے۔ اور تعجب ہے۔ کہ کل اس کی پیشین گوئی اعجاز کر دکھاتی ہے۔

بعد نیم شب تین بجے۔

ہر چیز پرسکون۔ سردار بھیڑیے کے کمرے میں +

سردار بھیڑیا اپنے موٹے بستر پر بھاری جوتوں۔ فوجی لباس اور اپنے لمبے خاکستری کوٹ میں لیٹا ہوا ہے۔ اس کے قریب بڑی میز ہے جس پر لالٹین نقشہ۔ چھوٹی جھنڈیاں اور سیکڑوں سگرٹوں کے بچے ہوئے ٹکڑے ہیں +

وہ سوتا ہے۔ اور ہزاروں سپاہی محاذ جنگ میں کل کے معرکہ کی تیاری کے لئے سو رہے ہیں +

اور پانچ بجے بھیڑیا جہاد کے لئے اُٹھ بیٹھتا ہے +

سورج نکلتا ہے۔ تو اُس کا گھوڑا لشکر کی خندقوں کی جانب سرپٹ دوڑتا ہے +

پھر لوٹ کر آلاکوز میں اپنے مکان میں نہیں آتا۔ بلکہ اُس پر واجب ہے۔ کہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ خندقوں میں رہے۔ گو افسر اس سے عجز و نیاز سے کہتے ہیں۔ کہ مرکز خطر سے اُس کا بعید رہنا لازم ہے +

معرکے ۲۳ اگست ۱۹۲۱ء کی صبح سے شروع ہیں۔ اور یہ دیکھئے آج ۱۱ ستمبر کا آفتاب طلوع ہو چکا ہے لیکن وہ ابھی تک دشمن پر فتح نہیں پا سکا۔ تو کیا معرکے اسی طرح ابدالآباد تک ہوتے رہیں گے ؟

اُس نے یونانیوں کو ایک سے زیادہ مرتبہ شکست دی لیکن اُن کی سپاہ کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ ہر روز نئی قوت کے ساتھ حملہ آور ہوتے ہیں اور اُنکے اسلحہ و ذخائر کی افراط اُنہیں آخر میں فتح کا لالچ دلا رہی ہے۔

لیکن کیا وہ فتحمند ہوتے ہیں ؟

سردار بھیڑیا اپنا گھوڑا پہاڑیوں اور بلندیوں پر کدا تا ہے۔ دُوربین اسکے ہاتھ میں ہے۔ دُوری کا اندازہ لگاتا ہے۔ اور سرعت سے محاذِ جنگ کی تدبیر سوچ لیتا ہے۔ اس فوج میں اچانک پہنچتا ہے۔ وہاں سے نکلتا ہے۔ تو دوسری فوج کو دیکھتا ہے۔ پھر آتشیں میدان میں پہنچتا ہے۔ جہاں گولے اور گولیاں برس رہی ہوتی ہیں پھر فوج میں لوٹ کر آجاتا ہے۔ اور گھوڑے سے اتر کر اپنے افسروں سے باتیں کرتا ہے۔ اور عصمت اور فوزی کے ساتھ کھڑا محاذِ جنگ پر مباحثہ کرتا ہے۔ پھر خود ایک توپ سے گولہ چلاتا ہے۔ اور ایکا ایک کود کر اس بلندی پر چڑھتا ہے۔ جہاں یونانی ترکوں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ اور وہ جگہ ترکوں سے خالی کرانے ہی والے ہیں۔ اپنے سپاہیوں کو فرار کے قریب پاتا ہے۔ اُنہیں جوش دلاتا ہے۔ تقریر کرتا ہے اور اُنہیں قتل کی دھمکی دیتا ہے۔ پھر عجز اور واسطے دیکر اُنہیں ثابت قدم رہنے کی تاکید کرتا ہے۔ آخر شکست فتح سے بدل جاتی ہے۔

رات کے وقت ہم اُسے ہر جگہ دیکھتے ہیں۔

فجر سے کچھ پہلے ہم اُسے اپنے بھاری جوتوں۔ فوجی لباس۔ اور لمبے خاکستری کوٹ کے ساتھ خندق کی زمین پر دراز دیکھتے ہیں۔ یا کسی میدانی توپ کے نیچے۔ اسی طرح جہاں اتفاق ہو گیا۔

صبح سویرے ہم اُسے وہاں دیکھتے ہیں جہاں اس کا ہونا ضروری ہے۔ خطرے کے موقعوں میں۔ ہمیں تعجب ہے۔ کہ اس کی جنگی فطرت کس طرح اسے بذریعۂ القا آگاہ کر دیتی ہے۔ کہ اُسی گھڑی وہ وہاں موجود ہو جہاں اُسے ہونا چاہیئے۔

دن اپنے پورے طول سے گزر جاتا ہے۔ کہ سردار بھیڑیا اسی طرح بلندیوں پر گھوڑا کداتا ہے۔ فوج کو خندقوں میں دیکھتا ہے۔ افسروں سے بات چیت کرتا ہے۔ سپہ سالاروں سے مباحثہ کرتا ہے۔ اور توپیں چلانے میں حصّہ لیتا ہے۔ ہزاروں لاشیں اپنے اردگرد دیکھتا ہے لیکن ذرا التفات نہیں کرتا۔ اپنے کانوں سے ہزاروں آہیں سنتا ہے۔ لیکن اس کی کوئی رگ نہیں کانپتی۔ اور اُس کے چہرے پر ذرا اثر پیدا نہیں ہوتا۔

وہ جنگ کر رہا ہے۔ اور جنگ انسانیت پر ایک ٹیکس کی مانند ہے یہ لاشیں سردار بھیڑیا دل کی خوشی سے عزرائیل کے سامنے پیش کر سکتا ہے۔ لیکن آہیں۔ یہ ضعف دل اور کمزوری عزائم کی علامتیں ہیں۔

بھیڑیا اُنہیں دیکھنا اور سننا نہیں چاہتا۔ اُن کی طرف سے اپنے کان بند رکھتا ہے ۔

ایک دن صبح کو جب آفتاب محاذ جنگ پر طلوع ہوتا ہے۔ تو اپنے معمول کے موافق ہوتا ہے۔ سپاہی یا سپہ سالار اس میں کوئی نئی چیز نہیں پاتے ۔

لیکن سردار بھیڑیا اپنی دوربین سے دیکھتا ہے۔ تو اس میں یہ نئی چیز نظر آتی ہے۔ اور جو اُسی کو نظر آسکتی ہے۔ جو بھیڑیا اور سردار ہو ۔

وہ دیکھتا ہے۔ کہ یونانی ہزیمت و رجعت کے قریب ہیں ۔

اُس کی رائے پر جھگڑنا عبث ہے۔ کیونکہ وہ جھگڑا پسند نہیں کرتا لیکن حملے کا حکم دیتا ہے سخت حملے کا ۔

ترک حملہ کرتے ہیں۔ یونانی اپنے خطوط کی مدافعت میں جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ لیکن انکے گروہ مرنے مارنے کی قوت نہیں پاتے۔ اس لئے ۱۳ ستمبر کو وہ میدان چھوڑ جاتے ہیں۔ اور دریائے سقاریہ کو عبور کر کے بھاگ گئے ہیں ۔

یہ دیکھ کر سردار بھیڑیا لاشوں کی پہاڑی پر کھڑا مُسکرا دیتا ہے ۔

وہ فتح مند ہوا ۔

"ہم نے ابھی فتح نہیں پائی"

یونانی سقاریہ سے شکست کھا کر اسکی شہر کے گرد اپنے اولین مواقع پر آ گئے۔ اور مصطفیٰ کمال انگورہ میں واپس آیا +

انگورہ اپنے ہیرو کا استقبال فاتح غازی کی طرح کرتا ہے۔ اور ترک جو کل تک گولوں کی دھمک سن رہے تھے۔ اور سوچ رہے تھے۔ کہ بھاگ جائیں یا ڈٹے رہیں آج بطل وقت کو اپنے کندھوں پر اُٹھائے جنون فرحت میں نعرے لگاتے اور تالیاں بجاتے ہیں +

مجلس وطنی کبیر کے نمائندے جمع ہوتے ہیں۔ اور مصطفیٰ کمال کو غازی کا لقب عطا کرتے ہیں۔ اور مارشل کا رتبہ +

چند ہفتے کے بعد

مجلس وطنی کبیر کے ارکان کہتے ہیں۔ کہ ہم نے فتح پائی۔ اب دشمنوں کے ساتھ جنگ بند کر دینی چاہیئے۔ اور اتحادیوں کے ساتھ معاہدہ۔ تاکہ کھویا ہوا استقلال واپس لے سکیں +

مصطفیٰ کمال کہتا ہے۔ کہ ابھی ہم نے فتح نہیں پائی۔ بلکہ صرف دشمن کی پیشقدمی معجزانہ طریق سے روک دی ہے۔ لیکن جنگ کا بند کر دینا۔ اور معاہدہ اُسوقت تک نہیں ہو سکتا۔ جب تک ہم دشمن کو بحیرۂ ابیض میں نہ دھکیل دیں +

کئی ہفتے اسی جھگڑے میں گزر جاتے ہیں جنگ بند کر دینے کے حامی آدھی منزل میں جنگ بند کر دینا چاہتے تھے۔ اور معاہدۂ ارزاں پر اُمید لگائے بیٹھے تھے۔ لیکن پختہ عزم آدمی آخری منزل تک چل کر جانا۔ اور دشمن مغلوب کیلئے شرطیں تجویز کرنا چاہتا تھا۔

آخر مصطفیٰ کمال منصور ہوتا ہے۔ تاکہ دوسری جنگ کا آغاز کرے۔

ارکان کہتے ہیں کہ "تم کیوں دشمن پر حملہ نہیں کرتے جب اناطولیہ سے نکالنے کے درپے ہو"۔

مصطفیٰ کمال کچھ جواب نہیں دیتا۔ لیکن معرکۂ قتال کے لئے تیاری کا حکم دیتا ہے۔ جنگی تدابیر میں ترمیم۔ فوج کی بھرتی۔ اور اسلحہ و ذخائر کی خرید شروع کر دیتا ہے پھر روس کے ساتھ معاہدۂ "قرص" مرتب کرتا ہے۔ اور فرانس کے ساتھ "میثاق انگورہ" جو اپنی ضرورت کے تحت اسی ہزار اسیر سپاہی جیش وطنی میں ملانے کے لئے آمادہ کرتا ہے اٹلی اور فرانس سے ہزاروں بندوقیں خریدتا ہے۔ نوجوانوں کو رضاکار بننے کی ترغیب دیتا ہے جنگ پر مستعد ترکوں کے سامنے آتشیں تقریر کر کے انہیں گرم کرتا ہے صلح پر راغب سیاستدانوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور اُن کی سیاست پر دستِ آہنی سے کاری ضرب لگاتا ہے۔

اُس وقت وہ سنتا ہے۔ کہ مردِ خیالی اعدہ جنونی خطہ بنانے والا انور بخارا

کا امیر بنگیا ہے۔ اور جمال حکومتِ افغانستان کا مستشار۔

اُسے دو تار ملتے ہیں۔ ایک میں انور کہتا ہے۔ کہ وہ اپنے ترکستانی سپاہی جیشِ وطنی میں ملانے پر مستعد ہے۔ اور دوسرے میں جمال کہتا ہے۔ کہ وہ افغانستان اور ترکی میں فوجی امداد کا معاہدہ کرا دے سکتا ہے۔ وہ غضب و حقارت سے دونوں تار پھاڑ ڈالتا ہے۔ اور پھر بھیڑیے کی سی غراہٹ سے پکار اُٹھتا ہے "انور اور جمال کو ترکی میں واپس آنے کی اجازت نہیں مل سکتی۔ اور ترکی صرف اپنے ابنائے وطن سے آزادی حاصل کرے گا"۔

اگست ۱۹۲۲ء میں مصطفیٰ کمال محاذِ جنگ کے ملاحظہ کے لئے جاتا ہے۔ جسمیں خفیہ طور پر عصمت و فوزی کو حکم دیتا ہے۔ کہ ۲۶ تاریخ کو حملہ کے لئے تیار رہیں۔

لیکن نقل و حرکت کو پوشیدہ رکھنے اور شبہات سے دور رہنے کی خاطر لشکر کے مابین فٹ بال .... کا مقابلہ کراتا ہے۔ بازیگاہ میں سپہ سالار جمع ہوتے ہیں۔ اُن پر حملے کی تفصیلات ظاہر کرتا ہے۔

پھر انگورہ میں واپس آتا ہے۔ لیکن کسی کو ذرا بھی کسی نئی چیز کے اظہار کا گمان نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ ماہرِ جنگ عین ۲۶ اگست کو رات کے

وقت تمام ارکان مجلس کو دعوت دیتا ہے سخت حملہ کی رات کو پھر عین اسی رات کو بھیڑیا خفیہ محاذِ جنگ میں پہنچ جاتا ہے۔

آگے کو!

۲۶ راگست کو صبح ۴ بجے یہ حکم صادر ہوتا ہے۔

"بہادرو! آگے کو۔ بحیرۂ ابیض کیطرف"۔

سپاہی "دوملو بناز" پر حملہ آور ہو کر دشمن پر اچانک جا پڑتے ہیں۔ اور اُس یوم مجید کا آفتاب ابھی غروب نہیں ہونے پاتا۔ کہ یونانی لشکر کو دو حصوں میں کاٹ دیتے ہیں۔

دشمن کا سپہ سالارِ اعلیٰ اسیر ہو جاتا ہے۔ وہ خود اور اُس کے تمام ارکان حرب۔

معاملہ ختم ہو گیا۔ یونانیوں کو شکست ہوئی۔ لیکن کیسی بڑی شکست!

یہ دیکھئے۔ اُن گے گروہ انتہائی ندامت محسوس کرتے ہوئے پیچھے کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ وہ اس قدر تیز بھاگتے ہیں۔ کہ ہرن انہیں نہیں ملسکتا۔ واپسی میں جس گاؤں سے گزرتے ہیں۔ تباہی۔ موت اور آگ

کے سوا کچھ نہیں چھوڑتے۔ بچوں۔ بوڑھوں اور عورتوں کے پیٹ پھاڑتے ہیں۔ یا انہیں قتل کر دیتے ہیں۔

ترکوں کے گھوڑے ہزیمت خوردہ دشمن کے نشانات پہچانتے ہیں۔ یہ سب کچھ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اور جنونِ حرب سے بے قرار ہو جاتے ہیں۔ پھر رحم نہیں کرتے۔ قتل کرتے ہیں اسیر نہیں بناتے۔ خون میں نہاتے ہیں اور لاشوں پر سے گزرتے ہیں۔

ترکی عورتیں بھی اُلٹ کر بھیڑیے بن جاتی ہیں۔ اور پردوں سے نکل کر مردوں کے ساتھ ساتھ ہتھیار اُٹھا لیتی ہیں۔ اور کاٹنا شروع کر دیتی ہیں۔ ایک گاؤں کی عورتیں ٹوٹی ہوئی بوتلوں کے سر اُٹھا لیتی ہیں۔ اور انہی سے سینکڑوں یونانیوں کو مار ڈالتی ہیں۔

چیلیں لاشوں کے اوپر اڑتی ہیں۔ اور پھر اتر کر بھیڑیوں اور کتوں کے ساتھ ولیمۂ موت میں شریک ہو جاتی ہیں۔ ہوا اپنی فوجوں پر بوئے کریہ لیکر منطقۂ دوملوبنار اور بحیرۂ ابیض کے درمیانی علاقہ میں جو دو سو میل مربع میں پھیلا ہوا ہے۔ زہر پھیلا رہی ہے۔

انگورہ کا بھیڑیا اپنے گھوڑے کی پشت پر دشمن کے تعاقب میں شکستگی آتش زدہ دیہات اور ہزاروں لاشوں کے اوپر سے گزرتا ہے بغیر اس کے کہ اُسکی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک قطرہ گرے۔ یا اُس کے جھکے ہوئے

چہرے پر تاثر کی ادنےٰ سی جھلک نظر آئے۔

وہ چلتا ہے۔ اور چلے جاتا ہے زخمی کا کراہنا نہیں سنتا۔ یا اس بچے کی حالت نزع پر نگاہ نہیں ڈالتا۔ یا اس ماں کی ماَمتا پر جو اپنے بیٹے کی لاش پر بین کرتی ہے۔ وصیان نہیں دیتا۔ یا دشمن پر اس پیرمرد کی لعنتیں۔ بھیڑیوں کی غراہٹ یا کتوں کا بھونکنا اُسے مائل نہیں کر سکتا۔ وہ ہر چیز سے بے پروا ہے۔

وہ چلتا ہے۔ اور چلے جاتا ہے۔ اُس کے سامنے روحیں نکل رہی ہیں گاؤں جلتے ہیں مسجدیں گرتی ہیں کھیتوں میں پودا باقی نہیں رہتا۔ اور گدھ مُردوں پر سے فضا میں چکر لگانے لگتے ہیں۔

وہ چلتا ہے۔ اور چلے جاتا ہے۔ پورے دس دن تک حتیٰ کہ دور سے سمرنا نظر آنے لگتا ہے۔

وہ چلے جاتا ہے حتیٰ کہ تالیوں اور نعروں کے شور میں شہر میں داخل ہوتا ہے۔ وہ چلے جاتا ہے موکب عسکری کے درمیان۔ رسالہ کے سوار تلواریں ننگی کئے ہوتے ہیں۔ دل کی گہرائیوں سے نعرے نکلتے ہیں۔ اور ترک اُس کے قدموں پر۔ ہاتھوں پر۔ اور اس کے گھوڑے پر گرتے ہیں۔ بوسے دیتے ہیں اور روتے ہیں۔

وہ چلے جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بحیرۂ ابیض کا پانی نظر آتا ہے۔ اور وہ مسکرا

دیتا ہے ✦

جیسے کہ برق خاطف چمکتی ہے۔ پھر شب کی تاریکی میں چھپ جاتی ہے۔ اُس کا تبسّم بھی غائب ہو جاتا ہے۔ اور بھیڑیا اسی طرح آہن و برف کا بت بن جاتا ہے جیسا کہ تھا ✦

بلنظیر فریب!

اگرچہ مصطفیٰ کمال نے یونانیوں کو بحیرۂ ابیض میں پھینک دیا ہے لیکن وہ ابھی صلح پر راغب نہیں ✦

اس نے عزم مصمم کر رکھا ہے۔ کہ آخری غیر ملکی سپاہی کو بھی ترکی سے نکال دے تاکہ اس کے بعد شرائط صلح تجویز کر کے اتحادیوں کے سامنے پیش کرے۔ نہ کہ وہ اُس سے گفت و شنید کریں ✦

اگرچہ یونانی اناطولیہ سے نکل گئے تھے۔ لیکن اُن کی فوجیں ابھی تک یورپی ترکی میں پڑی تھیں۔ مصطفیٰ کمال درۂ دانیال کو عبور کرنے پر مُصر ہے تاکہ آخری یونانی لشکر کو بھی فنا کر دے ✦

لیکن یکایک اتحادی پیچیدگی راستے میں حائل ہو جاتی ہے۔ انگریزوں نے منطقہ چناق قلعہ میں فوجیں جمع کر رکھی ہیں۔ اور وہ ترکی فوجوں کو منتشر بیں

کیطرف گزرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ لیجیئے وہ ترکمن کے طلایہ کے مقابل کھڑے ہوگئے ہیں۔ اور گولی چلانے کی دھمکی دے رہے ہیں۔

انگورہ میں مجلس وطنی کبیر گومگو کی حالت میں ہے۔ نمائندے دو فریقوں میں بٹ گئے ہیں۔ ایک فریق جنگ موقوف کرنے اور اتحادیوں کے ساتھ گفت و شنید کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اور دوسرا انگریزوں پر حملہ کرنے اور ان سے فیصلہ کن نبرد آزمائی کو فرض سمجھتا ہے۔ پھر جو ہو سو ہو۔

فریقین کے درمیان سخت ڈپلومیسی جنگ ہوتی ہے۔ مصطفیٰ کمال دو متضاد لہروں کے درمیان کھڑا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ وہ نہ تو ایک فریق کی رائے قبول کرتا ہے۔ نہ دوسرے کی۔ ارض ترکیہ سے آخری اجنبی سپاہی نکال دینے سے پہلے صلح کرنا بھاری صدمہ ہے۔ اور انگریزوں سے نبرد آزما ہونا اس سے بھی بھاری۔ طوفان کے ٹھنڈا ہونے تک صبر کرو۔"

اپنے مکان میں واپس آتا ہے۔ اور اول سے آخر تک حالت کا جائزہ لیتا ہے۔ کئی تجویزیں سوچتا اور یکے بعد دیگرے ان پر مباحثہ کرتا۔ آخر ایک لاجواب تجویز پر قائم ہوکر فوجوں کو بندوقیں نیچی کئے انگریزی خندقوں کی طرف بڑھنے کا حکم دیتا ہے جس سے یہ گمان ہو کہ وہ انگریزوں سے جنگ کرنا نہیں چاہتے۔

ترکی سپاہ انگریزی خندقوں کیطرف سست رفتاری اور جھکی ہوئی بندوقوں کے ساتھ بڑھتی ہے۔ انگریز یہ پُرامن پیشقدمی دیکھکر متحیر ہو جاتے ہیں! وہ

اپنے افسروں سے مشورہ کرتے ہیں کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ افسر جرنیلوں سے پوچھتے ہیں۔ اور جرنیل اپنے سپہ سالارِ اعلیٰ سر چارلس ہیرنگٹن سے دریافت کرتے ہیں ہیرنگٹن کے ہونٹ دہشت سے کھلے رہ جاتے ہیں۔ اور وہ خود متحیر ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کہ ہیرنگٹن ترکوں سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پھر انگریزی رائے عامہ ہر اس شخص کی سختی سے مخالفت کرتی تھی۔ جو نئی جنگ کا سبب بنے۔ اور اتحادی ڈرتے تھے۔ کہ انگریزوں کے ساتھ ترکوں کی معرکہ آرائی نئی جنگ عالمگیر کا پیش خیمہ نہ ہو۔

مصطفیٰ کمال سیاست کے سٹیج پر اس ڈراما کے سین دیکھتا ہے جو اس نے تیار کیا تھا۔ اور مسکرا دیتا ہے۔ اور جب حکومتِ فرانس کا نمائندہ فرانکلن بویون اندر آتا ہے۔ اور اس سے بہ عجز و نیاز لشکر کی پیشقدمی روک دینے کی خواہش کرتا ہے۔ اس خوف سے کہ ہوا میں کیا ہوا ایک قیر بھی جنگ کیطرف رہنمائی کرے گا۔ تو مصطفیٰ کمال اُسے یہ خشک جواب دیتا ہے کہ وہ اس تیر کا بے صبری سے انتظار کر رہا ہے۔ آئندہ جنگ کے خیال سے فرانکلن بویون کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور وہ سوچتا ہے کہ کمال نئی جنگ کا اعلان کرنا چاہتا ہے۔ جسمیں روس اس کی تائید کریگا۔ وہ ہر چیز کی تصریح اور ہر چیز تسلیم کرتا ہے۔ یونان اتحادیوں سے اقرار کرتا ہے کہ وہ یورپی ترکی کو خالی کر دیگا۔ اتحادی فوج تسلط کو علیحدہ کرنے پر رضامند

اور قبول .... صلح کا اقرار کرتے ہیں۔ فرانکلن بوئیون کے اصرار اور اس کی ذمہ وارانہ شرائط تسلیم کرنے کے باعث مصطفیٰ کمال لشکر کی پیشقدمی کو روک دینا قبول کرتا ہے یہ اتحادیوں پر اس کا فضل و احسان ہوگا جنہیں اعتراف احسان کے ساتھ قبول کرنا چاہئے۔

۹ اکتوبر کو قریہ "موودانیہ" میں صلحنامۂ عصمت کے ہاتھ پر تکمیل پذیر ہوتا ہے۔ اور اس کے چند دن بعد ایک یونانی بھی یورپی ترکی میں باقی نہیں رہتا۔

مصطفیٰ کمال کو جیسا کہ میں جانتا ہوں

معجزہ پورا ہوا۔ مصطفیٰ کمال نے فتح پائی اور آنا فانا تسلط میں سے استنبول میں سوا انگریزی مضحکہ خیز فوجوں کے کچھ نہیں رہا جنہیں جہاز ان کے ملک میں منتقل کر دینگے۔ اور غدار خلیفہ جو پتھر کی طرح ایک طرف پھینک دیا جانے والا ہے۔

مصطفیٰ کمال اس وقت بطل وقت بطل مشرق اور بطل عالم ہے۔

یہ مرد نحیف جھکے ہوئے چہرے اور بھیڑیے کی سی چمکیلی آنکھوں سے



سمرنا کا کونک سکیتر

نصرت و فخر کی چوٹی پر عزت و نشان کے ہالے کے وسط میں کھڑا ہے۔

ترک دل کی گہرائیوں سے پکارتے ہیں "غازی مصطفیٰ کمال زندہ باد"!

مشرقی پکارتے ہیں "بطل مشرق زندہ باد"!

اسلام نعرہ لگاتا ہے "سیف الاسلام زندہ باد"!

مصر، شام، عراق، ایران، افغانستان، ہند، چین، جزائر الہند شرقیہ، حجاز، یمن، سوڈان، حبشہ، تونس، جزائر اور مراکش سے دعوتیں، تسبیحیں، قرآن کریم، تلواریں اور جواہر سے مرصع خنجر پیش ہوتے ہیں۔

ان تمام ملکوں میں ہر شہر میں، ہر گاؤں اور ہر گھر میں مسلمان بطل مشرق و اسلام کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔ کروڑوں مسلمان جو جنگ عظیم کے بعد غلام و ذلیل بنکر نکلے تھے، تمنا کرنے لگتے ہیں۔ کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرائے، اور غازی مصطفیٰ کمال سیف اسلام اور علم اسلام اٹھا کر عامۃ المسلمین کو دعوت جہاد دے۔ حریت کی خاطر، مشرق کی خاطر۔ اسلام کی خاطر۔

عثمانی شہنشاہیت کے دعویدار ترک یہ خواہش ظاہر کرنے لگتے ہیں کہ کیا اچھا ہو۔ اُن کا سپہ سالار دوسرا محمد فاتح بنکر نئے سرے سے شہنشاہیت کی بنا ڈالے۔

اس عالم شعلہ افروز، اس شدت جوش، اس سیل بے پناہ اور

تیسرا باب

فریبی جوش۔ خلافت شہنشاہیت اور اتحاد اسلام مشرق کو محض قبور اولیا کیطرف لے جا سکتے ہیں۔ جہاں کمزور دل آنسو بہاتے اور رحم کے طالب ہوتے ہیں" ؎

نشۂ فتح سے بدمست ہوجاتا۔ شرق آتش گرفتہ کو اپنی حالت سے باہر کر دیتا۔ اور اپنی نادانی سے اُس کی سیاست کو تباہ کر دیتا۔ جیسے کہ عثمانی شہنشاہیت اپنے آخری زمانے میں چل کر تباہ ہوئی۔ وہ خود بھی برباد ہوتا اور اپنے ساتھ تمام مشرق کو بھی برباد کر دیتا ✦

اگر ہم اُسے فتح و افتخار کی بلندی پر ہالۂ عزت وشان کے وسط میں دیکھیں تو وہ آہن و برف کا ٹکڑا نظر آئیگا۔ اور اُس کی آنکھیں چمکتی ہوئی لیکن وہ شرق و غرب اور شمال و جنوب میں صرف ترکی حدود تک دیکھتی ہوں گی۔ اور اسکے منہ سے ایسے کلمات سنیں گے جیسے بہتا ہوا فولاد ✦

"جذبات دور ہوں۔ فریبی جوش اور ضعیف دینی تعصب برباد ہوئیں بطل مشرق نہیں ہونگا۔ اور نہ بطل اسلام مغرب کا مقابلہ نہیں کرونگا۔ عداوت مغرب سے تباہی دیکھ لی مسیحیت کا مقابل نہیں ہونگا ہم صدیوں تک اس کے مقابل رہے۔ اور یہ ہیں ہم شکست خوردہ و پامال شدہ ✦

"اتحاد اسلام اور جہاد دینی عداوت یورپ کو جگاتے ہیں۔ اور ہم سے چاہتے ہیں۔ کہ ہم اُس کے غلام بنکر جئیں۔ میں جیونگا۔ اور ترک جئیں گے۔ ..... لیکن بس ترکی کی خاطر۔ ہماری حدود اس سے تجاوز نہیں کریں گی یورپ کی صداقت لازوال ہے۔ اُس کا تمدن اختراعات اور علوم کی راہیں ہمارا دین ہیں لیکن اسلام دین اللہ ہے جو کہ نئی یورپ کے تعصب و عداوت

کو جوش دیتا ہے ہیں اُسے صفحۂ دنیا سے محو کر دونگا۔ جاہل اور متعصب شیوخ سے دور رہنا بہتر تعصب اور جو اس پر جان دیتا ہے اس سے الگ رہنا بہتر خلافت دور ہو۔ اور ہر وہ شخص دور ہو۔ جو ذہنوں کو عہد خلافت کی طرف رجوع کرے۔ اور عداوت یورپ کو جگلتے۔ دین میرے اور میرے رب کے درمیان ہے۔ لیکن دنیا میرے اور مغرب کے درمیان۔ اس لئے جبتک زندہ ہوں۔ اپنی دنیا اور دین میں فرق رکھونگا۔ یہ ہے میرا پیغام دنیا کے لئے۔ اور بالخصوص مشرق کے لئے ۔

"وہاں۔ دور ترکستان میں ایک پہاڑی پر قبر ہے۔ جو قبور اولیا کی طرح زیارت گاہ ہے۔ ترکستانی اس کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ اور اپنے گرم آنسوؤں سے اسکے پتھروں کو تر کرتے ہیں ۔

"ان پتھروں کے نیچے ہڈیاں ہیں الور۔ مرد جذبات کی۔ مرد جوش اور مرد فریب خوردہ کی۔ مرد خلافت کی۔ مرد شہنشاہیت کی۔ اور مرد اتحاد اسلام کی ۔

"یہ شخص سیف اسلام۔ اور سیف مشرق مجاہد کی شہرت کی خاطر فنا ہو گیا۔ جس کے مقابل روس تھا۔ اور جس کے روبرو متعصب مغرب"

" پھر اُس کے نصیب میں کیا تھا۔ سوا آنسوؤں کے ؟

"بدبخت ہیں۔ وہ رونے والے اور اُن کے گرم آنسو۔ کیونکہ جذبات

اتنا ہے۔ کہ میں تمام مشرق کی خیر و حریت کا طالب ہوں"۔

اسلام کو سیف و جہاد سے قائم کرنے والوں سے کہتا ہے کہ "نہیں .... ہم حروب صلیبیہ کے زمانے میں نہیں! اسلام کو اپنی شان پر چھوڑ دو۔ اور اپنی حریت کے لئے جہاد کرو۔ اگر تم نے آزادی حاصل کر لی۔ اور نقشۂ دنیا پر چند آزاد اسلامی حکومتیں نظر آئیں۔ تو یقین کرو۔ کہ اسلام دوبارہ زندہ ہو گیا۔ غلامی کی حالت میں اسلام کے لئے جہاد کرنا خود اسلام کے خلاف اعلان جنگ ہے"۔

لیکن بالشویک جو نیا نظام عالم لے کر آئے ہیں۔ قرنائے مشرق بجا کر اُسے ملانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور خلیج کو عبور کر کے مشرق تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ اُن سے کہتا ہے "تم کہتے ہو کہ تم طبقات مستعبدہ کے گلے سے غلامی کا جوا اُٹھاؤ گے۔ میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ میں طبقات مستعبِدہ (غلام بنانے والے) اور طبقات مستعبَدہ (غلام بننے والے) کچھ نہیں جانتا: میں تو یہ جانتا ہوں۔ کہ جو لوگ دوسروں کو غلام بنانے کی اجازت دیتے ہیں۔ انہیں ذلت و غلامی میں فنا ہو جانا چاہئے ہمیں بالشویت سے باز رکھو میرا اُس پر عقیدہ نہیں۔ آؤ۔ حملہ و مدافعت پر اتفاق کریں۔ جیسا کہ تمام غربی حکومتیں کرتی ہیں"۔

یہ مرو جبار۔ ہاں "کسی سے نہیں کہتا۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا۔ تو

اس شرق آتش گرفتہ کے وسط میں وہ مرد نحیف اپنے جھکے ہوئے چہرے اور بھیڑیے کی سی چمکیلی آنکھوں کے ساتھ اُسی طرح آہن و برف کا ٹکڑا بنا کھڑا ہے۔ جیسا کہ تھا۔

وہ عثمانی شہنشاہیت کے دلدادوں سے کہتا ہے۔ کہ نہیں......

کرم خوردہ ہڈیوں کو اُن کی قبروں میں چھوڑ دو۔ اور اموات کو عالم اموات میں پریشان نہ کرو۔ ہم مُردوں کو زندہ نہیں کریں گے۔ اور برباد شدہ و فنا شدہ کو دوبارہ نہیں بنائیں گے۔"

اتحاد اسلام چاہنے والوں کو جواب ملتا ہے۔ کہ "نہیں۔ میں برق و آہن کے اس دورِ جدید میں اتحاد اسلام پر ایمان نہیں رکھتا۔ میں صرف حکومت مستقلہ اور عام قانونِ دولی میں معروف حدود کو جانتا ہوں۔ اگر کچھ اتفاق ہو سکتا ہے۔ تو وہ جارحانہ و مدافعانہ معاہدہ سے ہو سکتا ہے۔ اور ایسے معاہدات صرف ان دول مستقلہ سے کر سکتا ہوں۔ جو صاحب سیادت و قوت ہوں۔ اور جو مصلحت میں اپنے سامنے دیکھتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔ کہ ایک اور ایک دو ہوتے ہیں......"

امداد کے خواہشمندوں کو جواب دیتا ہے۔ کہ "نہیں...... میں کس طرح تمہیں مدد دوں۔ جب ہم خود مدد کے محتاج ہیں! میں علی رؤس الاشہاد یہ اعلان کرتا ہوں۔ کہ میں کسی کو مدد نہیں دوں گا۔ بس

عہدِ جدید

"یقیناً ہم نے تھوڑی سی مدت میں پُر ثمر اور عظیم کام انجام دیئے ہیں۔ اور اُن سب میں اہم و عظیم کام جمہوریت ترکیہ کا اعلان ہے۔ جو قوم کی بہادری اور ثقافتِ عالیہ پر قائم ہے۔ ہم پر واجب ہے کہ فتح کے ارادۂ آہنی کے اعتماد پر جس کا اظہار ہماری قوم اور لشکر جرار کی طرف سے ہوا۔ اس نظام کی کامیابی میں ساعی رہیں۔ جو کچھ اب تک ہم نے انجام دیا ہے ہیہات اگر اسے کافی سمجھ لیں۔ بلکہ ہم پر واجب ہے۔ اور ہمیشہ یہ ذہن میں رہے۔ کہ ہم دوسرے کام انجام دیں۔ جو سب کاموں سے بڑھ چڑھ کر ہوں۔ اپنے وطن کو اتنا بلند کریں کہ وہ کثرت میں اقطار عالم میں بڑا ہو۔ اور تمدن میں زیادہ ترقی یافتہ۔ اپنی قوم کے لئے وسائل خوشحالی اور دولت کے مواقع بہم پہنچائیں۔ اس کے لئے ذرائع عیش و نشاط مہیا کریں۔ اور اپنی ثقافت وطنی کی تعمیر ہم عصر تمدن کی سطح سے بالاتر ہو"۔

کمال اتاترک

اکتوبر ۱۹۳۳ء

قاصدِ انگورہ استنبول میں

۱۸ / اکتوبر ۱۹۲۲ء کی صبح !

استنبول کیوں اپنے باشندوں کو گھروں سے نکالکر اتنے سویرے سڑکوں میں دھکیل رہا ہے ؟

راستے مردوں۔ عورتوں اور بچوں سے ٹھاٹھیں مار رہے ہیں ہر شخص اپنے ہاتھ میں جھنڈا اور مصطفیٰ کمال کی بڑی تصویر لئے ہوئے ہے۔ ساحل باسفورس پر تل دھرنے کو جگہ نہیں ملتی ۔

سب تکبیر اور لا الٰہ الا اللہ کے نعرے لگا رہے ہیں ۔

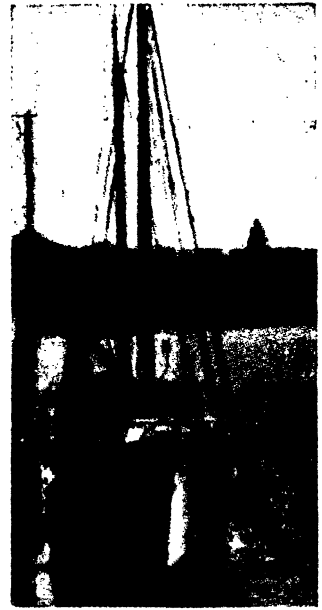
آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ دوپہر بلند ہوتی ہے! اور بعد ظہر دو بجتے ہیں کہ دور سے جہاز "جول نہال" دکھائی دیتا ہے ۔

چند منٹ اور گزر جاتے ہیں تو دل دھڑکنے لگتے ہیں! اور اس عرصے میں جہاز صفحۂ آب سے آہستہ آہستہ چل کر مینار کے قریب ہو جاتا ہے جھنڈیوں اور پھولوں سے بنے ہوئے حلۂ ظفر سے آراستہ ۔

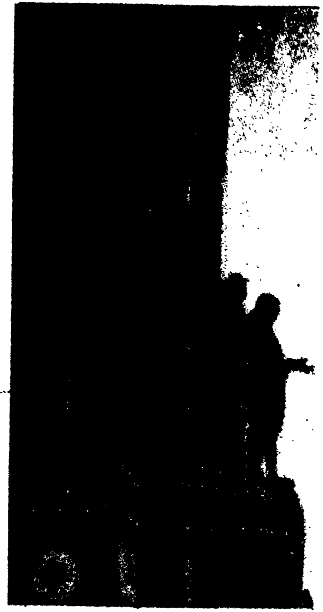
فلک شگاف نعرے بلند ہوتے ہیں۔ اور سطحِ آب میں اہتزاز پیدا ہو جاتا ہے ۔

"قازی مصطفیٰ کمال پاشا زندہ باد" ۔ ..... "رافت قاصد انگورہ

مقابل صفحہ ۲۳۲



پرانے پل پر سے قسطنطنیہ کا ایک منظر



قسطنطنیہ میں غازی مصطفےٰ کمال کی یادگار میں ایک مجسمہ

زندہ باد"۔

ہزاروں کشتیاں جہاز کی جانب تیرتی ہیں۔ اور اُن میں لاکھوں اہل استنبول وسعت بحر میں قاصد انگورہ کے استقبال کے لیے پہنچتے ہیں اگر آپ اُن کے نعرے سنتے تو وہ ایسے تھے جنہیں آب باسفورس کبھی فراموش نہیں کرے گا۔ جہاز کنارے سے آکر لگتا ہے۔ اس میں سے مصطفیٰ کمال کا سفیر استنبول رافت پاشا اترتا ہے۔ اور اس کے گرد ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہوتا ہے۔

مرد پست قامت۔ دبلا پتلا۔ نہایت پاکیزہ فوجی لباس میں۔ سر پر بلند قلپاق۔ ہونٹوں سے تبسم کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتا۔ اور آنکھوں میں ذہانت کی چمک۔

جونہی رافت جہاز سے اترتا ہے۔ تو آدمیوں کے بحر زخار میں گم ہو جاتا ہے ہاتھ اُس کی جانب بڑھتے ہیں۔ اور اسے اپنے کندھوں پر بلند کر لیتے ہیں وہ بلند ہوتا ہے۔ لیکن پست قامتی کے سبب جمہور کے درمیان نمایاں نہیں ہو سکتا۔

پاشا ! پاشا !! بیک پاشا !!

جوان۔ بوڑھے۔ مرد۔ عورتیں بچے سب نشۂ ظفر میں سرشار ہیں اور کس قدر سرشار۔ ان میں سے غمگین بھی تالیاں بجاتے اور نعرے لگاتے ہیں۔ ہوا میں اچھلتے ہیں۔

استنبول کے کوچے ایسا پرجوش مظاہرہ دیکھتے ہیں جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو حتیٰ کہ سلاطین کے زمانہ میں اور فتحمند غازیوں کے استقبال کے وقت بھی۔

کچھ تعجب نہیں۔ کیونکہ غلام زیر تسلط پایہ تخت آزاد پایۂ تخت کے قاصد کا استقبال کرتا ہے اور اس شہر ذلیل واسیر نے اپنے کندھوں سے غلامی کا جوا اتار پھینکا ہے۔ اب پہلے کی طرح آزاد ہے اور اپنی آزادی پر مسرور۔ وہ افراد جنہیں عدوئے غاصب کی بیڑیاں دل شکستہ و محزون کئے ہوئے تھیں اب راحت کا سانس لیتے ہیں۔ وہ ہر امید کھو چکے تھے۔

آفتاب غروب ہوتا ہے۔ لیکن جمہور کے گروہ غروب نہیں ہوتے۔ نور اپنے بستر میں سو چکا ہے۔ لیکن ہیہات اگر عامۃ النّاس بھی بستروں پر دراز ہوں۔

عمر بھر میں یہ پہلی رات ہے اس لئے کچھ حرج نہیں۔ اگر اسے فرحت و سرور اور لاالٰہ و تکبیر میں گزار دیں مشعلیں رات کو دن بنا دیتی ہیں۔ اور دولت مساجد و منازل کو غرق انوار کر دیتی ہے۔ استنبول اپنی اس حالت میں دیکھنے کے قابل ہے پھر جو آپ دیکھتے ہیں کتنا جمیل ہے۔ آپ ضیائے نور کی لہریں دیکھتے ہیں۔

بیرو کی ایک گلی میں نوجوانوں کا ایک گروہ سابق وزیر اور موجودہ اخبار

نویس علی کمال کو دیکھ لیتا ہے۔ یہ غدار اور رشوت خور اس تمام وقت میں تحریک وطنیت کے مٹانے کی منادی کرتا رہا۔ اُسے موٹر سے اُٹھا کر باسفورس کے کنارے پرے جاتے ہیں۔ اور وہاں سے ازمیت میں حاکم شہر نور الدین پاشا کے حوالے کر دیتے ہیں۔ حاکم کے گھر سے غدار کو جیل کیطرف لے جاتے ہیں۔ جونہی عوام اُسے سپاہیوں کی حراست میں دیکھتے ہیں۔ اس کے منہ پر تھوکتے ہیں لاتوں مکوں اور پتھروں کی بارش کر دیتے ہیں حتیٰ کہ وہ بدترین موت مرجاتا ہے۔ جس کا وہ خود اور اس کے قماش کے دوسرے لوگ مستحق ہیں۔

علی کمال کے حال کی خبر جب وحید الدین کے کانوں تک پہنچتی ہے۔ تو اس کا دل خوف ورعب سے بھر جاتا ہے۔ اور کہتا ہے "کیا وطن پرستوں نے ہمارے ساتھ ایسا برتاؤ کرنے کا تہیہ کر لیا ہے"؟

پھر فوج تسلط کے سردار ہیرنگٹن سے استدعا کرتا ہے۔ کہ زیادہ سپاہیوں سے اس کے قصر کی حفاظت کرائے۔ چنانچہ اس کا کہا دوست دو جنوں انگریزی سپاہی اس کے قصر کی حفاظت کے لئے بھیجدیتا ہے۔

اس حفاظت سے بھی خلیفہ کا ڈر کم نہیں ہوتا۔ اور وہ اپنے دوست ہیرنگٹن کو درمیانی واسطہ قرار دے کر رافت پاشا سے ملاقات کا وقت مقرر کرتا ہے۔ تاکہ حالاتِ مستقبل کے متعلق گفتگو کرے۔

وقتِ ملاقات ۲۹ اکتوبر چھ بجے شام قرار پاتا ہے۔

اس وقت رافت پاشا قصر یلدز کے دروازوں میں سے گزرتا ہے اس سے بے پروا ہو کر جسے "پروٹوکل" اجازت نامہ کہتے ہیں۔ اپنے فوجی لباس میں اور پیٹی میں پستول لگائے اندر داخل ہوتا ہے۔ پھر وحید الدین سے ملاقات کرتا ہے۔

دونوں آدمی رو در رو کھڑے ہوتے ہیں۔

یہ پیر شصت سالہ ہے۔ جس نے ولیعہدی کی عمر حرم سراؤں میں گزاری اور عیش و عشرت میں غرق رہا۔ اپنی سلطنت کا تمام زمانہ متواتر شکستوں میں کاٹا جس کی ابتدا جنگ عظیم سے ہوئی۔ یا پھر اُس جنگ خون آشام سے جس کا ظہور جنگ آزادی کے نام سے ہوا۔ پھر ملوروس کی صلح پر موافقت کی تِ ملک کو دشمنِ غاصب کے حوالے کیا۔ اس کے لشکر کے لئے دروازے کھول دیئے۔ سمرنا پر یونانی تسلط منظور کیا۔ مصطفیٰ کمال کو مشرقی اناطولیہ سے ترکی فوجوں کی علیحدگی کا حکم دیا۔ تحریک وطنیت کا اس کے عالم طفولیت میں مقابلہ کیا۔ اور اس پر کُردوں اور انگریزی جاسوس کو مسلط کیا۔ اپنے ملعون فرمان کے ذریعے سے جو یونانی طیاروں نے تمام اناطولیہ میں تقسیم کیا تھا۔ وطن پرستوں کا خون مباح کیا۔ معاہدہ سیورے اور "سیاہ چمگادڑ" کی حکومت پر رضامند رہا۔ اور تمام جنگ آزادی میں انگریزوں اور یونانیوں سے ملا رہا۔ وہ ان حادثات کو دیکھتا ہے۔ لیکن حرم سراؤں میں دادِ عیش دیتا ہے غدّاری

کے گڑھے میں لتھڑا اور بستر ذلت پر اوندھے منہ بدمست پڑا رہتا ہے۔

اور وہ آدمی۔ اُسے وطن نے بلایا۔ تو لبیک کہا۔ جہاد نے جسے چمکایا۔ جس نے خون بہایا اور فتح حاصل کی۔ دونوں شخص بالمقابل کھڑے ہوتے ہیں۔ غدار خلیفہ کوشش کرتا ہے۔ کہ رافت سے حکومتِ انگورہ کی رائے معلوم کرے۔ لیکن رافت اس کی بات سختی سے کاٹ کر کہتا ہے" جناب موقع کی نزاکت اس سے زیادہ تاخیر کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ یہ ناممکن ہے۔ کہ ترکی میں دو حکومتیں قائم رہیں۔ ایک استنبول میں اور دوسری انگورہ میں۔ کیا آپ اس امر واقع کے آگے جھک سکتے ہیں۔ اور حکومتِ بابِ عالی کو حکومتِ انگورہ کے حوالے کر کے اس دوعملی کو بند کر سکتے ہیں جو مصلحتِ ملکی کی راہ میں حائل ہے"؛

وحیدالدین مکر و حیلہ سے کام لیتا ہے۔ اور دستور اور اس کے متعلق اپنے فرائض بیان کرنے لگتا ہے۔ پھر کہتا ہے۔ کہ حکومتِ انگورہ ملک کی صحیح نمائندگی نہیں کر رہی۔ اور بہت سی باتیں کہنے کے بعد خاتمۂ کلام پر حکومت انگورہ کی نیت کے متعلق سوال کرتا ہے۔ رافت اُس کے روبرو پکار کر کہتا ہے۔

"آپ اُن سے کس بات کے متوقع ہیں۔ جن پر آپ نے قتل کا حکم صادر کیا؟ مجلس وطنی کبیر اعدائے وطن سے آپ کے دوستانہ تعلقات دیکھنے کے

بعد آپ کو سلطان ترکی قبول کرنے سے انکار کرتی ہے۔ اور غالباً آپ بھی اب خلافت اسلامیہ کی روحانی قوت سے علیحدہ رہ کر ذرا آرام کرنا پسند کریں گے"۔

وحیدالدین کے چہرے پر موت کی زردی چھا جاتی ہے لیکن جلد ہی اپنی حالت پر قابو پا کر جواب دیتا ہے۔ کہ "مسئلۂ خلافت زیادہ اہم ہے۔ اُس سے کہ حکومت اُس کے متعلق فیصلہ صادر کرے۔ یہ مسئلہ تمام مشرقِ اسلامی کا مسئلہ ہے۔" پھر رافت کو دھمکی سے ڈرانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ "حکومت استنبول کی بقا سے مفر نہیں" رافت غصے سے دانت پیس کر کہتا ہے:-

"جناب! یہ ہرگز نہ بھولئے۔ کہ آپ ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ اور اگر آپ کے وزراء قوم کی مرضی کے خلاف اپنے بقائے مناصب پر اڑے رہے۔ تو ان میں ہر ایک کے لئے پھانسی کا پھندا ہے"۔ رافت نکل کر چلا جاتا ہے۔ وحیدالدین ایک نرم نشست پر گر جاتا ہے۔ اور خلیفہ کے سامنے ڈراؤنے خیالات آنے لگتے ہیں۔ جو قربِ خاتمہ کا اعلان کر رہے ہوتے ہیں۔

سلطنت کا خاتمہ

انگورہ فتح کے بعد......

دنیائے عیش و نشاط زوال پذیر ہے۔ اور اگر آپ قریہ پر نگاہ ڈالیں گے تو ویسا ہی نظر آئے گا جیسا کہ تھا۔ وہی پرانے مکان حقیر جھونپڑیاں اور پتھروں پر خستگی نمایاں۔

معرکۂ قتال کے بعد اب معرکۂ سیاسی کی ابتدا ہوتی ہے مجلس وطنی کبیر کے نمائندے حصول معاہدہ کے لئے ایسے وسائل خیر پر مباحثہ کرتے ہیں جو آزادی وطن واپس لاسکیں۔ زعمائے مجلس رنج کے ساتھ صدا دار ارکان وفد کیطرف دیکھتے ہیں۔

جب استنبول کی خبر انگورہ میں پہنچتی ہے۔ اور جب نمائندے اس تاریخی ملاقات کے متعلق سنتے ہیں۔ جو رافت اور وحید الدین کے مابین ہوئی۔ تو ان کے دل شک سے بھر جاتے ہیں۔ اور خلافت و سلطنت کے متعلق کمال کے ناخوشگوار خیالات دیکھ کر انہیں رنج ہوتا ہے۔

ہاں وہ وحید الدین سے نفرت کرتے ہیں۔ اور اس کے عہد تاریک پر لعنت بھیجتے ہیں...... لیکن وہ نہ خلافت سے نفرت کرتے ہیں نہ سلطنت سے۔ بلکہ وہ سلطان و خلیفہ سے علیحدہ ترکی کا تصور بھی نہیں

کرسکتے۔ جمہوریت اُن کے خیالات میں کچھ اہمیت نہ رکھتی تھی +

رؤف بے جواب مجلس میں تحریک مخالفت کا سربراہ ہے۔ کثرت کیساتھ سرگوشی آہستہ کلامی اور سیاسی چالاکی سے کام لیتا ہے۔ اور مصطفیٰ کمال فضائے مجلس میں کسی عجیب چیز کو محسوس کرتا ہے۔ وہ چیز جس سے عقل و منطق انکار کرے۔ اور وہ سیاسی پروگرام قبول نہ کرے۔ جو وہ اپنے خیال میں وضع کر چکا تھا۔ اور صفحۂ ذہن پر نقش +

ایک دن رؤف مجلس وطنی میں مضطرب و بے قرار اس کے کمرے میں داخل ہو کر اہم امور کی وضاحت کا طالب ہوتا ہے۔ اپنے مکان پر اُسے مدعو کرتا ہے۔ اور علی فواد پاشا کی حاضری کی اجازت چاہتا ہے۔ کمال اس کی دعوت قبول کر لیتا ہے +

رؤف کے مکان میں چاروں جمع ہوتے ہیں۔ کمال۔ رؤف رافت اور علی فواد۔ رؤف ابتدائے کلام کر کے کہتا ہے۔ مجلس میں اس خبر کی اشاعت سے سخت قلق پیدا ہو گیا ہے۔ کہ مقام سلطنت کو بند اور خلافت کو توڑنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور رؤف کمال کی آئندہ تدابیر کو شک و شبہ کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ اس لئے عرض کرتا ہے۔ کہ مقام سلطنت و خلافت کی طرف سے سرکاری بیان کے ذریعے سے مجلس کا اطمینان کر دیا جائے۔ مصطفیٰ کمال اپنا پارٹ پوری مہارت و قابلیت سے ادا کرتا ہے۔ تھوڑی دیر تک اپنی

مونچھوں سے کھیلتا رہتا ہے۔ پھر سگرٹ سلگاتا ہے۔ اور بالکل سکون سے سلطنت و خلافت کے متعلق رؤف کی ذاتی رائے پوچھتا ہے۔ رؤف کہتا ہے۔ کہ وہ بحساس وجدان میں خلافت و سلطنت کے ساتھ وابستہ ہے۔ کیونکہ اُس کا والد نعمت سلطنت کے سائے میں پلا اور دولت عثمانیہ کا رکن بنا۔ اور اُس نعمت کے ذرات اس کی رگ رگ میں بھرے ہوئے ہیں۔ وہ کفران نعمت نہیں کر سکتا۔ اور سلطان کے ساتھ اپنی وفا کی حفاظت ضروری سمجھتا ہے۔ خلافت سے اس کا واسطہ اس کی تربیت دینی کی وجہ سے ہے۔ ان سب باتوں کے علاوہ ترکی میں امور کی انجام دہی بغیر سلطنت و خلافت کے ناممکن ہے۔ اور آخر میں کہتا ہے۔ کہ اس مقام جلیل کے توڑنے کی کوشش بلاشبہ سخت صدمات کا باعث ہوگی ؎

پھر کمال رافت کی رائے پوچھتا ہے:۔

وہ کہتا ہے۔ کہ وہ بھی رؤف کی رائے سے متفق ہے۔ اور سلطنت و خلافت کے بغیر کسی ادارہ کا تصور بھی اس کے خیال میں ناممکن ہے ؎

علی فواد سے پوچھتا ہے۔

تو وہ بڑی قابلیت سے گریز کر کے کہتا ہے۔ کہ وہ حال ہی میں ماسکو سے واپس آیا ہے۔ اس لئے اس مسئلہ میں کچھ رائے نہیں دے سکتا ؎

محفل پر چند منٹ تک خاموشی چھائی رہتی ہے جس میں کمال موقع کی اہمیت کا اندازہ لگا لیتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اپنی فطری بے پروائی اور مہارت سے اس کی تدبیر سوچ لیتا ہے۔ اور خوفناک آنکھوں سے حاضرین کو گھورتا ہوا جواب دیتا ہے۔ کہ جس مسئلہ کے متعلق آپ لوگ گفتگو کر رہے ہیں وہ آج کا مسئلہ نہیں۔ اس لئے مجلس کے بعض آدمیوں...... کا پر قلق ہونا بے محل ہے۔

معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس جواب سے رؤف کی تسلی ہو گئی تھی لیکن وہ گھر جانے کے لئے نہیں اٹھتا۔ نفسِ موضوع پر گھنٹوں بحث کئے جاتا ہے۔ حتّٰی کہ آدھی رات گزر جاتی ہے۔ اور پھر صبح .... آخر کمال سے وعدہ لے لیتا ہے۔ کہ وہ مجلس وطنی میں پر قلق نمائندوں کا اطمینان خاطر کر دے۔ کمال مباحثہ کی چند باتیں پنسل سے لکھ لیتا۔ اور بیان دینے کا وعدہ کرتا ہے۔

اسی دن کمال اپنا بیان پڑھتا ہے۔ نمائندگان مجلس اس خیال میں تھے۔ کہ وہ مقام خلافت و سلطنت سے عدم تعرض کا پختہ وعدہ کرے گا۔ لیکن اس نے کچھ وعدہ نہیں کیا۔ اور جتنا رؤف بے سے کہا تھا اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتا۔ کہ

"مسئلہ خلافت آج کا مسئلہ نہیں"۔

پھر کمال مجلس میں یوم سلطنت کا منتظر بیٹھ جاتا ہے۔ جیسے ایک تماشا اپنے کھلاڑی کھیل کی کامیابی کا انتظار کر رہا ہو۔

وہ دن گزرتا ہے۔ اور صدر اعظم توفیق پاشا کا برقیہ آتا ہے جسمیں لکھا ہوتا ہے۔ کہ "فتح نے احجو ہم نے خدا کی مدد سے پائی استنبول وانگورہ کی باہمی عداوت مٹادی۔ اور وحدت قومی کی راہ ہموار کر دی۔ ملک میں کوئی دشمن نہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ خلیفہ ابھی تک اپنے تخت پر متمکن ہے۔ اور فرض کا تقاضا ہے کہ اس کے احکام کی اطاعت کی جائے۔ پھر اس سے چاہتا ہے۔ کہ جلد کوئی اپنا معتمد نمائندہ تعلیمات انگورہ کے ساتھ بھیجدے۔ تاکہ وہ استنبول کے سفر پر آمادہ وفد کے ہمراہ مؤتمر صلح میں جائے۔ کیونکہ مؤتمر صلح سے دعوت نامہ استنبول وانگورہ دونوں حکومتوں کے نام آیا ہے"۔

یہ ہے وہ بم جس سے کمال سلطنت کو اڑائے گا۔ وہ دیکھتے جوش غضب میں ہے۔ کہ دعوت نامہ استنبول کی غدار حکومت کے نام آیا ہے۔ جو صرف اپنے نفس کی نمائندگی کرتی ہے۔ اور کیونکہ صدر اعظم کہتا ہے۔ کہ فتح جو ہم نے خدا کی مدد سے پائی۔ باوجودیکہ خلیفہ اور حکومت استنبول تحریک وطنیت کے خلاف لڑتے رہے۔ ہمارے حلق میں کانٹا اور دشمن کے ہاتھ میں کھیجی بھی تلوار بنے رہے۔

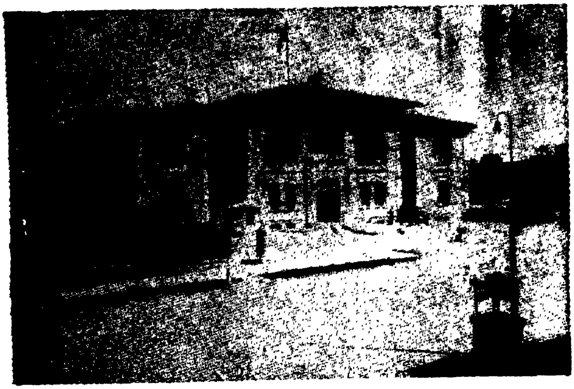
مصطفیٰ کمال جانتا ہے۔ کہ کب خاموشی اور کس وقت کلام و عمل

ضروری ہے۔ اس وقت وہ حکومتِ استنبول پر قیامت برپا کر کے اس پر لعنتوں کی بوچھاڑ کر دیتا ہے۔ پھر نمائندوں کے دلوں میں سوتے ہوئے جوش کو جگا کر غداری کے خلاف ایسی جنگ کا اعلان کرتا ہے۔ جس سے اس کی قابلیت نمایاں ہوتی ہے۔ وہ صرف میدان جنگ ہی کا شہسوار نہیں بلکہ سیاست کے پُر آشوب سمندر میں بھی ناخدائی کر سکتا ہے۔ آپ اس کی آنکھوں میں وہی چمک دیکھیں گے جو گیلی پولی کی بلندیوں اور سقاریہ کے کناروں پر دیکھی تھی۔ مصطفیٰ کمال رحم نہیں کرتا۔ وہ ڈانواں ڈول تخت کو قائم و برقرار رکھنے والوں کے ساتھ سخت جنگ میں تھا۔ اُسے وہ ایسا برباد کرنا چاہتا تھا جس کے خرابہ پر صرف اُلّو بول رہا ہو۔ وہ فتح پاتا ہے جیسے کہ ہمیشہ فتح پاتا رہا ہے۔ اور پاتا رہے گا۔ آپ دیکھتے ہیں۔ کہ زعماء مخالفت اس کی طرف مائل ہیں۔ اور پورے معرکہ میں اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔

۳۰؍ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو مجلس منعقد ہوتی ہے۔

نمائندے جوش میں بھرے ہوتے ہیں۔ اعصاب کھچے ہوئے ہیں۔ اور منبر خطابت مقررین کے پاؤں کے نیچے کانپ رہا ہے۔ جو اس کے اُوپر سے اس عذاب کی منادی کرتے ہیں کہ "تباہی ہے غلام گر غداری کے لئے"

پھر بیانات پڑھے جاتے ہیں۔ اور وزرائے استنبول کی غداری پر مقدمہ چلانے کے لئے تقریریں ہوتی ہیں۔ کیونکہ انہوں نے قوم کی نمائندگی کی جگہ



انگورہ میں مجلس کبیر ملیہ کا محل



انگورہ میں وزارتِ مال کا دفتر

لے لی ہے۔ باوجودیکہ تحریک وطنیت کے قلب میں خنجر بھونکتے رہتے ۔

پھر مجلس کے سامنے ایک طویل قرارداد پیش ہوتی ہے۔ جس پر اسّی سے زیادہ نائبین کے دستخط ہوتے ہیں۔ ان میں مصطفیٰ کمال بھی ہوتا ہے! اس میں عثمانی شہنشاہیت کی شکست اور اس کی جگہ ایسی حکومت ترکیہ جدیدہ کے قیام کی تجویز ہوتی ہے جس کے دستور و حقوق خود قوم کی امداد سے تیّار ہوں ۔

اس قلبی ہیجان اور اعصابی جوش میں نمائندے اس قرارداد پر اتّفاق کرتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ وہ اپنے ہاتھ سے خلافت کو فنا کر رہے ہیں۔ گو شدید مخالفین کا گروہ پورے زور سے چلاتا ہے۔ کہ وہ اس قرارداد سے متفق نہیں لیکن مجلس کے نعروں میں اُن کی چیخ پکار دب کر رہ جاتی ہے اور کمزور مخالفت پُر جوش موافقت میں چھُپ جاتی ہے ۔

مجلس کے ایک کونے میں کمال خوفناک ساحر کی طرح اپنی شعلہ بار آنکھیں داہنے بائیں پھرا رہا ہے۔ اور ہر نائب کی حرکات و سکنات پر نظریں جماتا۔ اور اس کے اقوال سنتا ہے۔ تاکہ یوم مقرّرہ پر جو بالکل قریب ہے! اسکے مطابق سزا و جزا دے سکے ۔

مجلس یکم نومبر کو منعقد ہوتی ہے! اور جوش پوری ترقی پر ہوتا ہے کمال منبر کیطرف جاتا ہے جس طرح اس سے پہلے جنگ کی طرف گیا تھا اور ارکان

کے سامنے آہن و برف کا ٹکڑا بنکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر ایک ایسی تقریر کرتا ہے۔ جو بیان بھی ہے۔ تاریخ بھی ہے۔ اور منطق بھی۔ یہ بیان اس نے ارکان کے لئے گزشتہ شب تیار کیا تھا۔ لیکن معلوم نہیں۔ کونسے معجزہ سے تیار کیا تھا وہ کہتا ہے۔ بشریت دو مرحلوں میں سے گزرتی ہے۔ پہلا مرحلہ طفولیت و شباب کا ہے۔ اور دوسرا سن شعور اور قوائے عقلی و روحانی کی تکمیل کا۔ پہلا زمانہ وہ ہے جو حضرت آدمؑ سے شروع ہو کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل آنے والے انبیاء تک محدود ہے۔ جب ہمارے نبی اکرمؐ مبعوث ہوئے۔ تو دوسرے زمانے کا آغاز ہوا۔ پھر ہمیں میلاد محمدؐ کا ذکر اس طرح سناتا ہے۔ کہ دلوں پر قبضہ کر لیتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ حضورؐ کی ولادت کا دن بھی آج ہی کا سا دن تھا جسمیں وہ تقریر کر رہا ہے۔ پھر کیسا عجیب اتفاق ہے!

اس کے بعد ہمارے سامنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توصیف کرتا ہے۔ ان کا چہرہ نورانی۔ اور وہ ہدایت جس کے بعد کوئی ہدایت نہیں۔ صدق۔ حلم مروّت اور امانت جس کی کوئی حد نہیں۔ اور عالم کے لئے فخر لیکن کیسا فخر!

پھر ہمیں اس خوفناک جنگ کا حال سناتا ہے جو حضورؐ و کفار کتاب و اصنام۔ روح و مادۂ گنگ اور حق و باطل کے درمیان ہوئی۔

پھر کہتا ہے۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دار آخرت کو انتقال فرما گئے۔

اور دُنیا کے لئے ایسا دین چھوڑ گئے جو خاتمۂ ادیان ہے۔ اور اپنی رسالت عظمٰی میں خاتم النبّیین والمرسلین بنے۔

پھر ہمارے سامنے خلافت کے لئے حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کا ذکر آتا ہے۔ اس انتخاب پر ذکر کو لمبا کرتا ہے۔ اور جب خلافت حضرت عمرؓ کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ تو کلمۂ انتخاب کو ایک سے زیادہ دفعہ دہراتا ہے۔ پھر حضرت عمرؓ کی فتوحات کا تذکرہ کر کے ہمیں بتاتا ہے۔ کہ انہیں اس ہمہ گیر انقلاب کا احساس ہو گیا تھا۔ جو اسلام کو ایک وسیع شہنشاہی کی طرف لے جا رہا تھا۔ حضرت عمرؓ کو اپنے اتقاو زہد کی وجہ سے یہ ڈر تھا۔ کہ کہیں یہ فتوحات اور ذیوی تمدن مسلمانوں کی روح پر اثر انداز نہ ہو۔ اس لئے وہ حذیفہ یمانی سے پوچھتے ہیں۔ کہ یہ فتوحات جس دروازے کی طرف لے جائیں۔ وہ کھلا رہیگا یا ٹوٹ جائے گا۔ حذیفہ کہتے ہیں۔ بلکہ ٹوٹ جائے گا۔ تو حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ پھر وہ اسے بند نہیں کریں گے۔

تعجب ہے۔ کہ کمال اپنے اس تاریخی بیان میں ہمیں تاریخ کی پُر ثمر چوٹی پر پہنچا ہوا نظر آتا ہے جب وہ حضرت عمرؓ کی فتوحات اور ان کی وفات کا ذکر کرتا ہے پھر حضرت عثمانؓ کا انتخاب اور اسلام پر صدمات۔ پھر حضرت علیؓ کی خلافت اور حضرت معاویہؓ سے ان کی لڑائیاں۔ ابو موسیٰ اشعری کے مقابلہ میں عمرو بن العاص کا مقام۔ پھر حضرت علیؓ کی شہادت اور معاویہ

کی خلافت کا ذکر کرتا ہے۔ یہاں وہ بتاتا ہے۔ کہ کس طرح خلافت کے سلطنت سلطنت کا آغاز ہوا۔ وہ موروثی سلطنت جو پورے نوّے سال تک اسلام پر ہولناک صدمات کا باعث رہی۔ پھر یہ گئی۔ اور اس کے بعد صفحاتِ تاریخ پر دولتِ عباسیہ کا ظہور ہوا جو قوت۔ جمال۔ عیاشی اور عیش کی حکومت تھی۔ اُن خلفاء کی حکومت جو سیاست و فرقہ پرستی کی بنا پر حکمرانی کرتے تھے۔ وہ خلفا جو بدمست اور مسخرے تھے اور حرم سراؤں میں ساغر و مینا اور سامان عیش و عشرت کے مابین خوابیدہ رہتے تھے۔ ایسی حکومت میں خلفا کیلئے کیا قوت رہ جاتی۔ اس لیے منتقل ہو کر یا بھاگ کر سلجوقی ترکوں کے پاس چلی گئی۔ اور خلافت میں سے اُن کے پاس کچھ نہ بچا۔ پھر کس قدر شرم کی بات ہے۔ کہ وہ دین اللہ اور خلافت دین اللہ کی نمائندگی کرتے تھے جب اوامر اللہ و رسول سے کوسوں دور تھے۔ اس وقت کے حالات استنبول میں آج کے خلیفہ اور انگورہ میں مجلس وطنی کبیر سے کتنے مشابہ ہیں؟

صدیاں اُس کے ہونٹوں کے مابین تیزی سے گذرتی ہیں اور وہ ہمیں وسط ایشیا سے چنگیز خاں کے اٹھنے اور مشرق و مغرب کے ملیا میٹ کر دینے کا ذکر سناتا ہے۔ پھر اُس کے پوتے ہلاکو خان کی بغداد پر چڑھائی خلیفہ مستعصم کے قتل اور خلافت و سلطنت کی بیخ کنی وغیرہ کا ذکر کرتا ہے

"خلافتِ عباسیہ کا ایک وارث مستنصر باللہ عجیب طور پر مذبح بغداد سے

بچ نکلتا۔ اور بھاگ کر مصر میں پناہ لیتا ہے صدیاں اسی حال میں گزرتی ہیں
کہ خلافت بلادِ مغرب اور مصر کے درمیان منتقل ہوتی رہتی ہے جو منبیں قائم ہوتی
اور مٹتی ہیں۔ حتیٰ کہ سلطان سلیم گھوڑے پر سوار ہو کر فاتحانہ مصر میں داخل
ہوتا ہے وہاں کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایک مسخرہ سا شخص ہے۔ جسے اُس کی قوم
نے نظر انداز کر رکھا ہے۔ لیکن اُسے خلیفۃ المسلمین کہتی ہے۔ جس کا استعمال
وہ صرف فتح کے جلوس اور خوشی کے موقع پر کرتے ہیں۔ اس لئے وہ نڈر
ہو کر اُس کا لقب اُس سے چھین لیتا ہے۔ مگر جلد ہی اُس کی فتوحات
اُس کے غرور و فخر سے کھیلنے لگتی ہیں۔ اور وہ خود خلیفۃ المسلمین بن جاتا ہے
سلیم کے تخت کے اور وارث ہوتے ہیں لیکن وہ لقب خلافت سے استفادہ
کرنے کے اہل نہیں ہوتے حتیٰ کہ سلطنتِ عثمانی پر زوال آنے لگتا ہے اور
عالمِ تاریخِ عثمانی میں ایسے ضعیف و تباہ کار سلاطین کا ظہور ہوتا ہے۔ جو
اپنے ضعف کو اس پردے میں چھپانا چاہتے تھے۔ جو انہیں سلطان سلیم
سے ورثے میں ملا تھا۔ اور جس سے اُن کے اسلاف میں سے کوئی مستفید نہ ہو
سکا تھا۔ وہ مردے کو زندہ کرتے ہیں۔ یا جو میدان خلافت سے بھاگ چکا تھا
اسے واپس لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُسے خوفناک دبدبہ ہیبت بناتے
ہیں۔ تا آنکہ ہم عبدالحمید کے زمانے .... میں پہنچتے ہیں۔ اور یہ چالاک
خلیفہ لقبِ خلافت سے حد مبالغہ تک مستفید ہوتا ہے۔ جو اس کی

سلطنت کو ضعف و تمسخر کی آخری حد تک پہنچا دیتا ہے۔

پھر خلافت و سلطنت وحید الدین کے حصّے میں آتی ہے۔ وہ لقب خلافت کا استعمال اس طرح کرتا ہے۔ کہ ہر چیز دشمن کے حوالے کر دیتا ہے وہ فوج کو منتشر کر دیتا ہے۔ تو خلافت کے حکم سے۔ دشمن سے سازش کرتا ہے۔ تو خلافت کے حکم سے۔ وطن پرستوں کے لئے پھانسی کا پھندا تیار کرتا ہے۔ تو خلافت کے حکم سے۔ اور معاہدۂ سیورے کے ذریعے سے ترکی کو عالم وجود سے محو کرتا ہے۔ تو خلافت کے حکم سے

پُرجوش آوازیں۔ وحید الدین مردہ باد!

یہ شخص وطن کو موت کے غار میں دھکیلنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو حکومت کے نام سے۔ سلطنت کے نام سے۔ ملوکیت کے نام سے۔ اور خلافت کے نام سے

گرجتی ہوئی آوازیں۔ "خدا اُسے موت دے"!

لیکن ہیہات کہ وطن ایسے شخص کے سامنے مضمحل ہو جائے جس کی مضمحل ہڈیوں میں ایک مدّت سے سوراخ ہو چکے ہیں۔

"پُرجوش تالیاں"۔

وہاں مجلسِ وطنی کے ایک کمرے میں تین کمیٹیوں کا ایک مشترکہ جلسہ ہو رہا ہے۔ جو خلافت کو سلطنت سے الگ کرنے کے مسئلہ پر غور کر رہی ہیں

۱۔ دستور و آئین کی کمیٹی۔
۲۔ امور شرعیہ کی کمیٹی۔
۳۔ امور عدلیہ کی کمیٹی۔

اس جلسے کی صدارت شیخ مفید آفندی کے سپرد ہے جو کہنہ خیال ہے۔ اور اپنی کتب فقہ کے سمندر میں چوٹی تک غرق جسے کہیں خشکی نظر نہیں آتی۔

بحث شروع ہوتی ہے۔ پھر بڑھتی اور طول کھینچتی ہے۔

آخر مشائخ اپنی رپورٹ امور شرعیہ کی کمیٹی کے سامنے پیش کر کے کہتے ہیں، کہ سلطنت سے خلافت علیحدہ نہیں ہو سکتی۔

اور دوسری کمیٹیاں بھی اس پر اعتراض نہیں کرتیں۔

کئی گھنٹے اسی بحث و تمحیص میں گزر جاتے ہیں۔

بھیڑیا مصطفیٰ کمال مجلس کے کونے میں کوہ آتش فشاں کی طرح بیٹھا ہے۔ اور پھٹ پڑنے پر آمادہ۔ پھر پہاڑ پھٹتا ہے اور مصطفیٰ کمال متکبر دیو کی طرح منبر پر کھڑا ہوتا ہے اور بم بار آواز میں کہتا ہے۔

دوستو! سلطنت و حکومت ایسی چیز نہیں۔ جو علمی ضروریات کی طرح بحث و مباحثہ سے حاصل ہو سکتی ہو۔ سلطنت قوت و اقتدار سے لی جاتی ہے۔ آلِ عثمان چھ صدیوں سے قوم ترکی پر قوت و اقتدار سے قابض

رہی۔ لیکن اب قوم پورے جوش سے اپنے حقوق چھیننے والوں کے مقابل ہوتی۔ اور اپنے غصب شدہ حقوق واپس لینا چاہتی ہے۔ یہ امر واقعہ ہے۔ اور قوم کے حقوق چھوڑ دینا آج کا مسئلہ نہیں۔ آج کا مسئلہ یہ ہے۔ کہ اس قوت کو قائم کیا جائے۔ یہ بیشک قائم ہو گی۔ ورنہ جلد کشت و خون کا بازار گرم ہو جانے کا احتمال ہے"۔

پھر جوش وحدت کو کچھ کم کرتے ہوئے کمیٹی کے ارکان پر اپنی سپاہیانہ گفتگو سے سلطنت و خلافت کا مفہوم واضح کرتا ہے۔ لیکن در پردہ پھر نائب شیخ مصطفیٰ آفندی اُٹھ کر مضطرب آواز میں کہتا ہے:۔

ہم معذرت چاہتے ہیں۔ کیونکہ ہم مسئلہ کو دوسرے رُخ سے دیکھ رہے تھے۔ اب چونکہ آپ کے مدلّل بیان سے حقیقت ظاہر ہو گئی ہے۔ لہذا یہ مشترکہ جلسہ حل مسئلہ پر متفق ہے۔

عجیب سرعت سے خلافت کو سلطنت سے علیحدہ کرنے کا قانون تیار ہوتا ہے۔ تاکہ مجلس وطنی کبیر کے سامنے پیش کیا جائے۔

مصطفیٰ کمال جلسے کے کمرے سے نکل کر مجلس میں اپنے خاص کمرے میں جاتا۔ اور رؤف کو بلواتا ہے جب وہ اندر آتا ہے۔ تو اُس کا استقبال کر کے حکمی لہجہ میں کہتا ہے۔

"ہم خلافت کو سلطنت سے الگ کریں گے۔ اور سلطنت کے

خاتمے کے لئے گرم عمل ہونگے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجلس کے منبر پر سے ایسا بیان پڑھو جس پر یہ قول صادق آئے۔ رؤف اتنا سن کر کچھ کہے بغیر نکل جاتا ہے۔

وہاں منبر پر رؤف عجیب جوش سے بیان پڑھتا ہے اور اپیل کے طور پر یہ تجویز پیش کرتا ہے۔ کہ سلطنت کی شکست کا دن ترکی کی قومی عید کا دن بنایا جائے۔

۱۷ر نومبر ۱۹۲۲ء

مجلس وطنی کبیر کے ارکان استنبول سے آتے ہوئے سرکاری برقیہ کو حیرت و استعجاب سے سنتے ہیں جس میں یہ لکھا ہوتا ہے:۔

"وحیدالدین آفندی آج رات سرائے سے غائب ہو گیا ہے"۔

پھر دوسرا برقیہ پڑھا جاتا ہے جس کا مضمون یہ ہوتا ہے۔

حضرت سلطان نے اپنے آپ کو انگریزی حمایت میں دیدیا ہے۔ اور کھلم کھلا انگریزی جنگی جہاز میں سوار ہو کر استنبول چھوڑ دیا ہے سرکاری اعلان .... کی نقل ساتھ ہے"۔

۱۷ر نومبر ۱۹۲۲ء

دستخط

"ہیرنگٹن"

"سرکاری طور پر اعلان کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت سلطان نے انگریزی حمایت طلب کی۔ اور اُسی وقت انہیں بحیثیت خلیفۃ المسلمین استنبول سے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ موجودہ حالت میں اس خطرے سے بچنا ضروری تھا جو ان کی زندگی و آزادی کے لئے پیغام فنا تھا۔ حضرت سلطان کی خواہش سے ترکی میں افواج انگریزی کا سپہ سالار اعظم جنرل سر چارلس ہیرنگٹن انہیں اپنے ساتھ لے کر جنگی جہاز تک پہنچا نے گیا۔ عرشہ جہاز پر بحیرۂ ابیض کے جنگی بیڑے کے حاکم اعلیٰ امیر البحر سر ڈابرک نے استقبال کیا۔ سر نیول ہنڈرسن ہائی کمشنر نے ملاقات کی۔ اور اُن کی خواہشات سے آگاہ ہو کر انہیں شاہ جارج پنجم تک پہنچانے کا وعدہ کیا"۔

وحید الدین کا حشر

استنبول میں کیا گزرا؟ اور خلیفہ کیونکر بھاگ گیا؟

اس کے فرار کا قصہ جو مجھے سنایا گیا ہے۔ قارئین کے سامنے پیش کرتا ہوں:۔

جب وحید الدین نے لنڈن میں اپنا نمائندہ بھیجنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ تو وہ اپنے دوست ہیرنگٹن کے اشارے پر کام کر رہا تھا۔ جب

انگورہ سے جوش غضب کے شعلے بلند ہوتے۔ اور مصطفیٰ کمال نے صدر اعظم توفیق پاشا کو دھمکی دی۔ اور جب انگریزوں نے دیکھا۔ کہ پسِ پردہ کچھ ہے۔ تو اپنی غیر جانبداری کا اعلان کر دیا۔ اور وحید الدین کو حالتِ یاس میں تنہا چھوڑ دیا۔

چونکہ خلیفہ مقابلے پر قائم تھا اس لئے شکست کے بعد بھی تین دن تک حکومت کا دامن پکڑے رکھتا ہے۔ لیکن چوتھے دن اس کا ہاتھ ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ اور وہ توفیق پاشا سے استعفا کے لئے اشارہ کرتا ہے۔

بلدز کبیر کا پھاٹک مظاہرِ سلطنت میں سے آخری مظاہر ۴ نومبر کے چار بجے بعد ظہر دیکھتا ہے۔ جب وہ مستعفی ہو کر اپنے آقا سے رخصت ہوتا ہے۔

دوسرے دن خلیفہ یکایک فرطِ اضطراب سے بیتاب ہو جاتا ہے۔ انگورہ سے پُر قلق خبریں آتی ہیں۔ اور خلیفہ کا وہم تصوّر میں پھانسی کی رسّی اپنے لئے انتظار میں دیکھنے لگتا ہے۔ اس لئے فرار پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

وحید الدّین ترکی بیڑے کے مدیرِ شعبہ موسیقی کو اطلاع دیکر اپنے محل کے ایک کمرے میں اس سے تنہائی میں ملتا ہے۔ دروازہ بند کر کے پردے گرا دیتا ہے اور اس کے کان میں کہتا ہے "خلیفۃ المسلمین نے اپنے حاشیہ برداروں میں سے اسے چنا ہے۔ کہ اپنا آخری فرض ادا کرے۔

زکی بے اپنے آقا کی خدمت بجالانے پر آمادگی ظاہر کرتا ہے۔ وحیدالدین اُسے خفیہ طور پر جنرل ہیرنگٹن کی قیام گاہ کو جانے کا حکم دیتا ہے۔ تاکہ اس سے انگلستان میں اپنے پناہ گزین ہونے اور استنبول میں اُترے ہوئے ایک جہاز پر فرار ہونے کے متعلق گفت و شنید کرے۔

زکی بے تعمیل حکم کے لئے جاتا ہے۔ اور ہیرنگٹن اُس سے مُلاقات کے بعد کہتا ہے۔ کہ حمایت اور اس کے فرار میں امداد دینے سے کوئی چیز مانع نہیں لیکن خلیفہ خود لکھ کر اس بات کا طالب ہو۔ اور اس پر اپنے دستخط شریف سے مہر لگائے۔

زکی بے واپس آتا ہے اور ہیرنگٹن کا پیغام اپنے آقا تک پہنچاتا ہے۔ خلیفہ اپنے ہاتھ سے درخواست لکھ کر اس پر یوں اپنے دستخط کرتا ہے:

"محمد خلیفۃ المسلمین"

چند ایام ہیرنگٹن اور حکام لندن کے درمیان گفت و شنید میں گزر جاتے ہیں۔ یہ ایام خلیفہ بے حد یاس و اضطراب میں کاٹتا اور اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ کہ اس کے ماتحت کس طرح اس کے گرد سے چھٹ رہے ہیں۔ اور حق کے سامنے باطل کیونکر مٹتا ہے۔

۱۰ ارنومبر کو وہ حسبِ معمول نماز جمعہ پڑھنے کے لئے نکلتا ہے۔ اور جب تمام راستے لوگوں سے خالی نظر آتے ہیں۔ تو اپنے پہلے شاندار جلوس

کی یاد میں اس کا دل بیٹھ جاتا ہے ۔

مسجد میں خطیب منبر پر چڑھ کر خلیفۃ المسلمین کے لئے دعا کرتا ہے لیکن ایسی بے اثر دعا۔ کہ کوئی نمازی اُس کے جواب میں آمین نہیں کہتا لیکن "سلطان البرّین وخاقان البحرین" اور اسی طرح کے دوسرے القاب سلطنت میں سے خلیفہ کچھ نہیں سنتا ۔

مسجد سے افسوس ناک اور مضحکہ خیز حالت میں واپس آجاتا ہے۔ جب وہ اپنے خاص کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ تو اُسے ہیر گٹن کا مکتوب ملتا ہے جس میں دوسرے دن ۱۱ر نومبر کو فرار کا وقت مقرر کیا ہوتا ہے۔ اپنے چھوٹے بیٹے ارطغرل صدرعزا ئخی۔ زکی بے۔ ڈاکٹر رشاد پاشا اور بعض خادموں اور آغاؤں کے ساتھ ملاقاتی کمرے میں منتقل ہو جاتا ہے جہاں وہ سب رات بھر جاگتے رہتے ہیں۔ اور وزن میں ہلکی لیکن قیمت میں بھاری اشیا یعنی سلطنتِ عثمانی کے جواہرات اور سنہری تحائف صندوقوں میں بھرتے ہیں۔ سوا ارطغرل کے جو اس بستر پر سو جاتا ہے۔ جس پر شہنشاہِ جرمنی اس سے پہلے سو چکا تھا۔ جب وہ عبدالحمید کی ملاقات کے لئے آیا تھا ۔

وہ سو گیا۔ اور اس بات سے بے خبر ہے۔ کہ پایۂ تخت سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے والا ہے جس میں پیدا ہوا۔ اور جس کے لئے

معتقد تھا۔ کہ ایک دن خلافت و سلطنت کے تخت پر بیٹھے گا ۔

صبح کے چھ بجے اندھیرا ابھی تک چھایا ہوا تھا۔ کہ ملاقاتی کمرے سے خلیفۃ المسلمین اور اس کے ماتحت نکلتے ہیں۔ اور صلیب احمر کی دو موٹروں میں سوار ہو کر بندر کو جاتے ہیں۔ اُن کے پیچھے اور موٹریں انگریزی محافظین سے بھری ہوتی ہیں۔ راستے میں خلیفہ کا دوست ہیرنگٹن بھی آملتا ہے۔ بندرگاہ میں وحید الدین اُترتا ہے پیر شکستہ حال وخوفزدہ لڑکھڑاتے قدموں سے چل کر وہاں جاتا ہے جہاں زبردست "ملایا" کھڑا ہوتا ہے۔ جہاز میں مقیم ہونے سے پہلے کوئی چیز کھو بیٹھتا ہے۔ اور بھاگ کر چینگی کے دفتر میں پہنچتا ہے۔ جواہرات کے ہینڈ بکس کو ڈھونڈتا ہے ایک بنچ پر پڑا ہوا مل جاتا ہے۔ اُسے لیکر واپس جہاز میں آتا۔ اور کھول کر اشیاء موجودہ کے متعلق اطمینان کر لیتا ہے ۔

انگریزی بیڑے کا حاکم اعلیٰ امیر البحر ڈابرک استقبال کرتا ہے اور سر نیول ہنڈرسن ہائی کمشنر کو اس کے سامنے پیش کرتا ہے۔ ہائی کمشنر اس کی خواہشات دریافت کرتا ہے۔ تاکہ بادشاہ انگریز تک پہنچادے۔ وحید الدین اس کی مہربانی اور بادشاہ انگریز کی کرم گستری کا شکریہ ادا کرتا ہے ۔

جہاز روانگی کے لئے تیار ہوتا ہے۔ تو وحید الدین اپنے گھر

دوست ہیرنگٹن سے رخصت ہوتا ہے۔ جہاز میں حرکت ہوتی ہے۔

یہ لیجئے۔ استنبول محمد فاتح کے وقت سے آل عثمان کا پایہ تخت نظروں سے غائب ہوتا ہے۔

یہ لیجئے۔ گیلی پولی جہاں مصطفیٰ کمال نے اتحادیوں کو شکست دی۔

وہ لیجئے۔ سمرنا جسے خلیفہ کے حکم سے یونانیوں کے حوالے کیا گیا۔

وہ لیجئے سمرنا کا پلیٹ فارم جہاں سے آخری یونانی سپاہی بھاگا۔

یہ لیجئے۔ بحیرۂ ابیض کا پانی۔

وحید الدین کی نگاہوں سے ترکی ہمیشہ کے لئے چھپ گیا اور سلطان اسود کا سایہ ہمیشہ کے لئے غائب ہو گیا۔

۵۔ خلیفہ کے فرار کے بعد لوگ پوچھتے ہیں کہ مصطفیٰ کمال نے کیوں اُسے غداری کی پاداش میں قتل نہ کیا؟ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں "اُس نے پسند نہیں کیا کہ وحید الدین بیمار دل لوگوں کی نگاہ میں قربانیوں میں سے قربانی اور شہیدوں میں سے شہید ٹھہرے اس کے قتل سے باز آیا۔ اُس سے بے فکر ہو گیا اور اُسے انگریزی حمایت میں بھاگنے کا موقع دیا۔ تاکہ اس کی حیات کا خاتمہ ایسی غداری پر ہو۔ جس کے بعد کوئی غداری نہیں"

عصمت لوزان میں

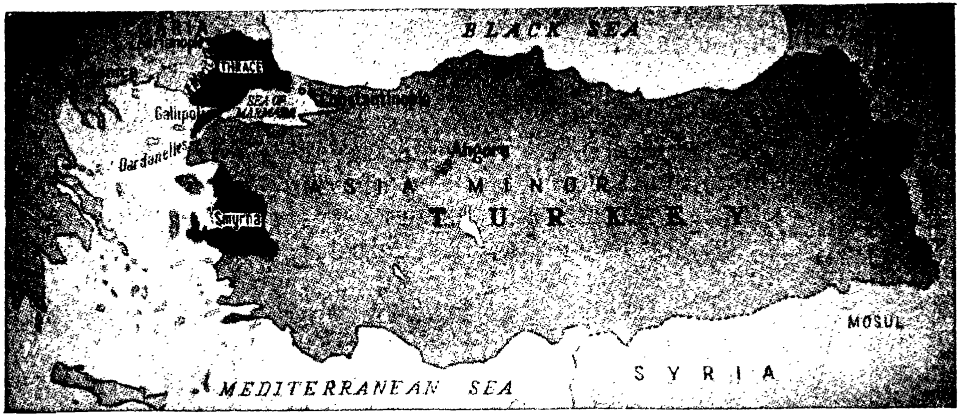
"پاشا! آپ کو چاہئے۔ کہ جنگ کے بعد آرام کریں۔ آپ نے اپنے نفس سے سخت محنت لی ہے"

یہ ہیں وہ الفاظ جو خالدہ ادیب خانم نے داخلۂ سمرنا سے پہلے مصطفیٰ کمال سے کہے اور یہی الفاظ مجلس وطنی کبیر میں ہر سپاہی کہتا ہے۔

مصطفیٰ کمال عصمت اور فوزی تینوں کو چاہئے۔ کہ اب آرام کریں یا دوسرے لفظوں میں اب میدانِ مردانِ سیاست کے لئے چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ اب فوجی جنگ ختم ہو گئی۔ اور ڈپلومیسی جنگ شروع ہو گئی ہے۔ سمرنا میں صلح مودانیہ سے پہلے مجلس وزرا کی طرف سے کمال کو برقیہ ملتا ہے۔ جس سے اُسے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جنگی سلسلے میں اس کی خدمات ختم ہو چکی ہیں۔ اس لئے وزیر اعظم رؤف خواہش کرتا ہے۔ کہ وہ جلد انگورہ پہنچے۔ لیکن وہ اپنی خدمات کے ختم ہونے کا معترف نہیں تھا۔ اسلئے رؤف کو سمرنا آنے کی دعوت دیتا ہے۔

اپنی انگورہ کی واپسی میں کیا دیکھتا ہے۔ کہ اتفاق رائے سے رؤف کو وفد صلح کا صدر بنانے کی تجویز ہو رہی ہے۔ اور مصطفیٰ کمال کے اعتقاد میں

مقابل صفحہ ۲۵۸



موجودہ ترکی کا نقشہ

سیاہ نشان والے وہ مقامات ہیں جو معاہدۂ لوزان کے رو سے ترکی کو دوبارہ ملے

جس وفد کا صدر رؤف ہو۔ وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ عقل اور فرض میں فرق نہیں دیکھتا۔ لیکن رؤف اپنی صدارت پر مُصر رہتا ہے۔ اور کوشش کرتا ہے۔ کہ عصمت کو اپنا مشیر بنا کر ساتھ لے جانے پر رضامند کرے۔ مگر کمال کہتا ہے۔ کہ اگر عصمت صدرِ وفد ہو۔ تو بہت بڑے فائدے کی توقع ہے۔ رؤف اس رائے سے اتفاق نہیں کرتا۔ اور اپنی ذات کے لئے سیاسی پروپیگنڈا کرنے لگتا ہے۔

اس اثنا میں عصمت اپنی مہم صلح مودانیہ میں پورے طور پر انجام دیتا ہے۔ اور بروسہ کیطرف جاتا ہے۔ جہاں کمال اس سے جا ملتا ہے۔ اور اس سے پوچھتا ہے کہ مودانیہ میں کیا انجام پایا۔ کمال کو اس کی سیاسی قابلیت پر پورا یقین ہے۔ اور وہ اُسے صدرِ وفد بنانے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے۔

خاص اسی دن یوسف کمال وزیر خارجہ کو تار دیکر متوقع ہوتا ہے۔ کہ وہ عصمت کو صدرِ وفد بنانے کی تمہید میں مستعفی ہو کر اپنی جگہ اُس کیلئے چھوڑ دے۔ وزیر بخوشی خاطر استعفا دیدیتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ وہ اس خیال کو پسند کرتا ہے۔

ایک دن مصطفیٰ کمال عصمت کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس سے حکمی اور متین لہجہ میں کہتا ہے۔ کہ وہ وزیر خارجہ اور گفتگوئے مصالحت کے وفد کا صدر مقرر کیا گیا ہے۔

عصمت کے چہرے پر تردّد اور حیرت ظاہر ہونے لگتی ہے۔ اور یہ مردِ جنگ وہ منصب قبول کرنے سے اپنا عذر پیش کرتا ہے۔ کیونکہ وہ سپاہی ہے۔ اور سپاہی میدانِ سیاست میں بہتر ثابت نہیں ہو سکتا لیکن مصطفیٰ کمال جب اس کی رائے نہیں مانتا تو عصمت اُسے فوجی لہجے میں کہتا ہے:

"تو میں اس تجویز کو فوجی حکم سمجھ کر قبول کرتا ہوں"

۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۲ء کو لوزان میں مؤتمر صلح منعقد ہوتی ہے اور دونوں صدر ایک دوسرے کے بالمقابل بیٹھتے ہیں۔ کرزن اتحادی وفد کا صدر۔ اور عصمت ترکی وفد کا صدر۔

کرزن انگریزی لارڈ مغلوب الغضب اور قدامت پرست جب سے مؤتمر میں بیٹھتا ہے اس بات کی کوشش کرتا ہے۔ کہ اپنے خیالات محض دنیا پر فرض ثابت کر دکھائے اس سے شروع سے آخر تک ناکام رہتا ہے۔ اور گفتگوئے مصالحت کرنے والوں کے درمیان آماجگاہ تمسخر بنتا ہے۔

اثنائے گفتگو میں وہ شیخی اور رعب و داب کی نمائش پر زیادہ زور دیتا ہے۔ اور اُسے کچھ خیال نہیں ہوتا۔ کہ وہ ایک ایسے وفد کے ساتھ گفت و شنید کر رہا ہے جس کے پیچھے ایک لشکر جرار ہے۔ اور فتح کا جھنڈا اُٹھائے ہوئے ہے عصمت اس کا مقابلہ ایسی سیاسی بے اعتنائی سے کرتا ہے کہ

وہ جوش غضب سے بیخود ہو جاتا ہے۔ اور جب کرزن اُس سے لغو سوالات
کرتا ہے۔ تو وہ جان بوجھ کر خاموش رہتا ہے جسقدر کرزن چیخنا چلاتا
اور میز پر ہاتھ مارتا ہے۔ وہ اس سے تجاہل برتتا ہے اور جب ہمارا
دوست اپنے ضعیف بیانات کو ختم کر چکتا ہے۔ تو عصمت اپنی من مانی
شرائط صلح پیش کرتا ہے۔ وہ غضبناک ہو جاتا ہے۔ لیکن عصمت بالکل
بے التفاتی اور بے پروائی کی نگاہ سے اسکی طرف دیکھتا ہے۔

ہفتے گزر جاتے ہیں۔ لیکن کرزن اسی طرح ڈینگیں مارتا رہتا ہے۔
اور ڈپلومیسی کے اعتبار سے برطانیہ کی نمائندگی میں ناکام رہتا ہے لندن
میں رائے عامہ پر غیظ ہونے لگتی ہے اور اپنی حکومت سے مطالبہ کرتی
ہے۔ کہ وہ اس شرمناک تماشے کو جلد ختم کرے جس میں برطانیہ کو اس
وقت سے خندہ و استہزا کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ جب اُس نے ترکی کے
ساتھ جنگ کرانے میں یونانیوں کو مدد دی۔ اور اپنا بیڑا استنبول میں رکھ
چھوڑا ہے۔ باوجودیکہ تحریک وطنیت کے مٹانے میں وہ اپنی ہر اُمید
سے ہاتھ دھو بیٹھی ہے۔

درحقیقت کرزن کی پوزیشن عصمت کے سامنے اُس سے بھی کم
تھی جتنی کہ بتائی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اُس انگریزی سیاست کا ماہر
تھا جو حالت خطر میں قوت کے سامنے سے بھاگ جانے میں مشہور ہے

اور جو قوت اُس کی قوت پر جابر ہو۔ وہ فوراً ہر چیز اُس کے حوالے کر دیتی ہے ؎

کمال سیاسی جماعت کی بنیاد ڈالتا ہے

مجلس وطنی کبیر سال کی آخری منزل میں قدم رکھتی ہے اور نئے انتخابات بہت جلد ہونے والے ہیں۔ مصطفیٰ کمال اس بات سے آگاہ ہے کہ آگے چل کر سخت سیاسی مقابلہ ہے۔ اور قدامت پرست طبقہ اپنے کمالات کا تماشا دکھانے والا ہے۔ مجلسِ وطنی میں مصطفیٰ کمال سیاسی اور اس کے دست راست عصمت کے خلاف مقابلہ کی تحریک وسیع پیمانے پر ہو رہی ہے ؎

مصطفیٰ کمال ایک ایسا شخص ہے۔ جو جانتا ہے۔ کہ کہاں اپنے بازو کو سہارا دے۔ وہ ۱۴ر جنوری ۱۹۲۳ء کو نجیر و شہر کے درمیان انگورہ سے چلا جاتا ہے۔ اور اس کے سامنے دو باتیں ہیں جمہور کے ساتھ براہِ راست میل جول۔ اور جمعیت مدافعت سے سیاسی جماعت کو حقوق اناطولیہ کی جدائگی۔ وہ اس غرض کے لئے بڑے بڑے شہروں میں جا کر جمہور سے ملتا ہے۔ اور انہیں سیاست کے مختلف معاملات میں

سوالات کی اجازت دیتا ہے۔ اور جس شہر سے گزرتا ہے۔ وہاں طویل تقریریں کرتا ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ابھی کل تک جو مرد جنگی تھا آج مرد سیاست بنگیا ہے +

ازمیت میں جب کمال اپنی نئی سیاسی جماعت کے لئے پروپیگنڈا کر رہا تھا۔ اُسے معلوم ہوا۔ کہ مجلس وطنی کا ایک نمائندہ شیخ شکر آفندی نمائندوں اور ترکی کے تمام شہروں میں فرمان دینی تقسیم کر رہا ہے۔ جسکا عنوان ہے۔ "خلافت اسلامیہ اور مجلس وطنی کبیر" اس اصول پر کہ "مجلس خلیفہ کے لئے اور خلیفہ مجلس کے لئے"۔ اور یہ کہ "خلافت قانونی حکومت ہے۔ اور کسی انسان یا انسانوں کی جماعت کو یہ اختیار حاصل نہیں۔ کہ اس کے حقوق و واجبات کو باطل کر سکے۔ اسلئے واجب ہے۔ کہ حکومت خلافت کے زیر علم تمام مشرق کو یکجا کیا جائے" +

فرمان مضحکہ خیز ہی نہیں تھا۔ خطرناک بھی تھا۔ خلافت جس کی معدومیت اور زوال کمال نے تاریخی دلائل سے ثابت کیا تھا۔ اور کسی بحث کی محتاج نہ تھی۔ وہ اب حکومت کرے گی۔ اور بس کروڑ مسلمانوں کو اپنے حکم کے تحت میں لائے گی۔ ان کے معاملات کی نگہداشت کریگی۔ مفید قوانین نافذ کرے گی۔ تمام مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور اُن کے

خلاف غیر ممالک کی عداوت کا استیصال کرے گی۔ یا دوسرے لفظوں میں ترکی جو جنگ عظیم سے شکستہ قوی اور خشک روح نکلا ہے۔ تمام مشرق اسلامی کا رہنما ہوگا۔ تمام مشرق کی مدافعت کرے گا۔ اور تمام مسلمانوں کو اُن کے استعمار اور .... تعصّب کو اپنے تاج خلافت میں شامل کریگا"

اگر یہ تمسخر نہیں۔ تو پھر تمسخر کسے کہتے ہیں؟

کیا مشرق اسلامی ایسی رہنمائی کا مشورہ دے گا؟ اور اگر اُس نے مشورہ دیا۔ تو کیا اس رہنمائی کو قبول بھی کرے گا؟ اگر اُس نے قبول نہ کیا۔ اور اپنی خود مختاری پر زور دیا۔ تو وہ قوت کہاں ہے جو تاج خلافت کے سامنے عالم اسلام کا سر تسلیم خم کرا سکتی ہے؟ اگر اُس نے قبول کر لیا۔ تو شکستہ و پامال ترکی خلافت عالمہ کا بوجھ کیونکر اُٹھائے گا۔ جو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد کوئی خلیفہ بھی نہ اُٹھا سکا؟ اگر خلافت کا حکم حقوق مشرق کی حفاظت نہ کر سکا تو اسے کیا فائدہ؟ کیا اس کا وجود عدم کے برابر نہیں ہوگا؟ مغرب جو استعمار پرست اور متعصّب ہے۔ کیا خلافت کے خلاف آمادہ جنگ نہیں ہوگا! اور اُسے قائم ہونے دیگا؟ ایسی حالت میں کہ مشرق مذہبی یا سیاسی کسی اعتبار سے بھی خلافت کے تابع نہیں رہا۔ جواب اور خاص کر جنگ عظیم کے بعد برطانیہ۔ فرانس اور اٹلی میں تقسیم ہو چکا ہے!

مصطفیٰ کمال جمہور کے سامنے ان خیالات کو پھیلا رہا ہے۔ جو

اپنے خون کے قطروں کے ساتھ خلافت میں شامل ہوا تھا لیکن اس علم کے باوجود وہ انبوہ کے سامنے بلاخوف وتردد کھڑا ہے۔ بلکہ خلافت حاکمہ پر صحیح حملے کر رہا ہے اُسے جمہور کے تمام حلقے گوش برآواز ملتے ہیں۔ اور وہ کوئی ایسا شہر نہیں چھوڑتا جس میں ہزاروں لوگ اس کی سیاسی و مذہبی آرا پر جوش وخروش نہ دکھاتے ہوں۔ اگر شکری آفندی کے فرمان نے کسی ایک مقام پر کامیابی حاصل کی تھی۔ تو مصطفیٰ کمال اپنی تیز گردش اور تقریروں کی خوبی سے ہر جگہ کامیاب ہوتا ہے۔

وہاں استنبول میں خلیفہ عبدالمجید جو مجلس وطنی نے عبدالوحید کے بعد خلافت کے لئے منتخب کیا تھا ہم اُسے ایک ۵۵ سالہ بڈھا نیک دل اور جمہور کا ہواخواہ دیکھتے ہیں۔ لیکن قوت واقتدار کے ضائع ہونے پر متاسف اور اسکی واپسی کا جویاں۔

شیخ شکری آفندی کی قبیل کے آدمی ترکی میں بکثرت تھے۔ جو ظاہر و باطن سلطنت کی واپسی کے لئے کوشاں تھے۔ عبدالمجید بلاشک ان پروپگنڈوں اور سازشوں سے خوش تھا۔ اور ان لوگوں کے مضبوط تعلقات اُس کے رافت ورؤف کے اور دوسرے جنگی وسیاسی آدمیوں کے ساتھ تھے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ یہ لوگ ان تعلقات کو بے لوث و بے خطا سمجھتے ہوں لیکن انگورہ کا سر دار بھیڑیا۔ ایسا نہیں سمجھتا۔

جمہوریت کا اعلان

"اپنی جمعیت کی حفاظت اور اس کے لئے مقابلہ کرو۔ دشمن ہمارے ملک سے نکل گیا۔ لیکن جنگ نے ابھی تک ہتھیار نہیں ڈالے۔ ملک غداروں سے بھرا پڑا ہے۔ اپنی جمعیت کی خاطر کوشش کرو۔ اور ہر گاؤں اور ہر گھر میں اس کے اصول کی اشاعت کرو۔ میرے بغیر بھی جہاد پر کھڑے ہو جاؤ۔ لیکن میری اطاعت کرو۔ تم میں سے نئی ترکی بناؤں گا۔ نئی ترکی جو ابد تک ترکوں کے لئے ہو۔ ہماری جمعیت قومی جمعیت ہے اس میں قوم کی سرداری ہے یعنی اس کا مقام مجلس وطنی کبیر سے الگ ہے جس کا قوم پر کوئی حکم نہیں ہوگا اس قومی سرداری سے ہم قوانین کے وضع و نفاذ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جو تمہاری کثرت و آزادی کے کفیل ہوں اور خاتمہ سلطنت کی قرار داد کے بعد ایک ایسے دستور کی تیاری جس میں کچھ تغیّر نہ ہو سکے"۔

"تمام کی تمام قوم جمعیت میں شامل ہو جاتی ہے۔ مجلس وطنی میں مخالف اپنا خاتمہ بالکل قریب دیکھتے ہیں اس لئے ترکش کے آخری تیروں سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔

مجلس وطنی میں ایک مسودۂ قانون پیش کیا جاتا ہے جس کا



(دارالخلافۂ ترکی میں کمال اتاترک کا ایک مجسمہ (گھوڑے پر سوار)

مفاد یہ تھا کہ ہر اُس شخص کو جو ترکی میں نہ پیدا ہؤا ہو اور اپنے انتخابی حلقے سے پانچ سال تک نہ کھڑا ہؤا ہو۔ حق انتخاب سے محروم قرار دیا جائے۔ اس قانون سے مقصود کمال کو حق انتخاب سے محروم کرنا تھا۔ کیونکہ وہ سالونیکا میں پیدا ہؤا تھا۔ جو اب ترکی حدود میں نہیں۔ اور وہ کسی دائرۂ انتخابیہ سے پانچ سال تک نہیں کھڑا ہؤا تھا۔ لیکن یہ قانون ابتدا ہی میں منسوخ کر دیا جاتا ہے۔

یہ ہے رؤف وزیر اعظم جو گفتگو کے دوران کے انقطاع اور تکمیل معاہدہ کے بغیر عصمت کی واپسی پر کوشش کرتا ہے۔ کہ اس پر سخت حملے کر کے اُسے پامال اور اس کے رفیق کمال کو کمزور کر دے۔ سٹیشن پر اس کا استقبال اس لئے نہیں کرتا۔ کہ کمال اسکی شہر میں اُس سے مل چکا ہے۔ اور وزارت کو بتانے سے پہلے گفتگو کے مصالحت کا خلاصہ اُس سے سن چکا ہے۔ اگر کمال نے اس لغویت کو مناسب سمجھ کر کچھ محاسبہ نہ کیا۔ تو وہ وزارت سے مستعفی ہو جائے گا۔ اور مجلس میں جماعت مخالف کی صدارت کیا کرے گا۔ لیکن کمال اس کا اور مجلس کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور سب کو عصمت کے احترام اور اتمام گفتگو کے لئے واپس جانے پر رضامند کر لیتا ہے۔

یہ ہے مجلس وطنی کا وفد جو کمال کے پاس آتا ہے۔ اور قومی جمعیت

سے مستغنی ہو جانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ کیونکہ ملک کے سب سے
بڑے سردار کے لئے شایاں نہیں۔ کہ وہ ایک سیاسی جماعت کا صدر
ہو۔ لیکن مصطفیٰ کمال اُن کی اس رائے سے متفق نہیں ہوتا! وہ کہتا
ہے۔ قومی جمعیت ایسی سیاسی جماعت نہیں جو محض قوم کے ایک
حصّے کی نمائندگی کرتی ہو۔ بلکہ وہ سب کی سب قوم ہے! اور جس طرح
وہ مجلس وطنی کی سرپرستی کرے گا۔ اسی طرح ملک کی اس تنہا جماعت
کی بھی صدارت کرے گا۔ اور ایک قومی محاذ اس کے مخالف ہے۔ جو رؤف
کاظم قرہ بکیر۔ رافت۔ علی فواد۔ نور الدّین۔ رحمی۔ عدنان اور دوسرے تمام
بڑے بڑے سپہ سالاروں اور سیاست دانوں نے تیار
کیا ہے ؛

مصطفیٰ کمال مجلس وطنی کا افتتاح کرتا اور نئے انتخابات کی دعوت
دیتا ہے اور چند ہفتوں کے بعد دیکھتا ہے۔ کہ مجلس وطنی پہلی مجلس سے
کسی چیز میں مختلف نہیں۔ رؤف اسی طرح مخالفین کا سرپرست ہے۔
قدامت پرستی کے دعویدار بھی موجود ہیں۔ اور سیاسی عداوت اپنی ابتدا سے
میں زیادہ سنجیدہ ہے ؛

پھر ایک فیصلہ کن قدم بڑھانا لازم ہے! اور وہ اعلان جمہوریت ہے کیونکہ
مجلسِ وطنی میں قوتِ نفاذ کا مرکز بننے کی صلاحیت نہیں۔ صدر

کے لئے اعمال وزراء کی دیکھ بھال یعنی اسے بالکل قریب سے دیکھنا اگزیر ہے۔ تاکہ ہر آئند و روند مجلس میں رکاوٹ نہ ڈال سکے۔

یہ قدم بڑھانے والے دو حقیقی کارکن ہیں۔

عصمت مردِ ابنو نو و مودانیہ جواب مردِ لوزان بھی ہے انگو سو میں ایسے معاہدہ کے ساتھ واپس آیا۔ جو اس بڑی سازش کے استیصال کا وثیقہ تھا۔ جو صدیوں سے ترکی کے خلاف جاری تھی۔ اور معاہدۂ سیورے کی آخری شرطان ارکانِ سازش کے لئے پیغام فنا تھی۔ جو اُسے ہمیشہ کیلئے ختم کر چکنے کے گمان میں تھے اور مصطفیٰ کمال کے قول کے مطابق "یہ ترکی سیاست کی فتح کا ہمیشہ رہنے والا وہ اثر ہے جس کی گزشتہ ترکی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں"۔

متصرف بیڑا جو آب استنبول میں پڑا تھا کلمہ و تکبیر کے شور کے درمیان ساحل ترکی سے چلا جاتا ہے۔ اور اُس کے سپاہی ترکی جھنڈے کی بزرگی و شرف کی سلامی اُتارتے ہیں۔

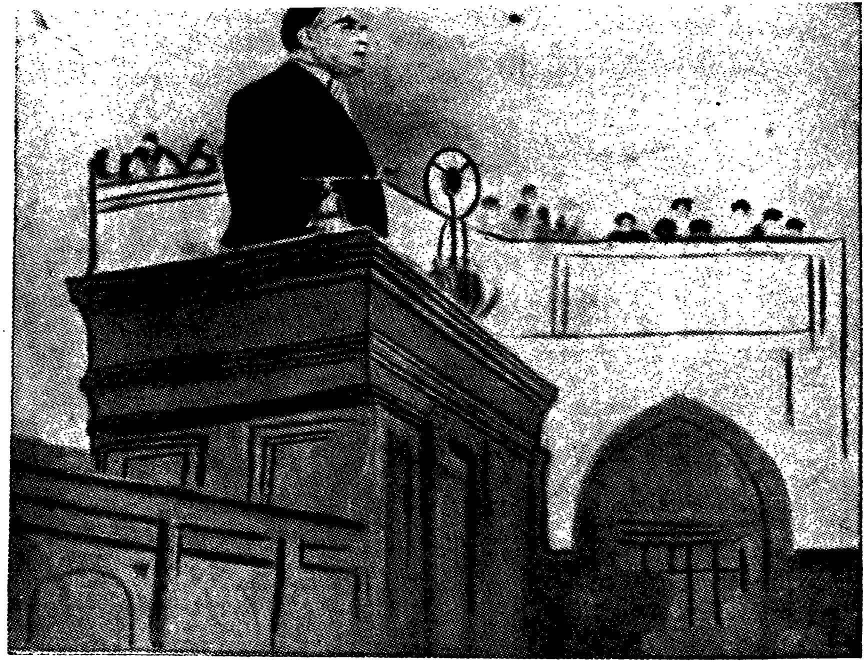
اب مصطفیٰ کمال فاتح مرد جنگی ہے۔ اور کامیاب مرد سیاست اور عنقریب ایک کاری ضرب لگائے گا۔ وہ دیکھئے چان قایا کی پہاڑی پر اپنے مکان میں بیٹھا انگورہ کا نظارہ کر رہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں نیلی پولی اور سفارِ یہ والی چمک ہے۔ اور اس کے گرد ارکان وزارت

اور وزیر اعظم فتحی بے +

وہ دیکھئے اپنا فیصلہ کُن حکم وزیروں کے لئے لکھتا ہے اور وہ دوسرے دن اپنے استعفے مجلس وطنی میں پیش کرتے ہیں ۔ اور ہر جدید وزارت کے ساتھ کام کرنے سے انکار کرتے ہیں ۔ پھر اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ۔ کہ یہ معاملہ ارکان کو کس طرح تشویش میں ڈال دیتا ہے ۔ وہ جھگڑتے ہیں اور جھگڑتے ہیں ۔ حتیٰ کہ اُن کی ناقابلیت ظاہر ہو جاتی ہے ۔ اور وہ متاسف و نادم اُس کے پاس آتے ہیں ۔ اپنی باگیں اُس کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں ۔ اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتے ہیں +

عملاً وزارت مستعفی ہو جاتی ہے ۔ ارکان تشویش میں پڑ جاتے ہیں اور جھگڑتے ہیں ۔ لیکن کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے ۔ اسی ہفتے میں رؤف اور دوسری مخالف پارٹی اتفاقاً غیر حاضر ہوتی ہے ۔ ان کی مشکلات زیادہ پیچیدہ ہو جاتی ہیں +

آخر بحث و تمحیص اور احتجاجات والتوا کے طوفان میں کمال الدین سامی پاشا کھڑے ہو کر کہتا ہے ۔ کہ محض ایک شخص انہیں اس گرداب سے نکال سکتا ہے ۔ اور وہ شخص مصطفیٰ کمال ہے ۔ اس وقت ارکان اپنے مخالفانہ حملوں کو بھول جاتے ہیں ۔ اور عجیب جوش سے اس تجویز سے



غازی اتاترک مرحوم جمہوریہ ترکیہ کے اجلاس میں بحیثیت صدر کے تقریر کر رہے ہیں

اتفاق کرتے ہیں۔ مجلس اپنا نمائندہ اس کے مکان پر بھیجتی ہے۔ تاکہ وہ مجلس میں آکر انہیں اس گرداب سے نکالے۔ لیکن مصطفیٰ کمال نہ نمائندے کی پروا کرتا ہے نہ مجلس کی ؞

پھر وہ دوبارہ ایک نمائندہ بھیجتی ہے لیکن کمال کچھ پروا نہیں کرتا مگر مجلس کی منت وسماجت پر اس شرط سے آسکتا ہے۔ کہ جو کچھ وہ لکھے یا کہے۔ مجلس اُسے بے چون وچرا قبول کرے۔ اس بنا پر گھر کو چھوڑ کر انگورہ کیطرف رُخ کرتا ہے ؞

وہاں مجلس کی ایک نشست گاہ میں قومی جمعیت کے عہدیدار بیٹھے ہوتے ہیں۔ ان پر اپنا ارادہ ظاہر کرتا ہے۔ یعنی جمہوریت کا اعلان اور اس کے بعد وزارت کی ترتیب۔ پھر عصمت کھڑا ہو کر کہتا ہے۔ کہ یورپ کے سیاسی مدبر حکومت کے وجود کے بغیر امورِ وزارت پر مجلس وطنی کے اقتدار کو تنقیدی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ جمہوریت اور صدر جمہوریت کے اعلان سے پہلے ترتیب وزارت خلافِ قانون ہے ؞

اسی وقت مجلسِ وطنی منعقد ہوتی ہے۔ تو نائب صدر عصمت مباحثہ کی مشکل کو حیرت انگیز قابلیت سے حل کرتا ہے۔ ارکان اعلانِ جمہوریت سے متفق ہوتے ہیں ؞

اُسی وقت باتّفاقِ آرا مصطفیٰ کمال صدر جمہوریہ منتخب ہوتا ہے۔
اس وقت مصطفیٰ کمال منبر پر چڑھ کر ارکان کے اعتماد کا شکریہ
ادا کرتے ہوئے اُن سے جمہوریّت کے تھامنے کی خواہش کرتا ہے جو
جنگِ استقلال کی مؤثّر ترین نشانی ہے پھر عصمت کی صدارت میں
ترتیب وزارت کا اعلان اور فتحی کو صدر مجلس منتخب کرتا ہے۔
توپیں چھوڑی جاتی ہیں۔ ملک بھر میں یہ خبر مشتہر کر دی جاتی
ہے۔ لوگ اس کا پُر جوش خیر مقدم کرتے ہیں مگر مخالف جماعت خوش
نہیں! اور وہ تعداد میں بہت کم ہے۔
یہ سب کچھ ۱۹ر اکتوبر ۱۹۲۳ء کو رات کے آٹھ نو بجے کے درمیان طے
پا جاتا ہے۔ آدھی رات کے وقت بھیڑیا انگورہ کے سامنے اپنے مکان
میں فتحمند واپس ہوتا ہے! اور آپ کو ایسا معلوم ہو گا۔ کہ کوئی متکبّر
دیو ہے۔ جو گیلی پولی کی بلندیوں سے سقاریہ کی پہاڑیوں کی طرف
کودتا ہے پھر سلطنت کی شکستگی کی طرف اور وہاں سے جمہوریّت
کی چٹان کی طرف۔ اور اس کی آنکھوں میں وہی چمک ہے۔ جو ہم نے
گیلی پولی اور سقاریہ میں دیکھی تھی۔ بلکہ وہ اور تیز و ہولناک ہو جاتی
ہے۔

سلطنت کے بعد خلافت

مصطفیٰ کمال ترکی پر نظر ڈالتا ہے۔ تو وہاں ہر چیز اس کے منشأ کے مطابق دکھائی دیتی ہے۔ عہد قدیم کے نشانات میں سوا خلافت کے کچھ باقی نہیں رہا۔

مصطفیٰ کمال خلافت کی شکست و ریخت پر تُلا ہُوا ہے۔ اس شکست کے لئے اس نے مجلس وطنی کبیر سے کام شروع کیا۔ پھر مجلس وطنی کبیر کی حکومت سے پھر شکست سلطنت سے پھر اعلان جمہوریت سے۔ اب وہ اپنی آخری اُمیدوں کی بارآوری کے لئے مناسب موقع کا منتظر ہے۔ کہ رجعت پسندوں کی دسیسہ کاریوں اور تشویش انگیز منصوبہ بازیوں پر ایک کاری ضرب لگائے۔

رجعت پسندوں نے کس قدر جلد اپنے کام کی رفتار تیز کر دی؟ یہ ہیں استنبول کے جرائد "طنین"۔ "توحید افکار"۔ اور "وطن" جو اعلان جمہوریت کا استقبال افسردہ دلی سے کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اعمال شرافت و عزت ناموں کے تغیر اور لغات آئین سے لفظ جمہوریت مستعار لینے سے کبھی انجام نہیں دئے گئے۔

رؤف بے استنبول میں ہے۔ اور اخبارات کو ایسا بیان دیتا

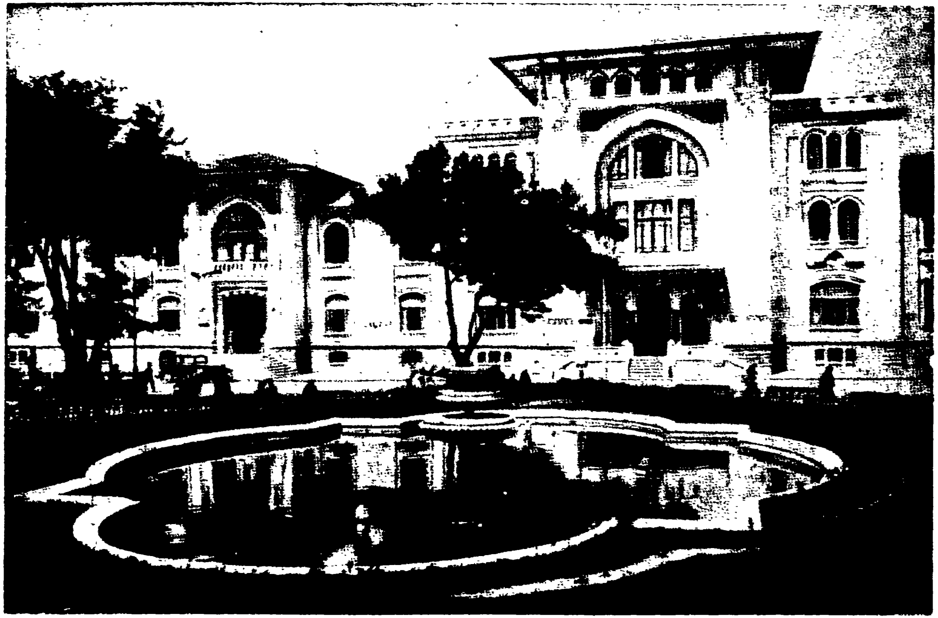
ہے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ جمہوریّت کے خلاف ہے۔ اور رجعت پسندوں کی جمعیّت قائم کرنے کے لئے کوشاں ہے۔

یہ دیکھئے لطفی فکری بے خلیفہ کے پاس کھلا مکتوب بھیجتا ہے جس میں لکھتا ہے اس نے سنا ہے۔ کہ مقام خلافت مستعفی ہونے کی فکر میں ہے۔ اس خبر کی اشاعت سے جو اثر ترکوں کے دلوں پر پڑا ہے۔ اس کی تعریف کرتے ہوئے تنبیہ کرتا ہے۔ کہ جس کسی نے خلیفۃ المسلمین سے تعرض کیا اس کے لئے تباہی اور جلا وطنی ہے۔

یہ لیجئے رؤف بے کی جمعیّت میدان عمل میں آگئی ہے۔ وہ دیکھئے رؤف استنبول سے انگورہ کو روانہ ہوتا ہے۔ اور اس کے مددگار رافت۔ علی فواد۔ کاظم قرہ بکیر۔ اور عدنان اسے رخصت کر رہے ہیں۔ وہ اخباروں کے نمائندوں کو اپنے طریق مخالفت اور پُر جوش رخصت کے متعلق بیان دے رہا ہے۔

یہ ہے رافت جو خلیفہ کو "قونیہ" نامی ایک گھوڑا ہدیۃً پیش کر رہا ہے۔ اور اس کے ساتھ خلیفہ عبدالمجید سے حُبّ وفاداری و اطاعت۔

انگورہ میں رؤف مخالفت کی ابتدا کرتا ہے۔ لیکن کمال اسے قومی جمعیّت کے جلسہ خاص میں دعوت دیکر اس کی رجعت پسندی



انگورہ میں وزارت مال کا دفتر

کو شکست دے دیتا ہے تاکہ وہاں وہ اپنی مدافعت کرے۔ رؤف کمال کو جلسے سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاکہ اس کی قوت تاثیر سے محفوظ رہے۔ لیکن کمال شمولیت پر قائم رہتا ہے۔

جلسہ میں عصمت رؤف پر حملہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ "اگر خلیفہ کے دماغ میں ملکی معاملات میں دخل دینے کا خیال چکر لگا رہا ہے تو اس کا خاتمہ سمجھو۔ اور جو دوبارہ انقلاب پیدا کر کے سلطنت کی واپسی کا خواہشمند ہے۔ وہ غدار سمجھا جائے گا۔ جو کچھ ملک کو وحید الدین سے مل چکا ہے وہ کافی ہے"۔

رؤف جلسہ سے رنجیدہ لوٹتا۔ اور جمہوریت سے اپنے اخلاص و ایمان کا اعلان کرتا ہے۔

اس اثنا میں استنبول میں قیامت برپا ہو جاتی ہے مخالفین جمہوریت اپنے نیز و تند مقالات سے زمانہ گذشتہ پر نوحہ و بکا کرتے ہوئے خلیفہ کی فضا کو تکدر سے بھر دیتے ہیں۔

اکتوبر ۱۹۲۳ء کے وسط میں استنبول کے اخبار دو بیان شائع کرتے ہیں۔ جنہیں آغا خان اور امیر علی (مرحوم) کی طرف سے عصمت کو مخاطب کیا گیا تھا۔ اور جن کا خلاصہ یہ تھا۔ کہ مقام خلافت کا باقوت رہنا لازم ہے۔ اس لئے خلافت کی جانب سلطنت کی بازرفت لابدی ہے جیسا

کہ پہلے تھا۔

یہ رجعت پسندانہ کارپردازیاں کمال کیلئے کفایت کرتی تھیں؟
اب وہ شکست خلافت کے لئے آخری ضرب لگانا چاہتا ہے مخالفین کے لئے قیامت برپا کر دیتا ہے اس کا دست راست عصمت مجلس وطنی میں تقریر کرتے ہوئے اس بات پر نفرت ظاہر کرتا ہے۔ کہ آغا خان اور امیر علی خاص ترکی کے معاملات میں دخل انداز ہوتے ہیں اور انگریزوں کو ملزم گردانتا ہے۔ کہ وہ پس پردہ یہ کھیل کھیل رہے ہیں اور اپنی دُم کو حرکت دے رہے ہیں۔

لفظ انگلستان تنہا مجلس کو پرجوش بنا دینے کیلئے کافی تھا۔ اس لئے ہمیں اس بات پر متعجب نہیں ہونا چاہئے اگر محکمہ استقلال استنبول کو جائے۔ اور رجعت پسندوں کی گوشمالی کر کے ان سے فضا کو پاک و صاف کر دے۔

لطفی فکری بے کیلئے پانچ سال قید کا حکم ہوتا ہے۔ ان اخباروں کے ایڈیٹر جنہوں نے دونوں بیانات شائع کئے تھے محکمۂ استقلال کے سامنے پیش ہوتے ہیں چند علماء کو سزائے قید دی جاتی ہے۔ منصوبہ بازوں کو سزائیں دی جاتی ہیں۔ اور کمال کا دست آہنی عزم و سرعت کے ساتھ حالات کو قابو میں کر لیتا ہے۔

کمال ان تمام معاملات میں سے رائے عامہ کی تائید کے ساتھ نکلتا ہے۔ اور آج ہی کل میں شکست خلافت کا متوقع ہے ؀

---

۲۲ جنوری ۱۹۲۴ء

مصطفیٰ کمال سمرنا میں نمائشی جنگ کرا رہا ہے۔ اُسے عصمت وزیر اعظم کی طرف سے تار ملتا ہے کہ استنبول کے اخبارات نئے سرے سے مسئلۂ خلافت کو ابھار رہے ہیں۔ اور خلیفہ کو مخالفت کے صدر میں جگہ دی ہے ------------------ خلیفہ حکومت سے مل جانا چاہتا ہے۔ اور حکومت کی ذمہ داری اُٹھانے کے لئے اشتراک پر راضی ہے۔ وہ اپنے مصارف میں اضافہ چاہتا ہے تاکہ رفعت مقام کے لائق مظاہرہ کر سکے ؀

کمال اس کے جواب میں ایک لمبا رقعہ ارسال کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ تنہا خلیفہ استنبول میں سیاسی فضا کو مکدر کرنے کا ذمہ دار ہے۔ وہ اپنی سلطنت کے مظاہرے ایام جمعہ میں جلوس کو شاندار بنانے اجنبی حکومتوں کے سفیروں سے ملاقات کرنے اور اپنے قصر عالی میں بڑے اور چھوٹے عہدیداروں کے استقبال کا خواہشمند ہے لیکن قیام جمہوریت کے بعد ان چیزوں میں سے اُسے کچھ نہیں ملے گا۔ بلکہ وہ

صرف ایک تاریخی یادگار رہ گیا ہے۔ اگر وہ سلطنت کی واپسی کا خواہشمند نہیں۔ تو کیوں معاملات حکومت میں اشتراک چاہتا ہے۔ اس کا شان وعظمت میں رہنا بھی بے معنی ہے جس صورت میں کہ اب سلطان نہیں۔ بلکہ محض دینی شخصیت ہے۔ اور مقام دینی مظاہرات دنیوی کے منافی ہے۔ اس لئے ان خطرناک تحریکات کا انسداد لازم ہے۔ اور خلیفہ کو بخوبی سمجھا دینا چاہیئے۔ کہ حکومت جو مناسب سمجھتی ہے کر رہی ہے۔

چند روز کے بعد کمال اور عصمت سمرنا میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ اور اس بات سے متفق ہوتے ہیں۔ کہ مصطفیٰ کمال کے انگورہ میں پہنچتے ہی خلافت کو منسوخ کر دیا جائے۔

یکم مارچ ۱۹۲۵ء

مصطفیٰ کمال مجلس وطنی کے پانچویں دور کا افتتاحی خطبہ پڑھتا ہے۔ اور اس کے اقوال تین امور پر مرکوز ہوتے ہیں:۔

۱۔ حال و مستقبل میں تحفظ جمہوریت پر قوم کی خواہش۔

۲۔ رائے عامہ کا مطالبہ سیاسی تعلیم کے جاری کرنے کے لئے

۳۔ اسلام کی قدر و منزلت کو بلند کرنا۔ اور عالم سیاست سے

اس کی علیحدگی ۔

۳ر مارچ

قانون وضع کرنے کے لئے تین تجویزیں مجلس کے سامنے پیش ہوتی ہیں ۔

پہلی تجویز شیخ صفوت آفندی کی طرف سے پچاس ارکان کے اتفاق رائے سے پیش ہوئی۔ یعنی خلافت کی شکست اور سلطانی خاندان کی جلاوطنی کا مطالبہ ۔

دوسری تجویز خلیل حنفی آفندی کی طرف سے پچاس ارکان کے اتفاق رائے کے ساتھ پیش ہوئی۔ وزارت معاملات دینی واوقاف کی بندش کے لئے ۔

تیسری تجویز واصف بے کی طرف سے پچاس ارکان کے اتفاق رائے سے پیش ہوئی۔ سیاست وحدت تعلیم کے لئے ۔

فتحی بے صدر مجلس تینوں تجویزیں پیش کرتا ہے۔ اور مجلس پونے سات بجے ان سے اظہار اتفاق کرتی ہے۔ ان قوانین کی تصدیق کے بعد خلافت کو شکستہ سمجھو۔ احکام شرعیہ مجلس وطنی کے سپرد ہوتے ہیں۔ وزارتِ شریعت واوقاف بند ہو جاتی۔ اور تمام امور دنیویہ وزارت

تعلیم کے حوالے ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد شیخ راسخ آفندی کھڑے ہو کر کہتا ہے۔ "مسلمانوں کی طرف سے یہ تجویز پیش کرتا ہوں۔ کہ سلطان و خلیفہ کا لقب مصطفیٰ کمال کو دیا جائے۔" مصطفیٰ کمال اُس کا اور تمام مسلمانوں کے حُسنِ ظن کا شکریہ ادا کرتے ہوتے کہتا ہے۔ "مقام سلطنت و خلافت صدر حکومت کا مقام ہے پھر کیونکر ممکن ہے۔ کہ وہ حکومت شرقیہ کا صدر ہو جس میں کئی بادشاہ اور کئی رؤسائے حکومت ہیں؟ اگر ان کے نام اس مطلب کے احکام صادر کئے گئے تو کیا وہ اطاعت کریں گے؟ پھر کیا ایسے مرکز موہوم کی پیروی مضحکہ خیز نہیں جس کا نہ کوئی موضوع ہے نہ دلیل؟ اسطرح خلافت کا لفظ تاریخ ترکی کے صفحات سے محو ہو جاتا ہے۔"

---

۳ مارچ رات کے دس بجے

خلیفہ عبدالمجید اپنے قصر "دولمہ باغیچہ" میں سویا ہوا ہے۔ والئے استنبول اور پولیس کے آدمی دروازے پر دستک دیتے ہیں۔ قصر میں داخل ہوتے ہیں۔ اور ملاقات چاہتے ہیں۔ خادم اُسے بیدار کرتے ہیں۔ اور والی اور افسروں کو ملاقاتی کمرے میں لے جاتے ہیں وہاں خلیفہ ان سے ملاقات کرتا ہے۔ اور وہ مجلس وطنی کی قرارداد یعنی خلافت کی

تلیسنج اور سوئٹزرلینڈ کیطرف اس کی مع کنبہ روانگی پڑھ کر سناتے ہیں خلیفہ پکار اُٹھتا ہے "میں غدار نہیں ہیں وطنی ہوں۔ اور اپنے ملک سے محبت کرتا ہوں"۔ وہ موج تاثر میں ڈوب جاتا ہے! ور نڈھال ہو کر ایک نشست پر گر جاتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد والی احکام انگورہ کی تکرار کرنا اور وہ روانگی کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

دوسرے دن صبح کے وقت وہ اور اس کے افراد خاندان سرکاری موٹروں میں بیٹھ کر قصر شاہی پر حسرت کی نگاہ ڈالتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں۔ رات کے ایک بجے گاڑی شا طلجہ سٹیشن سے حرکت کرتی ہے۔ اور آل عثمان کے آخری خلیفہ کو اُٹھائے ہوئے سوئٹزرلینڈ کی طرف چل دیتی ہے۔

وہاں چان قایا کی بلندی پر بھیڑیا بیٹھا ہے اس کے ہاتھ میں برقیہ ہے جس میں خلیفہ اور اس کے افراد خاندان کی روانگی کا ذکر ہے۔ وہ مسکرا دیتا ہے۔ جیسے درہ دانیال سے اتحادی بیڑوں کی روانگی پر گیلی پولی میں مسکرا دیا تھا۔

خلافت مٹ گئی اور اس کے ساتھ یورپ کا تعصب بھی مٹ گیا۔

ہولناک سازش

بالکل نہیں۔ رجعت پسندوں کا ترکش ابھی خالی نہیں ہوا۔ نظام جمہوریت کو تہ و بالا کرنے اور رؤف اور اس کے مددگاروں کی طرف سے حکومت کی شان رفتہ کو واپس لانے کے لئے ایک ہولناک سازش کی جا رہی ہے یعنی مجلس وطنی کبیر اور خلافت کے متعلق۔

وہ دیکھئے کاظم قرہ بکیر مشرقی علاقوں کے ایک نہائی لشکر کا محافظ اپنا استعفا ارکان جنگ کے رئیس عمومی کے سامنے پیش کرتا ہے۔ کیونکہ تنظیم جیش کے متعلق اس کی تجاویز سے بے اعتنائی برتی گئی ہے۔ اور قبل اس کے کہ اس کا استعفا منظور ہوا اور اس کا جانشین مرکز قیادت میں پہنچے۔ ہم اُسے انگورہ میں دیکھتے ہیں۔

وہ دیکھئے قونیہ کے جیش ثانی کا حاکم تفتیش علی فواد پاشا اپنے لشکر سے استعفا دے کر بکایک انگورہ میں واپس آجاتا ہے۔ رؤف اور اس کے مددگاروں سے جا ملتا ہے۔ اور کمال کی ضیافت نسب قبول نہیں کرتا۔

وہ دیکھئے رافت پاشا بھی مستعفی ہونے والا ہے۔

استنبول کے اخبار ان ایام شورش میں جمہوریت اور مجلس وطنی کی مزعومہ آمریت پر بری طرح حملے کر رہے ہیں نائب شیخ اسعد آفندی چند سوالات مجلس کے سامنے پیش کر کے جدید ترکی کی کمزوریوں کو بے نقاب کرتا ہے اور یہ سوالات دوسرے دن اُلٹ کر کاظم قرہ بکیر کے استعفا کی صورت میں جواب بنتے ہیں۔

یہ سب کچھ ان ایام تاریک میں عجیب سرعت سے رونما ہوتا ہے عیسائیوں کی تادیب و گوشمالی پر انگریزوں نے احتجاج کیا اور ترکی نے اس کا سخت جواب بھیجا۔ وہ جواب جو دونوں حکومتوں کے درمیان جنگ چھیڑ دینے والا ہے اور پیش آنیوالی ہولناک کردی بغاوت جس کے ظہور کے آثار بالکل قریب نظر آ رہے تھے۔

چاروں سازشی اس گمان میں تھے۔ کہ فوج کی تائید ان کے ساتھ ہے اور رائے عامہ کی تائید بالکل قریب ہے۔ حملہ کی قرارداد منظور ہوتی ہے سرعت کے ساتھ اور فیصلہ کن شکل میں۔

مصطفیٰ کمال سازشیوں کی اس حرکت کا منتظر تھا اور خوش کہ اس طرح اُسے اُن پر کاری ضرب لگانے کا موقع ملے گا۔

وہ عصمت اور تمام وزراء سے چاہتا ہے۔ کہ مجلس میں دشمن کے حملے کی تردید کے لئے اپنے پُرزور و مدلل بیانات سے مستعد

رہیں۔ فوزی پاشا سے استعفا طلب کرتا ہے۔ وہ فوراً مستعفی ہو جاتا ہے پھر تار گھر میں جا کر تمام سپہ سالاروں کو احکام بھیجتا ہے۔ کہ وہ نیابت سے مستعفی ہو جائیں۔ ان میں سے عزیز الدین پاشا۔ علی حکمت پاشا۔ شکری نائلی پاشا اور فخر الدین پاشا مستعفی ہو جاتے ہیں۔ لیکن جواد پاشا اور جعفر طیّا پاشا انکار کرتے ہیں۔ انہیں فوج سے علیحدہ کر کے ان کی جگہ دوسرے دو سپہ سالار مقرر کرتا ہے۔ اس طرح سپہ سالاروں کا عنصر عالم سیاست سے علیحدہ کر کے فوج میں سیاسی تدابیر کے انتشار کے لئے حد بندی کر دیتا ہے۔

---

۵ نومبر ۱۹۲۷ء

عصمت وزیر اعظم مجلس کا افتتاح نہایت قابلیّت و دانائی سے کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ حکومت شیخ اسعد آفندی کے جرح کرنے کی منتظر نہ تھی۔ لیکن معلوم ہوا۔ کہ مخالف پارٹی حکومت پر لاتعداد سوالات سے جرح کرنا چاہتی ہے۔ مگر حکومت چونکہ جوابات کے لئے تیّار نہ تھی۔ اس لئے وہ سب کا جواب بعد میں ایک ہی دفعہ دینے میں خوش ہو گا۔

جونہی عصمت اپنی جگہ آکر بیٹھتا ہے تقریباً تنیس خطیب منبر پر سے بولتے ہیں۔ اور صاف ظاہر تھا۔ کہ سازش خطرے کی آخری حد تک پہنچ چکی ہے۔ مخالفین حکومت پر شدت و تندی سے حملے کرتے ہیں۔ اور حکومت تا مرگ اپنے نفس کی مدافعت کرتی ہے ۔

جب رؤف کی باری آتی ہے۔ تو وہ منبر پر چڑھ کر حکومت پر زہر آلود ضربیں لگاتا ہے۔ اور اپنی مخالفت میں بھڑکنے اور قوت پیدا کرنے کے بعد کہتا ہے کہ اس کا اور اس کے مددگاروں کا شعار قومی اقتدار پر مبنی ہے۔ ہر جانب سے آوازیں آنے لگتی ہیں۔ "اور جمہوریت!؟" رؤف احتجاج سے بے پروا ہو کر کہتا ہے:۔ "وہ جگہ جہاں سے قومی اقتدار کو جلا ہوتی ہے۔ مجلسِ وطنی کبیر ہے"۔ پھر شور اٹھتا ہے "اور جمہوریت!؟" رؤف کسی ایسے وجود کا اعتراف نہیں کرتا جسکا نام جمہوریت ہے۔ پھر حکومت پر اپنے پرجوش سوالات کی گولیوں سے بوچھاڑ کر دیتا ہے فوج، تعلیم، زراعت، تجارت و صنعت کے معاملات سے متعلق حکومت کو متہم گردانتا ہے۔ کہ اس نے اہل وطن پر سخت ظلم کئے ہیں۔ اور اپنے سخت حملوں میں بے حد غلو کرتا ہے۔ اور یہ اندازہ نہیں لگاتا۔ کہ جنگ آزادی کے خاتمہ سے لے کر قیام جمہوریت کی درمیانی قلیل سی مدت میں کوئی حکومت بھی اس سے زیادہ نہیں کر سکتی تھی جتنا عصمت

کی حکومت نے کیا۔ آخر اپنے پرستا ثیر ڈرامائی لہجہ میں کہتا ہے۔ "الہی ہمارے ملک اور وطن کی حفاظت کر اور ہم پر رحم فرما" پھر اس یقین پر منبر کو چھوڑتا ہے۔ کہ اس کی ضربیں قاتلانہ ہیں ؛

مصطفیٰ کمال مجلس میں بے حس و حرکت اور خاموش بیٹھا ہے۔ لیکن وزراء وارکان ذرا دیر نہیں کرتے اور فوراً منبر پر چڑھ کر رؤف کے اقوال پر تنقید اور سیاست حکومت کی مدافعت پوری طرح کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کے بیانات دیکھیں گے۔ تو مدافعت پر آخری دم تک عزم نظر آئے گا۔ اور تعجب ہے۔ کہ مخالف حملوں کی تردید کسقدر خوش اسلوبی سے کرتے اور بیانات اور سرکاری کاغذات سے اپنے اقوال کو ثابت کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا۔ کہ سب باتوں کا یکجا جواب دینا عصمت کی ماہرانہ سیاسی چال تھی ؛

چند گھنٹوں کے بعد رؤف پھر حکومت کی تردید کے لئے منبر پر چڑھتا ہے۔ یہاں اس کا راز کھل جاتا ہے۔ اور اس کی سازشوں پر سے پردہ اٹھ جاتا ہے۔ کیونکہ وہ منبر پر سے اعلان کرتا ہے۔ کہ گو وہ خلافت و سلطنت کے مددگاروں میں سے نہیں لیکن اس آدمی کا سخت دشمن ہے۔ جو ان دونوں مقامات کے حقوق علیحدہ کردے! اس پر بحث و تمحیص میں چند دن گزر جاتے ہیں! تو دونوں جانب سے

اپنی سیاست میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ حکومت پر اعتماد و یقین کے لئے معاملہ مجلس کے سامنے پیش ہوتا ہے یہاں رؤف اور اس کے رفقاء کو شکست ہوتی ہے۔ جب مجلس ۱۹ آراء کے مقابل ۱۴۸ کی اکثریت سے حکومت پر اعتماد کا ووٹ پاس کرتی ہے

لیکن معرکہ اسی شدت سے قائم ہے۔

رؤف کے حامی اخبار حکومت پر اپنے آتشیں قلم سے حملے کرتے ہیں۔ اور اس کے رفقا ایک جمعیت قائم کرتے ہیں جسکا نام وہ "جمعیت ترقی جمہوریت" رکھتے ہیں۔ یہ جمہوریت حکومت کی ترقی اور خلافت کی بحالی کے اصول پر کام کرتی ہے۔

کچھ پروپیگنڈا تمام حلقوں میں کیا جاتا ہے جس کی بنیاد اسنبول کا مقابلہ۔ خلیفہ کی واپسی اور مذہبی جھنڈے کی رفعت پر قائم ہوتی ہے۔

کچھ خفیہ مراسلات جمعیت کی جانب سے۔ کچھ مشرقی علاقے میں مدعیان بغاوت کی طرف سے۔ اور کچھ کردوں کی طرف سے ایک دوسرے کی جانب تقسیم ہوتے ہیں۔ کاظم قرہ بکیر اس علم کے بغیر کرد سرداروں کی نگاہ میں تنہا مخلص شخص نظر آتا ہے جو انگورہ کی

"کافر حکومت" کے ہاتھ سے دین کو بچائے گا! اس طرح رؤف اور
اس کے رفقا کی تحریک خطرناک بغاوت کی شکل اختیار کرتی ہے جس
میں آدھا حصہ اُن کا ہے۔ اور باقی آدھا انگریزی سونے کا جو کُردوں
میں بکھیرا گیا +

یہ کہنا محض سادگی پر مبنی نہیں ہوگا۔ کہ رؤف کی جمعیت نے
کُردی بغاوت میں مدد کی۔ لیکن مجھے اس بات کا اقرار ہے کہ اس
کی یہ حرکت بلا قصد و ارادہ اس بغاوت کے لئے خطرناک تمہید بنی
اس لئے وہ اس تمہید کی خاطر تاریخ کے سامنے جواب دہ ہے +

دار و رسن

ترکی کی پُر اضطراب حالت قابل مرثیہ ہے۔ ملک دو لڑائیوں کے
دروازے پر کھڑا ہے۔ جنگ سیاست اور جنگ میدان +

ہر جگہ یاس کا دور دورہ ہے۔ استنبول، انگورہ، ہر شہر اور ہر گاؤں
میں رؤف اور اس کے ارکان جمعیت حکومت و جمہوریت پر کھلے
حملے کر رہے ہیں۔ کردوں کا خطرناک سردار شیخ سعید "سبز علم نبوت"
یعنی علم بغاوت دینی بلند کرتا ہے جس کی پشت پر لارنس ملعون

ہے۔ اور اس کے ہاتھ میں کھنکتی ہوئی انگریزی اشرفیاں ٭

ہر چیز شکست و تباہی کا خوف دلا رہی ہے۔ جمہوریت پسند ترک اپنے گھروں میں بے حس و حرکت پڑے ہیں۔ سوا انگورہ کے سامنے بلندی پر بنے ہوئے مکان کے جہاں ایک مرد نحیف اپنے جھکے ہوئے چہرے کے ساتھ بیٹھا ہے۔ وہ مرد گیلی پولی جس نے فتح پائی۔ حالانکہ تمام دنیا اُسے شکست دینے پر قسم کھائے ہوتے تھی۔ مرد سنفاریہ۔ جو فتحیاب ہوا۔ جب عقل منطق اور حالات حاضرہ اس کی تباہی پر تلے ہوئے تھے۔ خلافت و سلطنت کے مٹانے والا شخص جو منصور ہوا۔ اور سیکڑوں برسوں کی میراث کے ٹکڑے کر دئے ٭

یہ آہن و برف کا جما ہوا لکڑا بیٹھا ہے۔ سامنے ترکی کا نقشہ ہے جس پر چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں ہیں۔ ان جھنڈیوں کو کُرد ی بغاوت کے علاقے میں جمانا شروع کرتا ہے۔ پھر شمال۔ مغرب اور جنوب میں قلب بغاوت میں بڑھاتا ہے۔ اور اگر اس سے فارغ ہوتا ہے۔ تو پھر سگرٹ سلگا کر پینے لگتا ہے۔ اُس نے کُردوں کو پامال کر دیا تھا ٭

ہاں۔ واللہ اس نے کردوں کو پامال کر دیا۔ اور اُن کے لئے قضاء مبرم بنا ٭

طیارے آسمان سے ان پر تباہی گراتے ہیں۔ توپیں دہانوں سے شعلے پھینکتی ہیں۔ بندوقیں آگ برساتی ہیں۔ تلواریں سر کاٹتی ہیں۔ خنجر پیٹ پھاڑتے ہیں۔ اور چالیس ہزار سپاہی کمال کے آتشیں خطبہ سے آتش گرفتہ ہو کر بلاد کرد میں بلندی سے چوٹی پر کودتے ہیں پھر نشیب میں اترتے ہیں۔ لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔ گاؤں جلاتے ہیں۔ اور انگریزوں اور کردوں کے رجعت پسند عنصر سے انتقام لیتے ہیں۔

۲۸ جنوری ۱۹۲۵ء کا آفتاب پھانسیوں پر چمکتا ہے۔ سپاہ نظر آتی ہیں۔ جن پر پینتالیس کرد لیڈروں کی لاشیں لٹکتی ہوتی ہیں۔

اور سب سے آخر وہ دیکھئے ان کا سب سے بڑا لیڈر شیخ سعید اپنی پھانسی کیطرف مسکراتا ہوا بڑھتا ہے۔ سپاہی اس کے پاؤں کے نیچے انگریزی اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلی کرسی بنانے کے لئے رکھتے ہیں۔ وہ اس کے اوپر عجیب ثابت قدمی سے چڑھتا ہے۔ پھر صدر عدالت سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔ "مجھے تم سے کوئی بغض نہیں۔ لیکن ہم سب اپنا حساب یوم حساب میں پیش کرینگے"۔ پھر ترک سپہ سالار سے جس نے اسے شکست دی تھی۔

کہتا ہے جرنیل آگے آؤ۔ اور اپنے سب سے بڑے دشمن کی بربادی دیکھو۔ سپہ سالار پوچھتا ہے "کون میرا اور ترکی کا سب سے بڑا دشمن ہے؟" شیخ سعید مسکراتے ہوئے کہتا ہے۔ "انگلستان"۔

یہ الفاظ آخری الفاظ ہوتے ہیں جلاد اس کے پاؤں کے نیچے سے انگریزی اشرفیوں کی تھیلی کھینچ لیتا ہے۔ رسی اسے اوپر اٹھا لیتی ہے۔ اور وہ مر جاتا ہے۔

انگورہ کے مذکورہ صدر مکان میں پتلا دبلا اور کمزور چہرہ بھیڑیا اپنے سامنے سے ترکی کا نقشہ اٹھاتا ہے اور اسی طرح آہن و برف کا بنا ہوا اکڑا نظر آنے لگتا ہے۔ لیکن اس کی آنکھوں کی چمک وہی گیلی پولی اور سقاریہ کی چمک یاد دلاتی ہے۔

اب وہ فتحیاب ہے اور لوہا نرم ہو چکا ہے۔ اسے کوٹ کر اپنے پروگرام کی شکل جس طرح چاہے گا۔ بنا لے گا۔ اور فضاء جمہوریت کو رجعت پسندی کی گندگی سے پاک کرے گا۔

اب ہم اسے مجلس وطنی کبیر کے منبر پر کھڑا دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں۔ کہ اتہام پر اتہام اس کے ہونٹوں سے نکل رہے ہیں۔ اور قومیت و وطنیت پر ایسا خطبہ اس سے سنتے ہیں جو سحر ہے

ارکان دیر تک تالیاں بجاتے اور نعرے لگاتے ہیں پھر اس کے ہاتھ میں مطلق العنانی کی قوت دے دیتے ہیں۔

ڈکٹیٹر صدر جمہوریہ اپنی قرار دادوں میں تیز قدم اور فیصلہ کن ہے وہ قرار دیتا ہے۔ کہ:۔

رؤف جمہوریت کا اُس وقت سے خطرناک دشمن ہے جب سے اُس نے اپنی نئی جمعیت سے رجعت پسندی کی تحریک شروع کی۔

کاظم قرہ بکیر۔ علی فواد۔ رافت اور جواد رجعت پسند اور سرکش ہیں۔ اور جمعیت ترقی جمہوریت سے جس کسی کا بھی تعلق ہے وہ حیلہ باز اور رجعت پسند ہے۔

استنبول کے مخالف اخبار جمہوریت کے خار پہلو ہیں۔ ان سب کو مٹ جانا چاہیئے۔ اتنی سرعت سے جیسے کہ کرُ و مٹ گئے۔

آزادی کی عدالتیں ہر شہر۔ ہر گاؤں اور ہر جگہ کو رجعت پسندی سے پاک کرتی ہیں اخباروں کے منہ میں کپڑا اٹھونس دیا جاتا ہے مصطفیٰ کمال اپنے طوق آہنی سے دشمنوں کو گھیر لیتا ہے اور ان میں سے سوا رؤف۔ عدنان اور خالدہ ادیب خانم کے کوئی فرار نہیں

ہونے پاتا۔ اس طرح رؤف کو زریں موقع مل جاتا ہے۔ اور وہ سمرنا میں مصطفیٰ کمال کے قتل کی سازش کرتا ہے۔ مخالفین میں سے ایک شخص گرفتار ہوتا ہے۔ بم دستیاب ہوتے ہیں۔ جو ایک مکان سے اس کے اوپر پھینکے جانے والے تھے۔ مراسلات پکڑے جاتے ہیں جس سے سازش قتل میں مخالف جماعتوں کے ہمنواؤں کی شرکت ثابت ہوتی ہے۔ یا سازشیوں کے ساتھ ساز باز۔ اسلئے انگورہ اور سمرنا میں "آزادی کی عدالتیں" بنائی جاتی ہیں جہاں سازشیوں کو پیش کیا جاتا ہے۔

انگورہ میں سامنے والے مکان میں بیٹھا ہے۔ آزادی کی عدالتیں سازشیوں پر موت کا فتویٰ صادر کر دیتی ہیں۔ وہ اپنے نام سے وثیقۂ موت پر دستخط کرتا ہے۔ اور اس کے چہرے پر اس وقت بھی ہلکے سے تاثر کا نشان دکھائی نہیں دیتا۔ جب اس کے قدیم دوست کو موت کا حکم سنایا جاتا ہے۔ ہاں عارف جو اس کے بہترین دوستوں اور مخلص یاروں میں سے تھا۔ عارف جو خلافت و سلطنت کی شکست کے بعد پلٹ کر سازشی بن گیا تھا۔ اور رجعت پسندوں میں شامل ہو گیا تھا۔ عارف جسے کمال نے اپنی خفیہ ملاقات میں مدافعت لنفس کا موقع دیا تھا۔ اور اس نے جواب میں کہا تھا۔

کہ "ہاں میں نے تمہارے قتل کی کوشش کی اور اگر اب بھی میرے پاس پستول ہوتا۔ تو تمہیں قتل کر دیتا"!!

چند دنوں کے بعد پیغامبر فوج ثانی کے سازشیوں کی موت کا وثیقہ لے کر آتا ہے۔ وہ فوج جو مخالف جماعت کے رہنماؤں سے تیار ہوتی تھی جس کا پیش رو جاوید بے سابق وزیر مالیہ ترکیہ تھا۔ اور پس پردہ رہ کر رجعت پسندوں کو تدابیر بتاتا تھا۔ اُن سب کی پیشی ہوئی اور جرم ثابت ہوا جرم میں سازشِ قتل میں شرکت لازم نہ تھی۔ بلکہ دشمن جمہوریت ہونا اور خلافت و سلطنت کے قیام کی کوشش کرنا کافی تھا۔ مصطفیٰ کمال چار سپہ سالاروں کے نام قلمزد کر کے باقی آدمیوں کے وثیقہ موت پر دستخط کر دیتا ہے +

وہاں انگورہ سے باہر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ محض چند لیمپوں کی مدھم سی روشنی میں پھانسی کے نیچے مخالف رہنماؤں کی لاشیں لٹکتی نظر آتی ہیں +

ان میں سے ہر راستے میں مخالفت کی چٹان تھا۔ اور اب وہ دیکھتے ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے ہیں۔ ہر ایک نے مرنے سے پہلے خطرناک کلمات کہے۔ لیکن جاوید نے کرسی موت پر یہ آخری نکتہ جلاد سے کہا "اگر میں پھانسی کی موت کے لئے اچھا ثابت

نہ ہوں۔ تو معافی چاہتا ہوں۔ خدا جانتا ہے کہ مجھے اس سے
پہلے ایسی موت مرنے کا تجربہ نہیں"۔

ترکی کچھ نہیں مگر ترکی!

اب ترکی آزاد ہے۔ سلطنت و خلافت مٹ گئی۔ جمہوریت
کا اعلان ہو گیا۔ رجعت پسند یا تو تختۂ دار پر چڑھ گئے۔ یا ملک سے
دور بھاگ گئے۔

اب عہد قدیم کا نشان مٹ گیا۔ لیکن کیا تمام کا تمام مٹ
گیا؟

اب عہد قدیم کا پھوڑا بہ گیا۔ لیکن کیا تمام و کمال بہ گیا؟
مصطفیٰ کمال اپنی حیات کے پر خطر اوقات میں ہے۔ وہ
خلافت کو مٹاتا ہے۔ گردنیں مارتا ہے اور جلا وطن کرتا ہے اور
اگرچہ ورم اتر چکا ہے لیکن قرون رفتہ کی آتش گرفتہ بلندی کا تمام
و کمال زائل ہونا ابھی باقی ہے۔ اس سوختگی کا ازالہ ناممکنات میں
سے تھا۔ کیونکہ اس کی جڑیں دلوں کی گہرائیوں تک پہنچی ہوئی تھیں
مگر کمال مرد گیلی پولی وسقاریہ و جمہوریت تھا۔ جو ناممکن نہیں جانتا۔

نہ اس لئے کہ وہ نپولین کی طرح ارض و سما کے مقابل ہو اور پھر ارض و سما کا ارادہ اسے پچھاڑ دے۔ بلکہ وہ مرد اعداد و شمار تھا۔ مرد حقائق تھا۔ مرد عالم تھا۔ سو وہ اس طرح نہیں چلتا کہ نظر آسمان پر رکھے۔ بلکہ ہر قدم پر جو وہ اُٹھاتا ہے۔ اس کی نگاہ زمین پر ہوتی ہے۔ اور اگر اب وہ ناممکن کے مقابل ہے۔ تو اس لئے کہ وہ اسے ناممکن تصور نہیں کرتا۔ بلکہ وہ دیکھتا ہے۔ اور اس زمین کے چپہ چپہ کا اندازہ لگا لیتا ہے۔ جو اس ناممکن کی طرف جاتی ہے۔ وہ دیر تک سوچتا ہے۔ کہ کس طرح اس سمندر سے گزرے۔ کس طرح اس محیط کو عبور کرے۔ اس اونچی بلندی پر چڑھے۔ اور اس راہِ پُرخار کی دشواریوں پر غالب آ کر اپنے مقصود تک پہنچے۔ وہ اسے کچھ ناممکن نہیں سمجھتا۔ اور تعجب کرتا ہے کہ لوگ کیوں ایسی آسان گزرگاہ کو ناممکن کہتے ہیں ؎

مصطفیٰ کمال انگورہ کے سامنے والے مکان میں بیٹھا ہے اور اس کے صفحۂ دماغ پر تمام سیاسی اقتصادی اور اجتماعی نقشہ ثبت ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کہ اس کے ہاتھ میں چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں ہیں۔ اور انہیں اس نقشے میں جہاں چاہتا ہے۔ بالکل اسی طرح جماتا جاتا ہے۔ جس طرح پہلے گیلی پولی۔ سقاریہ اور کُردی بغاوت میں جماتا رہا ہے ؎

میں دیکھتا ہوں۔ کہ وہ ایک حصّۂ زمین کے گرد جھنڈیاں جما رہا ہے جس کا نام "جدید ترکی" ہے پھر اُسے دیکھتا ہوں۔ کہ اُس نے حملے کی جھنڈیوں کا رُخ مشرق کی طرف کیا ہے۔ اور غرب کی طرف سے دروازہ کھول رکھا ہے۔ تاکہ اپنے ملک میں مغربی تمدّن بھر لے۔ اس کے ہاتھ میں ہم کنجی دیکھتے ہیں۔ جب چاہتا ہے۔ یہ دروازہ کھول لیتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے۔ بند کر کے مغربی سیلاب کو روک دیتا ہے +

ہم اُسے یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں "۔ لازم ہے۔ کہ ہم مغربی تمدّن کا شجر اپنے ملک میں لائیں۔ اور اس درخت کی زندگی کی خاطر لازم ہے کہ اُسے مع اُس کے گھر کے اُٹھا لائیں۔ جس میں یہ درخت پہلے پلتا رہا پھر ضروری ہے۔ کہ اس درخت کی پرورش نئے گہوارے میں ہو اور رفتہ رفتہ اسے ہماری اس آب و ہوا کی برداشت کے قابل بنا یا جائے جو ہم قلب ایشیا سے اپنے ساتھ لائے ہیں۔ اور اس سب کا یہ مطلب ہے۔ کہ ہم اپنے تعلقات مشرق سے ہمیشہ کے لئے قطع کر دیں وہ تعلقات جو ہمیں خلافت و سلطنت سے ورثہ میں ملے" +

اب میں اپنے قارئین شرق سے متوقع ہوں۔ کہ مجھے اس بغاوت اجتماعی میں مدافعت کا موقع دیں۔ اور اس فصل کے پڑھتے وقت ان تمام باتوں کو دل سے نکال دیں۔ جو اُنہوں نے ترکی جدید کے

متعلق سُنی ہیں۔ اور جنہیں سُن کر وہ متاثر ہوتے ہیں *

ترک وسط ایشیا سے آئے۔ اور وہاں ابتدائی زمانے میں ان کے تمدن کی بنیاد خانہ بدوشی پر تھی۔ ان کا ٹھکانا شاداب خطہ ہوتا تھا۔ ان کے پاس صنعت جنگ کے سوا دوسری کوئی صنعت نہ تھی۔ ان کی تجارت حیوانات تک محدود تھی۔ بیاجو کچھ عالم خیام کا نتیجہ ہو سکتا تھا۔ نہ بادشاہت تھی۔ نہ سلطنت۔ بلکہ ایک بدویانہ سرداری تھی۔ اُن کے سلاطین نے جب فتوحات حاصل کیں اور عروج پایا۔ تو آدھے سے زیادہ مشرق میں پھیل گئے۔ ان سلاطین نے اسلام اور شرق اسلامی کے تمدن کو گلے سے لگایا۔ یہ تمدن اہل اناطولیہ کی گہرائیوں میں نہیں اترا۔ بلکہ ان کے اصلی تمدن پر محض پوست بنکر رہا۔ اور اب کہ انہوں نے اپنے سلاطین و خلفا کو علیحدہ کر دیا تو کیا انہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس تمدن کو بھی اتار پھینکیں۔ جو اُن کے گلے منڈھا گیا تھا۔ وہ تمدن ہوا نہوں نے قبول نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس کے کچھ پوست لے لئے تھے *

پھر دوسرا مسئلہ ہا۔ اسلام دوسری چیز ہے۔ اور تمدن دنیوی دوسری چیز۔ اسلام دین اللہ ہے۔ اور تمدن دنیوی صنعت بشری سے پھیلا ہوا ہے۔ یہ تمدن دنیوی تمام اسلامی اصولوں سے مکمل نہیں ہوا۔

بلکہ اس میں فارسی۔یونانی۔رومی اور ہندی اصول بھی ہیں اسلئے
اسلام کو تمدن اسلام میں ملادینا لغویت ہے۔پھر یہ بھی لغویت ہے
کہ اسلام کو تمدن اسلام سے مربوط کیا جائے کیونکہ دین ایک ہے۔جو
کسی وقت اور کسی زمانے میں نہیں بدلتا لیکن تمدن کا ہر زمانے کے
ساتھ ساتھ بدلنا لازم ہے۔اس خدا کا شکر ہے جس نے ہمارا دین
اپنی حدود وارکان خمسہ سے ہر زمانہ اور ہر تمدن کے لئے صالح بنایا۔پھر
ہم ترکی سے کیوں اس بات کے طالب ہوں۔کہ ہمارے تمدن شرقی
کی محافظت کرے؟ اور کیوں اس سے نئے تمدن کی تخلیق کے طالب
نہ ہوں جب وہ اس بات پر راغب ہے؟

پھر تیسرا مسئلہ یعنی علم اسلام کا اٹھانا۔یہ علم سب سے اوّل
حضورپرنور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اٹھایا اور حضور انور کے بعد
خلفاء راشدین نے سنبھالا۔پھر خلفاء بنی امیہ نے پھر بنی عباس اور
فاطمیوں نے۔پھر جزیرہ عرب۔شام اور عراق کے بعد مراکش اندلس
اور مصر میں اٹھایا گیا۔اس کے بعد جب تاریخ اسلامی میں ترکوں کا
دور آیا۔تو انہوں نے اپنی باری سے اسے سنبھالا۔اور چھ صدیوں تک
اس کی حفاظت کی کوشش کرتے رہے۔حتیٰ کہ ان کی قوت زوال
پذیر ہوئی۔اور جنگ عظیم و قبضۂ اغیار کے بعد بالکل مٹ گئی۔پھر

جب بغاوت وطنی کی آگ بھڑکی اور ترکوں نے دشمنوں کو اپنے ملک سے بھگا دیا۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ انہوں نے اپنی عظمت رفتہ دوبارہ حاصل کر لی تھی۔ بلکہ اس کا یہ مطلب تھا۔ کہ ایک غلام قوم نے آزادی حاصل کر لی۔ اس سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ پھر ہم ایسی حکومت سے جو عدم سے وجود میں آئی ہو اور مشکل سے اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکتی ہو۔ کیوں وہ مطالبہ کریں۔ جو ہم با اقتدار سلطنت عثمانیہ سے کرتے تھے! اور کیونکر وہ حکومت عَلَم اسلام اٹھا سکتی ہے۔ جب وہ خود اپنا عَلَم اٹھانے کی بھی قدرت نہیں رکھتی +

پھر چوتھا مسئلہ یعنی مدافعت اسلام۔ یہ کسی نے بھی اس وقت تک اپنا شعار نہیں بنایا تھا جب اسلام اپنی قوت کے اعتبار سے مضبوط تھا۔ بلکہ ہمارے اجداد قدیم نے دوسرا شعار مقدس اختیار کر رکھا تھا یعنی "حملہ" یعنی "اسلام یا جزیہ" جب مسلم قوم کمزور ہو گئی اور واحسرتا جب مغرب کی غلامی میں اسیر ہو گئی۔ تو اس شعار کا ظہور ہوا۔ یعنی "مدافعت قوم" تاکہ استقلال و قوت حاصل کرے! اور اسلام کے لئے حملہ آور ہو۔ یہ واقعیت ہے۔ جس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ دین ضعیف نہیں۔ بلکہ حکومت ضعیف ہے اس لئے دین کی قوت ترقی کے بجائے حکومت و قوم کی قوت و ترقی لازم ہے۔ یہ ہے مصطفیٰ کمال

کی منطق جس کی وہ منادی کر رہا ہے۔

"وطن اُولی ہے .... وطن ہر چیز سے پہلے ہے"۔

پھر **پانچواں مسئلہ** شرق اسلامی اپنے افکار و عقائد میں بہت بلند ہے لیکن اس کی شان سیاسی و اقتصادی بالکل پست ہے یہ ایک تلخ حقیقت ہے۔ جو بحث و تمحیص کی محتاج نہیں۔ اور گو ہم دائماً "اتحاد اسلامی"۔ "اتحاد عربی"۔ "مشرق ہی تہذیب کا سرچشمہ ہے"۔ اور "مشرق نے مغرب کو سکھایا اور سکھاتے گا" کے نعرے لگاتے ہیں۔ لیکن جب حقیقت پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو دیکھتے ہیں۔ کہ ہم خود تو زمین پر ہیں اور ہمارا مطمح نظر آسمان پر۔ یہ میں اس لئے نہیں کہتا۔ کہ اپنے مطمح نظر کی قدر و قیمت کم کروں۔ بلکہ اس لئے کہتا ہوں۔ کہ ہم کمال کے ساتھ ملکر نغمہ پیرا ہوں۔ غرب کے مقابل ایک دسیع اتحاد اسلامی قائم کریں۔ اور اس کے تمدن سے بہتر تمدن تیار کریں جب ہم اس پر مُصر ہیں۔ کہ ہمیں اس سے بہتر مسلک اختیار کرنا چاہیئے۔ تو ہم پر واجب ہے کہ پہلے اپنی حالت کی اصلاح کریں۔ اپنی اولاد کی تربیت حریت و جہاد کی فضا میں کریں۔ اور مغرب کے تیز رو سیلاب کا مقابلہ کریں۔ پھر حصول استقلال کی کوشش کریں۔ اور اس بات پر کاربند ہوں۔ کہ ہم میں ہر حکومت آزاد ہو۔ اور اس کے استقلال و اطمینان کی محافظت

کہیں اگر ہم اس مرحلہ پر پہنچ جائیں۔ تو اس وقت مطمح نظر پر غور کریں وہ غور و فکر بر وقت ہوگا۔ یہ ایک قابل تاسف حقیقت ہے۔ کہ تنہا کمال نے اس سیاست منظم پر اپنی حکومت کی تشکیل کی۔ اور اس مطمح نظر تک پہنچنے کا بہتر طریق اختیار کیا۔ گو اس مسلک میں وہ وقتی افتاد کیوں نہ ہو جو آسمان سے زمین پر گرا دے۔

چھٹا مسئلہ۔ کیوں مشرق اپنی دنیا میں روحانیت پر عامل رہے؟ امن و سلامتی کے نغمے گا تا رہے۔ اور حق اور کلمۃ الحق کا طالب ہو۔ جب وہ ایسے مادی جنگ جو اور غلام گر عالم میں بس رہا ہے۔ جو قوت کے بغیر حق نہیں جانتا اور اس وقت تک کلمۃ الحق قبول نہیں کرتا۔ جب تک توپوں کے دہانے اس کے سامنے نہ ہوں؟ کیوں ہم مشرق کے ایک جلیل القدر مفکر کے منہ سے جنگ آزادی ترکی کے متعلق یہ الفاظ سنتے ہیں۔ کہ یہ اچھے نتائج پر ختم ہوئی لیکن جو چیز اس کے دامن جمال پر دھبہ ہے۔ وہ لاکھوں ترکوں کی قربانی اور خون گراتا ہے؟

یہ ذہنیت مشرق میں پہلے موجود نہ تھی اور اب اس کا وجود ہمارے اور ہماری اولاد کے لئے سخت جرم و عار ہے اور یہ امر ہمارے لئے اور آسان ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ مشرق اس بے ہوشی سے جاگ رہا ہے اور سمجھنے لگا ہے۔ کہ روح اس وقت مادہ پر غالب آ سکتی ہے۔

جب اسی لوہے سے اسے کاٹا جائے۔ اور وہاں امن و سلامتی ناپید ہوتی ہے
جہاں نیزوں کی نوکیں آفاق عالم کو ڈھک رہی ہوں۔ اور حق اسی وقت فائدہ
دے سکتا ہے جب قوت سے حاصل کیا جائے ؛

ساتواں مسئلہ ترک سلطنت و خلافت کے زمانہ طویل میں اس
طرح رہے۔ کہ اپنے لئے خاص وطن نہ جانتے تھے۔ اُن کا دین اور وطن اسلام
تھا۔ کوئی ترک مصر۔ شام۔ عراق۔ حجاز یا یمن جہاں بھی تھا۔ وہی اس کا
وطن تھا۔ ترکی حدود کا کوئی وجود نہ تھا۔ اور نعرہ جنگ یہ نہیں تھا۔ کہ اُٹھو
اور اپنے وطن کی مدافعت کرو۔ بلکہ یہ تھا۔ کہ اٹھو اور اسلام کی حفاظت کرو۔
یہ اُس وقت تک تو خوب تھا جب سلطنت عثمانی کے پاس قوت و
دولت تھی۔ لیکن جنگ عظیم کے بعد مشرق الگ الگ حکومتوں میں ٹکڑے
ہو کر نکلا۔ ان میں سے ہر حکومت اپنے استقلال کے نغمے گاتی اور اپنی
حدود کی طالب تھی۔ لہٰذا ترکی کے لئے عبث تھا۔ کہ عالم اسلام کو اپنا
وطن بنائے رکھے۔ پس اس بنا پر مصطفیٰ کمال نے ترکی کو عالم اسلام سے
علیحدہ کر دیا۔ جس طرح ہم نے اپنے ملک کو اس سے علیحدہ کر لیا۔ اور
اس کے لئے علیحدہ استقلالی شان بنالی ؛

یہ ہے ترکی جمہوریت کی روح۔ مصطفیٰ کمال کی جمہوریت جس کا
میں نے اجمالاً حل پیش کیا ہے۔ اور اس کے تمام پہلوؤں پر اس لئے

رائے زنی کی ہے۔ کہ قارئین اُسے کسی عالم جدید یا حکومتِ جدیدہ میں نہ سمجھ لیں +

وہ ترکوں کو سمجھتا ہے

مصطفیٰ کمال خلافت و سلطنت کی شکست۔ اعلانِ جمہوریت۔ مخالفین کو دار پر چڑھانے یا انہیں دنیا کے آخری حصوں میں جلاوطن کرنے۔ شرقِ اسلامی سے قطع تعلق کرنے اور اپنے ملک میں مغربی تمدن کی تربیت پر قائم ہونے کے بعد کیا دیکھتا ہے +

وہ سروں پر طربوش اور قلپاق دیکھتا ہے۔ یا سفید۔ سبز اور سرخ عمامے۔ یا لمبا لبادہ جو درویش پہنتے ہیں۔ یا طافیہ[1] اور طرطور جو کرد پہنتے ہیں۔ ان میں سے ہر چیز ایک خاص گروہ کی علامت ہے اور دلوں میں تعصب و بغض کا جوش ہوتا ہے +

وہ جسموں پر فرنگی لباس۔ جبہ۔ قفطان۔ شلوار۔ چوغہ اور عبا دیکھتا ہے۔ یہ ہر رنگ کا لباس اپنے اختلاف پر چیخ رہا ہے اور ترکوں کو طبقات میں تقسیم کر کے تعصب و عداوت کی آگ بھڑکاتا ہے۔ دماغوں میں اگر

---

[1] طافیہ اور طرطور مخروطی شکل کی اونچی ٹوپیاں ہوتی ہیں۔ جو کرد پہنا کرتے ہیں +

ایک طرف ثقافت غربی ہے۔ تو دوسری طرف شرقی تیسری دونوں کے مابین اور چوتھی بالکل جہل۔ وہ دیکھتا ہے۔ کہ تعصب دلوں میں پختہ ہو گیا ہے۔ مذاہب وہ تو نہیں ہیں۔ جو اللہ اور اُس کے رسولؐ نے بتائے ہیں۔ بلکہ اسلام کا نیا طریقہ ایجاد کیا ہوا ہے۔ یہ مولوی ہے وہ بکتاشی ہے۔ وہ نقشبندی ہے اور وہ خدا جانے کیا ہے۔ یہ تمام قرونِ وسطیٰ کی بدعت ہے۔ اور جہل و پستی اور جمود نے اس کی پرورش کی ہے۔

نیز وہ دیکھتا ہے۔ کہ خود حکومت کے اندر ملّاؤں کی حکومت قائم ہے۔ اور یہ ملّا ایسے لوگوں پر مشتمل ہیں جنکا دین کے ساتھ اس کے سوا کوئی تعلق نہیں۔ کہ سفید، سبز یا سرخ عمامے باندھ لیتے ہیں۔

اصلاح کی جتنی کوشش کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اکابرِ دین اس کے خلاف سخت جنگ کا اعلان کرتے ہیں۔ اور بے مائیگی جہالت اور دینی تعصب کے لاتعداد نمونے سامنے آتے ہیں۔ باوجودیکہ اسلام دینِ اصلاح ہے۔ دینِ ترقی ہے۔ اور تمام قسم کی تہذیبوں کا دین ہے۔

بلکہ وہ دیکھتا ہے۔ کہ ان میں سے ہر نمونہ ایک مستقل قوم ہے۔ ترکی کی حدود کے اندر مختلف قومیں بستی ہیں۔ اہلِ استنبول اور ساحلِ یورپ پر ایک قوم ہے۔ اہلِ اناطولیہ انگورہ تک ایک قوم۔ ساحلِ بحیرۂ اسود پر ایک قوم بستی ہے۔ بلادِ کرد میں ایک قوم۔ اور مشرقی اناطولیہ

میں ایک قوم۔

جب مصطفی کمال چلنا چاہتا ہے۔ تو یہ موسے راہ میں چٹان بنکر حائل ہو جاتے ہیں۔ چاہتا ہے۔ کہ اصلاح کرے۔ لیکن اسی پر الٹ پڑتے ہیں۔ اور اس کی رفتار اصلاح میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ قوم کو مضبوط کرنا چاہتا ہے لیکن وہ انکار کرتی ہے بلکہ ہر مناسبت اور ہر سبب میں اس سے بغاوت کرتی ہے۔

"ہرگز نہیں۔ یہ وہ ترکی نہیں۔ جو میں جانتا ہوں۔ بلکہ یہ ترکی خلافت وسلطنت کے لباس اور شرق اسلامی کے تمدن میں سے ہے"۔ اور یہ الفاظ اس وقت اس کی زبان سے نکلتے ہیں۔ جب وہ جمع تفریق اور ضرب دے لیتا ہے۔ یہاں وہاں جھنڈیاں لگا لیتا ہے اور تمام امور کی فوجی منطقیانہ جانچ کر لیتا ہے۔

"میں ایسی ترکی دیکھنا چاہتا ہوں۔ جیسے کسی چیز سے تعصب نہ ہو ترک جنہیں میں نے گیلی پولی اور سنقاریہ کے میدان آتش میں دھکیلا وہ ترک ہیں۔ جو وسط ایشیا میں اُٹھے۔ اور ابھی تک وہیں مقیم ہیں وہاں وہ اپنی چراگاہوں۔ اپنے گھوڑوں اور اپنے خیموں میں اپنے سردار قبیلہ کی کی اندھی اطاعت کرتے رہے۔ ان میں سے ابھی تک سوا پوست کے کچھ نہیں بدلا۔ یہ پوست میں زائل کرونگا تاکہ ان کی نگاہ میں قبیلے

کا سب سے بڑا سروار ہوں"۔

"جب میں یہ پوست زائل کرنا شروع کرونگا اور اپنے ابنائے طین کو ان کی فطرت اولیہ پر لانا چاہونگا۔ تو تعصب وبغاوت کے دعویدار رجعت پسندی کے علم اٹھائے ہوتے نمودار ہونگے ان پر دست آہنین و آتشیں سے ضرب لگاؤنگا۔ اور انہیں صفحۂ ہستی سے محو کر دونگا۔ پھر اپنی قوم کی طرف آ کر اس کی حالت کی اصلاح کبھی تو منطق سے اور کبھی آہن و آتش سے کرونگا۔ تا آنکہ زمین تیار کرنے کے بعد اس کے لباس عقائد ثقافت اور ذہنیت میں وحدت پیدا کرونگا اور اس "قوم داخل قوم" کو مٹا دونگا۔ پھر اسے زندگی کی پرشور لہروں میں پھینکوں گا تاکہ تنہا ہاتھ پاؤں مارے اور قدرت پر یہ ثابت کر دے۔ کہ اس میں زندہ رہنے کی قابلیت ہے"۔

جمہوری قومی جمعیت

اس کی بنا قبیلہ کے سردار اکبر نے اس وقت ڈالی تھی جب مؤتمر ارض روم وسیواس منعقد ہوئی۔ اور اس کی آدھی بنیاد مجلس وطنی کبیر میں مکمل ہوئی۔ پھر اس کی تکمیل اس وقت کی۔ جب شہروں اور دیہات میں دورہ کیا۔ اور اس کی بنیاد نئے اصول پر رکھی جو تعلیم جمہوریت پر

قائم ہو۔

یہ جمعیت مصطفیٰ کمال کے فلسفۂ دستور حیات کی مادی شکل ہے۔ سب سے پہلے اس کی ساخت اس کی اپنی شخصیت کے تنہا نقطہ پر ہوئی پھر اس نقطہ کے گرد منطق اور آہن و آتش سے دائرہ کھینچنا شروع کیا۔ اور سلطنت کے ہاتھ سے حکومت منتقل کر کے مؤتمر ارض روم وسیواس کے ہاتھ میں دی۔ پھر مجلس وطنی کے ہاتھ میں۔ جب اس مجلس کے ہاتھ میں حکم مضبوط ہو گیا۔ تو پھر شکست سلطنت و خلافت سے اس رشتہ کو قطع کر دیا۔ جو اُسے باب عالی سے منسلک کئے ہوئے تھا جب امور حکومت سے مخلصی پائی۔ تو جمہوریت کا اعلان کیا اور جب اس کے خلاف شورش برپا ہوئی۔ تو مجلس وطنی کو چھوڑ دیا۔ اور اس جمہوری قومی جمعیت کا اعلان کیا جس میں تمام افراد قوم شامل ہوں اس طرح وہ جمعیت بنائی۔ جو انتخاب کنندہ تھی۔ اور مجلس وطنی منتخب شدہ اور جب ہیئت وزارت کی تشکیل مجلس وطنی کبیر سے ہوتی تھی۔ تو خود مجلس جمہوری قومی جمعیت سے منتخب ہوئی تھی۔ اس لئے جمعیت ہیئت وزارت اور اعمال حکومت کی نگران ٹھہری۔

یہاں مصطفیٰ کمال چار سال کے اندر اپنے پُرہیبت دائرہ کا نقشہ پایۂ تکمیل کو پہنچاتا ہے اور اس نقطہ سے ملا دیتا ہے۔ جس کی ابتدا ۱۹۱۹ء سے

میں مؤتمر ارض روم میں ہوئی تھی۔ پھر اس کے بعد کیا کرتا ہے ؟

وہ مرکز دائرہ میں اسی طرح آہن و برف سے جما ہوا ٹکڑا بنکر بیٹھا ہے۔ پھر نئے سرے سے اُسے گردش دیتا ہے۔ لیکن کس طرح؟ جسطرح چکی گردش کرتی ہے اور عہد قدیم کے خاکے اور رجعت پسند دل کے سر پس جاتے ہیں۔ وہ پیستا ہے۔ اور پیسے جاتا ہے حتّٰی کہ دائرہ چار سال میں اسی جگہ واپس آجاتا ہے جہاں سے ابتدا ہوئی تھی اس کے بعد کیا کرتا ہے ؟

وہ دائرے میں اسی طرح آہن و برف کی طرح جما بیٹھا ہے پھر از سر نو اسے پھرانے لگتا ہے لیکن اس دفعہ تعمیر کرتا ہے۔ بناتا ہے اور بنائے جاتا ہے۔ تعمیر کرتا ہے اور کئے جاتا ہے اصلاح کرتا ہے۔ اور کئے جاتا ہے سکھاتا ہے۔ اور سکھائے جاتا ہے تاآنکہ دائرہ دوسرے چار سال میں اسی جگہ لوٹ کر آجاتا ہے۔ جہاں سے شروع ہوا تھا۔ پھر اس کے بعد کیا کرتا ہے ؟

وہ مرکز دائرہ میں اسی طرح آہن و برف کی طرح جما بیٹھا ہے۔ لیکن اس دفعہ اُسے خود نہیں چلاتا۔ بلکہ وہ مشین اُسے گردش دیتی ہے۔ جسے کمال کے باکمال ہاتھ نے تجربوں کے حصول اور عرصے کی جدوجہد سے تیار کیا تھا۔ یہ مشین "جمہوریہ ترکیہ" کے نام سے موسوم کی جاتی ہے اور

جس کے یہ چھ مضبوط پرزے ہیں:۔

وطنیت ۔ ملیت ۔ جمہوریت ۔ قومیت ۔ بغاوت اور علمیت +

چوتھا دور ۱۹۳۵ء میں جمہوریت ترکی کے دس سال گذرنے اور پھر جشن کے بعد ختم ہونا ہے +

پانچواں دور ۱۹۳۹ء میں ختم ہوگا چھٹا ۱۹۴۳ء میں ۔ ساتواں ۱۹۴۷ء میں ۔ آٹھواں ۱۹۵۱ء میں ۔ نواں ۱۹۵۵ء میں اور دسواں ۱۹۵۹ء میں ۔ کمال کا وقت اس یا اس سال میں ختم ہوجائے گا اور اس طرح مرے گا کہ وہ مرکز دائرہ میں اسی طرح آہن و برف کی طرح جما ہوا بیٹھا ہوگا ۔ لیکن اس کی موت کے بعد یہ گردش بند نہیں ہوجائیگی ۔ کیونکہ اسے پھرانے والی زبردست مشین کمال کی روح ہے ۔ جو کبھی نہیں مرے گی +

لباس کی یکسانی !

قومی جمعیت اپنے دور ثانی میں ہے ! ور وہ دائرہ جس کے مرکز میں کمال بیٹھا ہے چکی کی طرح گردش کر رہا ہے ! ور سر دن اور پرانے نمونوں کو پیس رہا ہے +

پھر عہد گزشتہ کے باقی پوست تیزی سے چکی کی گردش میں آنے



غازی مصطفےٰ کمال پاشا اپنے مروّجہ لباس میں

ہیں۔ اور طربوش۔ عمامہ۔ قلپاق۔ لبالبادہ۔ طاقیہ وطرطور۔ جبہ۔ قفطان۔ شلوار۔ چوغہ اور عبا یہ سب پرانی یادگاریں جلد ہی سے محو ہونے لگتی ہیں۔

طربوش اننر کی ٹوپی اسلطان محمود ثانی نے یونان سے سر کے واسطے لیا۔ لشکر اور قوم بگڑ کھڑی ہوئی۔ جب اسے یہ سر کا لباس بنانے پر مجبور کیا گیا۔ پھر کس طرح ترک اس کے اتارنے پر بگڑ بیٹھتے ہیں جب وہ پہلے اسس کے پہننے پر بگڑ چکے تھے۔ اور......

...... اسے شعار نصرانیت سمجھا تھا؟ اور عمامہ یہودی مذہبی پیشواؤں کے آثار میں سے ہے۔ اور اس کے بعد علماء و ائمہ مسلمین کا شعار بن گیا۔ یہ اسی طرح باقی رہے۔ لیکن وہ عمامے جو عیار۔ فریب کار لوگ۔ درگدا گروین کے نام پر پہنتے ہیں۔ ان کی کیا قیمت ہے؟ ضروری ہے کہ یہ عمامے چکی کے پاٹ میں آکر پسیں۔ لیکن علما و ائمہ اور مفتیوں کے عمامے شعار مقدس کے طور پر باقی رہیں گے تاکہ تم دیکھو اور فیصلہ کر سکو۔ کہ حامل عمامہ ایک شیخ جلیل اور امام کبیر ہے۔ اور یہی خود اکابر دین بھی چاہتے ہیں؛

قلپاق ہمیں عہد سلاطین اور عہد اخاوین کی یاد دلاتی ہے۔ اس لئے اسے محو ہو جانا چاہیئے؛

طویل لبادہ اور طاقیہ وطرطور ایسی مضحک شکلیں ہیں جو مسخرو بے مایگی کی علامتیں ہیں۔ انہیں پس جانا چاہیئے۔

جبہ وقفطان ائمہ و علما اور مغنیوں کے لئے مخصوص ہیں اگر ان کے علاوہ کوئی پہنے گا۔ تو "پکی اسے پیس ڈالے گی" شلوار، چوغہ اور عبا بھی لبادۂ طویل اور طاقیہ وطرطور کی طرح مضحک وحقیر علامتیں ہیں انہیں بھی پس جانا چاہیئے۔

اس لئے مصطفیٰ کمال یکسانی لباس کے لئے حکم دیتا ہے ہیٹ سر کے لئے اور لباس افرنگ بدن کے لئے۔ لیکن اس نے ہیٹ کیوں منتخب کی۔ اور کیوں سر ڈھانپنے کے لئے نئی شکل ایجاد نہ کی؟

اس سوال کا جواب وہ اس طرح دیتا ہے۔ کہ "میں تعصب کے چھلکوں کے ساتھ ہیٹ سے جنگ کر رہا ہوں! اور لوہا بغیر لوہے کے نہیں کاٹا جاسکتا"۔

پھر وہ سوال کرنے والوں سے خود یہ پوچھتا ہے کہ "تم نے کیوں نصف صدی سے بھی زیادہ عرصے سے لباس فرنگ پہن رکھا ہے جب یہ نصرانیت کی علامت ہے؟ تمہیں ہیٹ پر کیوں اعتراض ہو جب تم ایڑی سے چوٹی تک یورپی ہو"؟

یکم ستمبر ۱۹۲۵ء

مصطفیٰ کمال بری و بحری فوج اور پولیس کو ہیٹ پہناتا ہے۔ اور وہ قبیلہ کے سردار اکبر کی اطاعت میں اسے پہن لیتے ہیں وہ دیکھتے

اب وہ قسطنطنیہ کے سرکاری دورہ پر ہیٹ پہن کر جاتا ہے۔

ملازمین حکومت سرعت سے ہیٹ پہن لیتے ہیں جس طرح قبیلہ کے سردار اکبر نے پہنی تھی! اور افراد قوم اس منظر عجیب کے سامنے مدہوش سے ہو کر کھڑے ہوتے ہیں۔

مصطفیٰ کمال ہیٹ پہن کر جمہور کے سامنے تقریر کرتا اور کہتا ہے:۔

"جو لباس تمام مہذب اقوام پہنتی ہیں۔ وہ ہمارے لئے بالکل مناسب ہے۔ ہم جرابیں۔ بوٹ۔ پتلون۔ قمیص۔ واسکٹ۔ کالر اور ٹائی پہنیں گے۔ ہم رائڈنگ کوٹ۔ جاکٹ۔ سموکنگ اور فراک پہنیں گے اور اگر تم میں سے کوئی اس بات پر اعتراض کرے۔ تو میں اس کے منہ پر کہونگا۔ کہ تو غبی اور جاہل ہے۔

"اگر ہم نے لباس مغربی سے مختلف لباس پہنا تو ہم پیچھے رہیں گے۔ ہم ان سے بلند تر مقام پر رہ کر دکھائیں گے عالم ترکی و اسلامی کی طرف نگاہ کرو۔ کیا تم نہیں دیکھتے۔ کہ تنگ دلی و تاریک خیالی جس

میں ہم مبتلا ہیں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ ہم اپنی ذہنیتوں اور دلوں کو زمانے کے مطابق نہیں بدلتے۔ ہاں اس سبب نے ہمیں پیچھے رکھا اور ہم پر تباہی و بربادی مسلط ہو گئی ۔

"اگر ہم نے آخری وقت میں اپنی ذہنیت کو نہ بدلا ہوتا تو اپنی آزادی میں فتحمند نہ ہوتے۔ ہمیں چاہیئے۔ کہ یہیں نہ ٹھہر جائیں جہاں ہم ہیں۔ بلکہ ہمیں چلنا اور زمانے کے ساتھ بدلتے رہنا چاہیئے قوم کو یہ جان لینا چاہیئے۔ کہ تمدن میں وہ قوت ہے۔ کہ راہ ترقی میں حائل ہونے والی ہر چیز کو جلاتا اور فنا کرتا چلا جاتے" ۔

قسطمونی کے بعد اپنی یولو میں جاتا ہے۔ وہاں سے بروسا اور پھر اسکی شہر میں۔ پھر قونیہ میں۔ اور ہر مرحلہ میں وہی پارٹ ادا کرتا ہے جو ہم قسطمونی میں دیکھ چکے ہیں ۔

انہیں مراحل میں ایک جگہ ہم اسے جمہور کے اجتماع میں دیکھتے ہیں جہاں عمامہ پوش بھی ہیں۔ ہیٹ پہننے والے بھی اور طربوش اور لبادۂ طویل پہننے والے بھی۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ وہ قوت ارادی رکھنے والا ایک جادوگر ہے۔ جو . . . نگاہ آتشیں کے منفناطیس سے تمام مجمع کو اپنی طرف کھینچے ہوئے ہے۔ ہم اُسے تقریر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ لیکن مجمع میں سے سوا آدمیوں کے ٹھنڈے سانسوں اور دل کی دھڑکن

کے کچھ نہیں سنتے۔ پھر ہم اُسے ایک آدمی کی طرف اشارہ کر کے یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں:۔ وہ ہمارا دوست جو وہاں کھڑا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے۔ کہ اس کی ترکی ٹوپی۔ شلوار اور واسکٹ پکار پکار کر اپنے انمل بے جوڑ ہونے کا اعلان کر رہی ہے۔ یہ آمیزش کیا ہے اگر اسے ایک یورپی دیکھ پائے تو تمسخر و تعریض کا ہدف بناتے "

لوگ ہنسنے لگتے ہیں۔ ہمارا دوست اپنے آپ سے اور اپنے لباس سے شرمندہ ہو جاتا ہے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ہم اُسے ہیٹ اور لباس فرنگ پہنے ہوئے دیکھتے ہیں۔

جب وہ ہیٹ پہنے ہوئے انگورہ میں واپس آتا ہے تو سٹیشن پر اکثر استقبال کرنے والوں ...... کے سر پر ہیٹ دیکھتا ہے۔ چند روز کے بعد مجلس وزرا قرار داد منظور کرتی ہے اور تمام سرکاری ملازمین پر ہیٹ پہننا لازمی قرار دیتی ہے۔ پھر بلدیہ استنبول بھی اسی طرح کی قرار داد اپنے ملازمین کے لئے منظور کرتی ہے۔

اسی طرح دن اور ہفتے گزر جاتے ہیں۔ ہم ملازمین کے بعد عوام کے سر پر ہیٹ دیکھتے ہیں۔ طلبہ و کلا۔ اطبا۔ انجینئر۔ معلمین۔ مزدوروں کسانوں سب نے ہیٹ کا خیر مقدم کیا۔ اور طربوش اور سر کے تمام دوسرے لباس چھوڑ دیئے۔

ترک جب ہیٹ پہن کر ادا ئے نماز میں منہمک ہوتے ہیں۔ تو مفتیٔ استنبول فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ کہ "ہیٹ کا اتارنا علامت احترام ہے۔ پھر کیوں مولیٰ سبحانہ تعالیٰ کے سامنے نہ اتاری جائے۔ جو احترام واجلال کے لئے سب سے اولیٰ ہے؟ پھر انگورہ کے علوم شرعی کے کالج کا پرنسپل عام اعلان شائع کرتا ہے۔ اور ہیٹ کا اتارنا اور پہننا نمازیوں کی مرضی پر چھوڑتا ہے۔

عمامہ ان مفتیوں اور علماء وائمہ مساجد کے لئے مخصوص ہو جاتا ہے۔ جن کی تصدیق اور منظوری حکومت کی طرف سے ہو چکی ہو۔ باقی مؤذن۔ مسجدوں کے خادم و محافظ مقبروں کے خادم۔ مُردوں کو غسل دینے والے اور درویش سب نے ہیٹ پہن لی۔

ان باتوں سے ہم پر ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حکومت نے صرف سرکاری ملازمین پر ہیٹ لازمی قرار دی تھی۔ لیکن عام افراد قوم نے اپنے قبیلہ کے سردار اکبر کی پیروی میں اپنی رضا و رغبت سے پہنی۔

آخر رفیق بے نائب قونیہ نے مجلس میں منظوری کے لئے ایک قانون پیش کیا۔ کہ ہر ترک پر ہیٹ پہننی لازمی ہو۔ اور جو نہ پہنے۔ وہ سر سے ننگا رہے۔ لیکن جنرل نور الدین پاشا بطل جنگ آزادی ۲۶ نومبر کو کھڑا ہو کر اس قانون کی شدت سے مخالفت اور اس مضمون کی قرارداد

پیش کرتا ہے۔ کہ ہیئت کا قانون دستور کی دفعہ ۱۰۲ کی صریح خلاف ورزی کرتا ہے جس میں بتایا گیا ہے۔ کہ شخصی آزادی کا احترام واجب ہے ؛

ایک طویل مباحثہ کے بعد نورالدین پاشا اور نائب احسان بے کے سوا قانون کثرتِ آرا سے منظور ہو جاتا ہے۔ دن اور ہفتے گزرتے ہیں۔ نورالدین پاشا کی طرف سے ہیئت کے قانون کی مخالفت کی خبریں ..... اناطولیہ شرقیہ سیواس ارض روم مرعش اور ریزہ میں پہنچتی ہیں۔ رجعت پسند حشرات اپنے سوراخوں سے نکلتے ہیں اور بعض حریص درویش "علم اخضر" (علم نبوت) اٹھاتے ہیں۔ اور انگورہ کی کافر حکومت کو تباہ کرنے کی منادی کرتے ہیں ؛

چند ہفتے اس طرح گزرتے ہیں۔ جن میں خون بہتے ہیں۔ اور درویش بغاوت کی منادی کرتے ہیں انگورہ میں پایۂ تخت کے سامنے والے بلند مکان میں مصطفیٰ کمال مرکز دائرہ میں اسی طرح آہن و برف کی طرح جما ہوا بیٹھا ہے۔ چکی چلنے لگتی ہے اور سر پسینے شروع ہوتے ہیں ؛

درویشوں کیلئے تباہی

گندگی۔ جراثیم اور ذلت سے بنا ہوا متحرک ٹکڑا جو ہزار تھگلیوں سے بنے ہوئے دریدہ لباس میں چل رہا ہے۔ وہ ہے ایک درویش ۔

دوسرا ٹکڑا جراثیم و گندگی سے بنا ہوا نیم برہنگی کے عالم میں چل رہا ہے جس کی ناک کی رینٹ اور بہتے ہوئے لعاب دہن کے ساتھ ایسی حیوانی آوازیں نکلتی ہیں جن کے کچھ معنی نہیں اس درویش کا اتصال ملکوت اعلیٰ سے ہے ۔

تیسرا ٹکڑا چربی۔ گوشت اور سیاہ گھنے بالوں والا ہے اگر تم اسے دیکھو گے۔ تو اس میں جہل مجسم۔ شہوت کی سرکشی اور ضد نظر آئے گی اور جیسے مکانوں کی دیواریں فسق و مجد اور حیوانی اخلاق کے عالم سفلی میں دکھتی رہتی ہیں۔ یہ درویش مولویوں یا بکتاشیوں کے گروہ میں سے ہے ۔

چوتھا ٹکڑا بیوقوفی۔ کوڑمغزی اور تعصب سے بنا ہوا بادشاہوں کے سے تخت پر بیٹھتا ہے ضمیر و ناموس کے بازار میں خرید فروخت کرتا ہے سیم و زر سے بھرے ہوئے خزانے لٹاتا ہے۔ گندے پانی

کے سوا شکار نہیں کھیلتا۔ تاریکی کے سوا حرکت نہیں کرتا۔ سادہ لوح لوگوں کی عقلوں پر کاغذ۔ سیاہی اور تعویذوں سے مسلّط ہوتا ہے اور بے معنی ہونے کے باوجود انکا نام "حرز" رکھا ہوا ہے! اس کے پاس لکڑی کی سبز تلواریں ہیں جو "سیوف اسلام" کہلاتی ہیں۔ سبز علم جن پر "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا ہے۔ اور جو اعلام النبی کہلاتے ہیں۔ یہ جھنڈے صرف اس وقت بلند ہوتے ہیں جب غدارانِ وطن رجعت پسندی کیلئے کھڑے ہوں۔ یا دشمنوں کے جاسوس چپ و راست سونا بکھیریں۔ یہ درویشوں کا پیر ہے۔

اگر آپ ترکی کے سب سے خوبصورت خطوں میں پھرینگے۔ تو آپ کو کوئی نہ کوئی شاندار محل انگور کے باغوں سے گھرا ہوا نظر آئے گا۔ آپ اس پر چڑھ جائیں۔ تو یہ محل مضبوط اونچی دیواروں سے محیط ہوگا۔ گویا قرون وسطیٰ کا کوئی قلعہ ہے۔ اور اگر آپ کو داخلہ کی اجازت مل گئی تو اس کے اندر مکروہات کی ایک دنیا بے پردہ نظر آئے گی جسے مضبوط دیواروں نے حدود شریعت و اخلاق کی دنیا سے علیحدہ کر رکھا ہے۔ ان انگوروں سے مئے کہنہ کشید کی جاتی ہے جسے ہمارے آقایانِ درویش پیتے ہیں۔ یہ شراب وہ خمر الٰہیہ ہے۔ جسے پیئے بغیر ملکوتِ اعلیٰ تک کسی انسان کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

سونے چاندی کے ان پیالوں کے نشہ میں "سرِ وجود" ہے +
یہ آگ جس کے سامنے وہ خاموش و مرعوب کھڑے ہوتے ہیں اگر
ایرانی بت پرستی کے آثار میں سے نہیں تو پھر کیا ہے ؟
یہ گستاخ حسین لڑکے درویشوں کے تکیوں میں کس ضرورتِ
دینی کی وجہ سے ہیں ؟
اس عالم مکروہات اور لحم و شحم کے شہوانی گروہوں کے ملبوسبان
عورتوں کی کیا ضرورت ہے ؟
کیا یہ درویش نماز پڑھتے ہیں ؟
کیا زکوٰۃ دیتے ہیں ؟
کیا حج کرتے ہیں ؟
رقص ۔ طبلے ۔ سارنگی اور بانسری کی آواز کو ذکر الٰہی سے
کیا واسطہ ؟
یہ درویش جو جلاہے کے چکر کی طرح اپنے پاؤں پر گردش کر رہا
ہے ۔ اس میں کونسی تلقین ہے ؟
کیا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان رقص کے کھلاڑیوں کے ذکر سے
خوش ہوتا ہے ؟
ان ہزاروں درویشوں کے گروہ سے کیا فائدہ ہے ؟ زندگی میں

اس کا پیغام کیا ہے؟ اسلام سے اس کا کیا علاقہ ہے؟ کس طرح یہ پوری چھ صدیوں تک ملک پر چھایا رہا؟ اور ترکی کے خوبصورت ثمر دار اور شاداب خطے اپنے قبضے میں رکھے؟

اگر آپ ان درویشوں کے نام دیکھیں گے۔ تو لاتعداد ہونگے؟ ایک رفاعی ہے۔ دوسرا قدری تیسرا نقشبندی چوتھا خلوتی پانچواں سعدی چھٹا مولوی۔ اور ساتواں بکتاشی۔

ان میں سے ہر ایک کے تکیے ہیں اوقاف ہیں۔ دولت و مال کے ذخیرے ہیں۔ وسیع زمینداری ہے مشائخ ہیں پیرو ہیں خادم اور محاسب ہیں۔ ان میں سے ہر ایک فرائض دین کا ہے گا ہے ادا کرتا ہے لیکن حرام کاریوں کے دائمی حقوق اسے حاصل ہیں۔ اس پر واجبات میں سے کچھ نہیں۔ زندگی میں اس کا تنہا عمل یہ ہے۔ کہ بے عمل رہے۔

بیسویں صدی میں خرافات کی اشاعت کرنا اس کا مقصد ہے۔ اور برکات و بوسہ کے لئے اپنے دستِ مبارک کا لمبا کرنا۔ یہ درویش وحیدالدین اور "سیاہ چمگادڑ" کے بہتر مددگار تھے جب اس نے اپنے فرمان مردود کے ذریعے سے کمال اور اس کے پیروؤں کا خون مباح کیا۔ یہ فرمان انہوں نے ملک کے طول و عرض میں اس طرح پھیلایا

گویا خدا کا دین تھا - خدا انہیں موت دے +

ان درویشوں کے پیروؤں نے وہ "جیش اخضر" بنایا جسے ہم نے جنگ آزادی کے آغاز میں دیکھا ہے - یہ تکیے رجعت پسند طائروں کے نشیمن اور سازش و غداری کے آشیانے ہیں - جو مکر و حیلہ کے تنکوں سے تیار ہوئے ہیں اور محبانِ وطن نے جن کا تلخ ذائقہ چکھا +

چند شوخ درویش جنہیں شیخ سعید نے اُبھارا اور انگریزوں نے تیز کیا "علم نبوت الاخضر" اُٹھاتے ہوئے تکیوں سے نکلتے اور کفر و الحاد کی تباہی کی منادی کرنے لگتے ہیں +

وہ اب ہیٹ کے قانون اور لباسِ فرنگ کے خلاف کھڑے ہوتے ہیں +

اس وقت مردِ آہن و برف اپنے مرکزِ دائرہ میں بیٹھتا ہے - جو چکی کی طرح گردش کر رہا ہے اور چند دن میں یہ تکیے اور اوراد ان کے گرد کا تمام خش و خاشاک - شحم و لحم شہوت بیہودہ گوئی اور حیلہ سازی و غداری پس جاتی ہے +

پھر آپ مردِ آہن و برف سے یہ سنتے ہیں "تم بھی اُن بے شمار آدمیوں کے ساتھ جاؤ - جو تم سے پہلے جا چکے ہیں ترکی جمہوریت

مکر و خرافات اور گداگری پر نہیں۔ بلکہ علوم و فنون اور تمدن جدید پر قائم ہو گی۔
درویش رائے عامہ کو حکومت کے خلاف ابھارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن وہ نہیں ابھرتی۔ کیونکہ اس نے قبیلہ کے سردار اکبر کو پہچان لیا تھا اور اس کی قیادت پر پورا اعتماد تھا۔

فاطمہ رقص کرتی ہے

قبیلہ کے سردار اکبر نے اُسے ایشیا کی چراگاہوں میں دیکھا کہ بلندی سے بستی کی طرف اترتی ہے بستی سے بلندی کی جانب چڑھتی ہے گھوڑے پر سوار ہوتی ہے جب ادھیڑ عمر کی منزل میں قدم رکھتی ہے اور چھاتیوں میں شیر خالص کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ تو انہیں کاٹ دیتی ہے۔ اور جب میدان جنگ میں لڑتی ہے۔ تو یہ محسوس کرتی ہے کہ گویا وہ مرد ہے۔ گھر میں اُسے مالکہ و حاکمہ دیکھا۔ جو اپنے شوہر اور بچہ کے کاروبار میں فیصلے دیتی ہے اور امر و نہی کی مالک ہے۔ سردار نے اُس کے حقوق پر نگاہ کی۔ تو اس پر وہی فرائض واجب ہوتے نظر آئے جو خود مرد پر عائد ہوتے ہیں۔

پھر اسے جنگ آزادی میں دیکھا کہ مرد کے پہلو بہ پہلو ذخائر جنگ اُٹھاتی ہے۔ اس کے زخموں کی مرہم پٹی کرتی ہے۔ اور گاؤں سے مرد کی غیر حاضری میں ہل چلاتی ہے۔ فصل بوتی ہے اور کاٹتی ہے۔ بلکہ اُس نے اُسے لڑتے دیکھا۔ بندوق، تلوار اور خنجر اُٹھاتی ہے۔ ٹوٹی ہوئی بوتلوں کے سروں سے یونانیوں کو تباہ کرتی ہے۔ اور میجر کے رتبے پر پہنچتی ہے۔

اُسے کسی نے رضاکار بننے کی دعوت نہیں دی تھی۔ بلکہ عالم جنگ نے وہ پردہ اُٹھا دیا تھا جس سے اس کی حیات ڈھکی ہوئی تھی۔ اس لئے فاطمہ ایشیا کی چراگاہوں کی بیٹی اور اسپ و ہجرت کی پروردہ اپنے ماضی قریب کی طرف لوٹ کر اپنے سردار کمال کے جھنڈے کے گرد جمع ہوتی ہے۔ جس طرح اس کی دادیاں اس سے پہلے اپنے سردار ارطغرل کے جھنڈے کے گرد جمع ہوتی تھیں۔

کس طرح انہوں نے یقین کر لیا۔ کہ فاطمہ عالم حجاب میں ذلیل و اسیر اور پر شکستہ تھی جب وہ عالم حجاب میں داخل ہی نہیں ہوئی! بلکہ جو داخل ہوئیں۔ وہ چرکسی اور یونانی لونڈیاں تھیں۔ جنہیں خلیفہ اور اس کے حاشیہ برداروں کے مال نے خریدا تھا۔

وہ کیونکر کہتے ہیں۔ کہ پہلے با حجاب تھی۔ اور اعلانِ جمہوریت کے ساتھ بے پردہ ہو گئی۔ وہ مرتفعات ایشیا سے اناطولیہ کی طرف اُترنے

کے وقت سے حجاب سے ناواقف تھی پھر کیوں انہیں اس پر تعجب ہو۔ اُسے آزادی کامل ملی۔ یورپی عورتوں سے پہلے اُس نے حق انتخاب حاصل کیا! اور ان فرائض و اعمال میں برابر کی شریک بنی جو پہلے صرف مردوں کی ملکیت تھے۔ فاطمہ کو یہ تمام حقوق ایشیا کی بلندی و پستی میں حاصل تھے۔ اور اب جو کچھ گزرا ہے وہ اسی قدر تھا کہ سردارِ قبیلہ کمال نے ان حقوق کو یاد کیا۔ سردار طغرل کی تقلید کی اور فاطمہ کی راہ سے سنگِ حائل دور کر دیا۔

لوگوں کو حیاتِ فاطمہ میں جو چیز نئی نظر آتی ہے۔ وہ بالکل پرانی ہے۔ اور شاید تنہا چیز جس نے نئی شکل اختیار کی۔ وہ دائرہ ہے۔ جو چکی کی طرح گردش کر رہا ہے اور عہد قدیم کے پوست کو پیستا ہے جو ترکی کی اصلیت و پاکیزگی میں ملا ہوا ہے۔

چکی کے پاٹ اس حجاب کو پیس ڈالتے ہیں۔ جو فاطماؤں کے چہروں کو چھپائے ہوئے تھا۔ پردے کی رسم کو بے نشان کر دیتے ہیں جسے ایشیا کی چراگاہوں کی بیٹی فاطمہ نے نہیں بنایا تھا۔ عالم حجاب کی تقلید کو محو کر دیتے ہیں۔ جس سے جبینِ انسانیت خجالت سے عرق آلود ہے! اور عہد قدیم کا وہ جمود فنا کر دیتے ہیں۔ جس نے ترکی کا آدھا جسم معطل کر دیا تھا۔ اور اس کی حرکت کو شل۔ جب پیسنے کا عمل ختم

ہو چکتا ہے۔ تو فاطمہ میدان عمل میں نکلتی ہے۔ حیات ترک میں اپنی قدیم
جگہ لے لیتی ہے۔ اور اپنے سردار کی تقلید میں ہیٹ پہن لیتی ہے۔
قبیلہ کا سردار اکبر اس بات پر بھروسہ کئے ہوئے تھا۔ کہ عہد قدیم
کی بنیاد کو مسمار کرے۔ اور ترکی کی اجتماعی زندگی میں سے اس کے پست
عنصر کو فنا۔ اس لئے اس نے تمام پست عناصر کو مسمار و فنا کر دیا۔ پھر
دیکھا کہ زندگی کی اجتماعی جنگ عظیم پر غور کرے۔ اور اس کے ساتھ کودتا
اور اسے دھکیلتا آگے کو چلا جائے۔ تا آنکہ لوگوں کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے۔
اور فاطمہ ذرا پیچھے ہٹ کر وسط میں ٹھہر جائے۔ اور اس جگہ ابد الآباد تک
رہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ وہ فاطمہ کو عالم رقص جنونی کی طرف
دھکیلتا ہے۔ اور فاطمہ رقص کرتی ہے۔ جس طرح چاہتی ہے۔ اور
جب اس کے سردار نے چاہا۔ اور "تانگو" اور "فاکس ٹراٹ" کے نغمات
پر اسی طرح مرد کے پہلو میں ہوتی ہے جس طرح اس سے پہلے طبل
اور بانسری کی صدا پر اس کے پہلو میں رہ چکی تھی۔ اور اگر آپ دیکھیں گے۔
تو آپ کو چند ایسی فاطمائیں نظر آئیں گی جو بزم رقص میں جسے سردار نے
اپنی منزل میں منعقد کیا تھا۔ ترک افسروں کے پہلو بہ پہلو ہونے میں متردد
سی دکھائی دیں گی۔ سرداران کے قریب ہوتا ہے۔ اور افسروں سے
مخاطب ہو کر غیظ و غضب کی آواز میں فاطماؤں کو سناتا ہے "یہ فوجی

حکم ہے محض لہو ولعب نہیں رقص گاہ میں بکھر جاؤ۔ اور جن جن نوجوانوں کو چاہتے ہو۔ اُنکے پہلو میں ہو جاؤ۔ .... آؤ ...... آگے کو .... مارچ!" اور منزود فاطمائیں سرعت سے اپنے سردار کا حکم قبول کرتی ہیں۔

چند سال بعد

ترکی کی جنگ اجتماعی آگے کی طرف ایک جنونی جست لگاتی ہے۔ پھر تھوڑا سا پیچھے کی طرف مڑ کر اس جگہ جم جاتی ہے جہاں سردار کا ارادہ تھا۔ اب ترکی جدید میں فاطمہ نے وہی جگہ حاصل کر لی ہے۔ جو اس کی دادی کو ایشیا کی چراگاہوں میں چلتے پھرتے خیموں میں حاصل تھی۔

فاطمہ کے اپنی پرانی جگہ پر آجانے کے بعد

سب سے پہلے جنگ اور جب جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔ تو عالم سلامتی میں حیات امن کی طرف چلو! اچھا پہنو! اچھا کھاؤ! اپنی عقلوں کو آزاد علم سکھاؤ! اپنے اوقات پر کام کی طرف چلو! اور وقت فراغت عجائب گھر سینما تھیٹر ناچ گھر میں جاؤ۔ اور جس طرح چاہو داد طرب دو۔ یہ ہے۔ پیغام سردار کمال اور پیغام جمہوریت۔

پہلے جنگ پھر آزاد عمل۔ آزاد ثقافت اور آزاد لہو ولعب۔

ہر چیز عہد قدیم سے مختلف ہے۔

عہد سلطنت و خلافت میں فنون یا نشاط فنی بالکل کم تھی۔ اور یہ کم بھی مخصوص تھی خلیفۃ المسلمین کے لئے۔ محلات خلیفۃ المسلمین کیلئے اور خلیفۃ المسلمین کے پاشاؤں کے لئے۔ لیکن اب یہ محلات عام عجائب گھر بن گئے جس میں میں داخل ہو سکتا ہوں آپ داخل ہو سکتے ہیں۔ اور اناطولیہ کا کسان داخل ہو سکتا ہے تاکہ اپنی عقل و روح کو آرٹ کی بے مثال نشاط افزا دلچسپیوں سے غذا پہنچائے۔

چکی کی گردش عہد قدیم کی قیود اور آرٹ کے شل کر دینے والی چیزوں کو پیس ڈالتی ہے۔ اور جب پیسنے سے فراغت ہو چکتی ہے۔ تو ہمیں ایک نئی دنیا نظر آتی ہے۔ جس میں فن اور ثقافت فن آزاد ہوتی ہے استنبول۔ انگورہ اور دوسرے بڑے شہروں میں مجسّمے نصب ہوتے ہیں۔ مصوری کے تختے ہر جگہ نظر آتے ہیں ترک سینما دیکھنے جاتے ہیں تھیٹر نئے سرے سے قائم ہوتے ہیں۔ فاطمہ سٹیج اور فلم کے پردے پر نمودار ہوتی اور وطنی ترانے گاتی ہے۔ قیود فن شرقی نے ترکی کو نقصان میں رکھا تھا جو تعصب کے نام سے ناواقف ہے۔ اب فن غربی سے چند شعاعیں فن ترکی پر چمکنے لگتی ہیں اور دونوں کی آمیزش سے ایک مستقل فن تیار ہوتا ہے۔ جو حسن و جمال میں حیرت انگیز ہے۔ ایسا حسن و جمال جو آپ



معلمہ نوجوان طلبہ کو تعلیم دے رہی ہے



عوام جدید حروف تہجی شوق سے سیکھتے ہیں



کمال اتاترک بہ نفس نفیس رعایا کو لاطینی حروف تہجی سکھا رہے ہیں

کی روح کو شباب و اہتزاز بخشے ؛

بھیڑیا تختۂ سیاہ کے سامنے

سردار کہتا ہے۔ کہ عربی حروف ترکی قبیلہ کی وراثت نہیں۔ بلکہ عہد قدیم کے مظہر ہیں۔ عہد ثقافت عربیہ اور تمدن اسلامیہ کے اور بایں ہمہ یہ ایک ایسی ہتھکڑی ہے۔ کہ جب تک ترک اس میں قید رہیں گے۔ اُن کی ذہنیتیں ایسی...... ہوں گی جو ترکی نہیں ہونگی ؛

کمال جانتا ہے۔ کہ اگر اس کے قبیلہ کے افراد پر کوئی چیز فرض کر دی جائے۔ تو وہ اپنے سردار کی مخالفت نہیں کرینگے۔ اس لئے وہ اپنی اس خواہش کی تصریح میں متردد نہیں ہوتا۔ کہ عربی حروف کو محو کر کے لاطینی حروف کو ان کی جگہ دی جائے ؛

عربی حروف میں سخت مشکلات ہیں۔ اور اُن کی صحیح قرأت جاننے کے لئے ان قواعدِ لغت کا جاننا لازم ہے۔ جو ہر طالب علم کے لئے نہایت مشکل ہے۔ اور لغت ترکی غالباً اُس لغت عربی سے زیادہ آسان ہے۔ جس کی قرأت و کتابت کم از کم تین سال سے پہلے ناممکن ہے ؛

عربی حروف کا استعمال لغتِ ترکی میں عجیب طرح ہوتا تھا۔ مثلاً

حرف کاف اگر بدون اضافہ لکھا جائے۔ تو کاف پڑھا جاتا ہے۔ اگر اس پر تین نقطے ڈال دیئے جائیں۔ تو "نون" پڑھا جاتا ہے۔ اور اگر اس پر دو مرکز ڈال دیئے جائیں" تو گاف" ۔

اگر طباعت کے لئے حروف جمع کئے جائیں۔ تو حرف "ف" ملے گا جو لفظ کے شروع میں "تو "ف" لکھا جائے گا۔ مگر وسط میں "لف" اور آخر لفظ میں "ف" ۔

پھر ترکی قبیلہ حروف کی یہ دشواری کس لئے برداشت کرے۔ جو ایشیا کی چراگاہوں میں اُس کے اسلاف کی وراثت میں سے نہیں ؟

اس کے علاوہ ایشیائی ترکی کے متعدد قبیلوں نے برسوں سے عربی حروف ترک کر کے لاطینی حروف اختیار کر رکھے ہیں۔ کیوں ترکی انہیں کی طرح نہ ہو ؟ اور کیوں لاطینی حروف اختیار کر کے آبنائے دانیال سے بحر الکاہل تک اُن کی نشر و اشاعت نہ کرے ۔

قبیلہ کا سردار اکبر اپنے افراد قبیلہ کے سامنے یہ خیالات ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ اسی وقت سمجھ جاتے ہیں۔ کہ جدید حروف کا اختیار کرنا اور قدیم حروف کا ترک کر دینا مفید و مناسب ہے ۔

وہ انگورہ کے سامنے والے مکان میں بیٹھا ہے۔ میز سامنے ہے

جس پر کتابیں اور تقریریں ہیں۔ جو ایک ماہر حروفِ جدیدہ نے پیش کی ہیں۔ اُنہیں پڑھتا ہے۔ اور اُن میں اُسی طرح تغیر و تبدل کرتا ہے جس طرح ترکی کبیر کا نقشہ سامنے رکھ کر اس پر یہاں وہاں چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں لگاتا رہا تھا +

وہ چند روز اس تنہائی میں بسر کرتا ہے خطۂ حملہ کا شمار کرتا ہے۔ پھر یکایک گوشۂ تنہائی سے نکل کر ۱۹۲۷ء کے موسم گرما میں استنبول کا سفر کرتا ہے۔ منحوس اتحادی قبضہ کے بعد پہلی مرتبہ جب اُس نے اور رافت نے استنبول چھوڑا تھا +

استنبول میں ترک اپنے سردار کی حیرت انگیز تعظیم کرتے ہیں۔ اور اس کے استقبال میں ایسا عظیم الشان تاریخی جلوس نکالا جاتا ہے جس کے سامنے رافت کے خیر مقدم کا جلوس ماند پڑ جاتا ہے۔ جو ہم اس سے پہلے دیکھ چکے ہیں۔ دار الخلافہ کے باشندے تکبیر و لاالٰہ کے نعرے لگاتے ہوئے کمال کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ جس نے ان کا وطن بچایا۔ اور اس کا درجہ بڑی بڑی حکومتوں کے برابر کر دیا۔ کمال اس جلوس اور رنگ برنگ کے قوس نما دروازوں کے درمیان میں سے مسکراہٹ اور سلام کے ساتھ گزرتا ہے۔ اور اپنے اعمال پر مسرور ہے +

دولمہ باغیچہ قصر شاندار سلاطین آل عثمان کی قیام گاہ ؛

بڑا ہال اُسی طرح ہے جس طرح عبدالمجید کے عہد میں تھا۔ اور انگورہ کا بھیڑیا لوگوں کے سامنے کھڑا ہے جس طرح اس سے پہلے عبدالمجید وحیدالدین۔ رشاد اور عبدالحمید کھڑے رہ چکے ہیں ؛

بھیڑیے کے سامنے تختۂ سیاہ ہے۔ چاک ہے۔ اور تختہ صاف کرنے والا کپڑا ہے ۔ ہال مدعوین سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ جن میں شاعر۔ ادیب۔ عالم۔ اخبار نویس۔ تاجر۔ مزدور۔ کسان۔ معلم۔ ڈاکٹر۔ وکیل اور قاضی سبھی ہیں۔ سب کے سب چپ چاپ اپنے سردار کے احکام کے منتظر ہیں ؛

جونہی سردار تقریر کے لئے لب کشا ہوتا ہے۔ اپنے مختصر سے خطبہ میں عربی حروف کے بجائے لاطینی حروف کے استعمال کا اعلان کرتا ہے پھر بورڈ کے سامنے کھڑے ہو کر جدید حروف لکھنا شروع کرتا ہے۔ اور ہر حرف لکھنے کے بعد گونجتی ہوئی آواز میں اُسے پڑھ کر سناتا ہے۔ چند منٹ میں پہلا درس ختم ہو جاتا ہے۔ اور حاضرین کے ذہن نشین کرنے کے لئے اس کی مشق کی ابتدا کرتا ہے۔ حاضرین پر غائر نظر ڈالکر یونہی کسی کو بلاتا ہے۔ اُس سے اُس کا نام جدید حروف میں لکھواتا ہے۔ اور وہ جلدی سے لکھ لیتا ہے ؛

کتنا عجیب...... عربی حروف میں اسی درس کے لئے کئی دن صرف ہو جاتے تھے۔ حاضرین جن میں سردار نے نئی روح پھونک دی تھی۔ لاطینی حروف میں جوش ظاہر کرتے ہیں تالیاں بجاتے ہیں اور نعرے لگاتے ہیں۔

چند روز بعد!

سردار پایۂ تخت میں ہر جگہ ہے۔ وہ قصر میں لوگوں کو سکھاتا ہے راستے میں لوگوں کو سکھاتا ہے۔ مسجدوں۔ ہوٹلوں تفریح گاہوں اور رقص گاہوں میں لوگوں کو سکھاتا ہے۔

وہ دیکھیئے راہ میں گزرتے وقت قلیوں اور مزدوروں کی جماعت سے دوچار ہوتا ہے۔ اُن میں سے ہر ایک کو بلا کر پوچھتا ہے۔

میرے دوست تم نے جدید حروف سیکھے ہیں؟

قلی یا مزدور نفی میں جواب دیتا ہے۔

وہ جیب سے قلم اور کاغذ نکال لیتا ہے! اور اُسے لاطینی حروف سکھانے لگتا ہے حتیٰ کہ چند منٹ میں اُسے ازبر کرا دیتا ہے۔

وہ دیکھیئے۔ ایک رقص گاہ میں تازہ دم اور مسکراتے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ داخل ہوتا ہے لیکن رقص کرنے والوں کے ساتھ رقص نہیں کرتا۔ بلکہ ہال کے وسط میں کھڑا ہو جاتا ہے۔

ٹھہرو ! رقص کافی ہو چکا ہے ٭

سازبند ہو جاتا ہے۔ رقص کرنے والے اپنی اپنی جگہ جم جاتے ہیں۔ پھر اپنا تختۂ سیاہ اور چاک اُٹھا کر ان کے پاس جاتا ہے! اور اپنا مختصر درس شروع کر دیتا ہے۔ سب جدید حروف سیکھ لیتے ہیں۔ اور پھر رقص میں مصروف ہو جاتے ہیں!

پھر منطقہ چناق قلعہ میں پہنچتا ہے جہاں انگریزوں کو پامال کیا تھا۔ اور وہاں اپنا تختۂ سیاہ بلند کرتا ہے۔ جہاں اس سے پہلے توپیں نصب کر چکا تھا۔ اور لوگوں کو سکھاتے جاتا ہے۔ حتیٰ کہ لوگ چند ہفتوں میں لکھنا پڑھنا سیکھ جاتے ہیں۔ اور اگر آپ اُسے دیکھیں گے۔ تو ہر وقت مسکراہٹ اس کے لبوں پر کھیلتی ہوئی نظر آئے گی۔ اس وقت آپ انگورہ کے بھیڑیے کو بھول جائیں گے۔ اور آپ کے ذہن میں "معلّم اکبر" کی تصویر نقش ہو جائے گی ٭

جب کسی کسان کو جدید حروف کے لکھنے میں لڑکھڑاتے ہوئے دیکھتا ہے۔ تو وہ مسکراتا ہے ہنستا ہے۔ قہقہہ لگاتا ہے۔ وہ لوگوں کو ہنسی اور ظرافت سے مارتا ہے اور انہیں اُس کی روح کی لطافت و حاضر جوابی پر تعجب ہوتا ہے۔ اس "مار" میں وہ سب کو شریک کرتا ہے اور وہ سیکھتے ہیں ٭

نومبر ۱۹۲۸ء میں مجلس وطنی کبیر میں تقریر کرتا ہے۔ لوگوں کو لاطینی حروف سیکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ ثقافت حاضرہ کے راستے پر گامزن ہونے کی تنہا سبیل یہی ہے +

پھر جدید حروف کا قانون نافذ ہوتا ہے۔ اور عربی حروف ختم ہو جاتے ہیں +

ہر چیز لاطینی حروف میں طبع ہوتی ہے۔ اخبار اسی میں طبع ہوتے ہیں خط و کتابت اسی میں ہوتی ہے۔ ملازمان حکومت میں سے جو یہ حروف اچھی طرح نہیں جانتے اپنی اسامی سے علیحدہ کر دیتے جاتے ہیں انگورہ کا کسان ایک روز میں سیکھ لیتا اور چند روز میں لکھنے پڑھنے کے قابل ہو جاتا ہے +

ترک اس کی طرف علم سمجھ کر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اور ثقافت سمجھ کر حرص و آز میں دوڑتے ہیں حتیٰ کہ غیر ملکی باشندے اسی میں ترکی زبان سیکھتے ہیں۔ تاکہ اپنے فرائض اور مرتبہ حساب لکھیں۔ قدیم حروف کے زمانے میں دس فیصدی سے بھی کم لوگ لکھے پڑھے تھے۔ اور اب نوے فیصدی ترک تعلیم یافتہ ہو چکے ہیں +

اس میں خاص خاص آدمی پڑھتے تھے۔ لیکن اب "جملہ" آدمی لکھتے پڑھتے ہیں۔ کیونکہ سردار "سبکو" درسوں کی طرف کھینچ لایا ہے +

وہ اُنہیں فوجی حکم سے کھینچ لایا۔ اور اُنہوں نے جوش میں قبول کیا۔ کیا پھر بھی کوئی اُنہیں قابل ملامت ٹھہرائے گا۔ اگر وہ اسے تعلیم و ثقافت کے ارکان جنگ کا سردار کہتے ہیں؟

اس کے بعد لازم ہے کہ ہر شے ترکی ہو۔

ترکی زبان میں عربی اور فارسی کے ملے ہوئے کلمات دور کئے جائیں۔ اور ضروری ہے۔ کہ ترکی زبان زمانۂ قبائل کی زبان کے مانند ہو جائے۔

قرآنِ کریم کا ترجمہ ترکی زبان میں ہونا ہے۔ تاکہ لوگ اسے سمجھیں۔

اذان اور خطبۂ جمعہ ترکی زبان میں پڑھا جاتا ہے۔

لازم ہے۔ کہ غیر ملکی کمپنیاں ترکی رنگ میں ہوں۔ ترکوں کو ملازم رکھیں۔ اور اپنے حسابات ترکی زبان میں لکھیں ورنہ نکال دی جائیں۔

وکیل۔ ڈاکٹر۔ معلم۔ انجینئر اور ہر پیشہ ور ترکی ہو۔ اور جو ترکی کمالیات وضروریات سے نہ ہو۔ اس پر بھاری ٹیکس لگایا جاتا ہے۔

تقویم گریگوری تقویم عربی کی جگہ لے لیتی ہے اور عربی گھڑیاں اپنی

فرنگی بہنوں کے لئے جگہ چھوڑ دیتی ہیں +

حکومت کے ایام تعطیل میں لازم ہے۔ کہ بنک۔ کمپنیاں اور کارخانے بند ہوں۔ اور اگر غیر ملکی باشندے اپنی تعطیلوں کے لئے دوسرے دن مقرر کریں۔ تو یہ اُن کی مرضی۔ لیکن حکومت کے ایام تعطیل کے احترام کے بعد!

بدلیشی مدارس کو لازم ہے۔ کہ اپنے پروگرام میں سے دین مسیحی کا نشان محو کر دیں۔ بھاری تناسب سے ترک اُستادوں کو مقرر کریں۔ اور ترکی زبان انکا ذریعۂ تعلیم ہو۔ ترکی تاریخ و جغرافیہ اور دوسرے تعلیمی مضمون ترکی زبان میں ہوں +

بعض مدارس ترکوں کی آہنیں گرفت سے چھوٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن جب اگلی صبح اُن کی نگاہیں مدارس کے دروازوں پر پڑتی ہیں۔ تو وہ بند ملتے ہیں۔ اور اُن پر سُرخ موم کی مہریں لگی ہوتی ہیں۔ مصطفیٰ کمال سنجیدہ ہے۔ مذاق نہیں کرتا!

چند ماہ نہیں گزرنے پاتے۔ کہ اکثر بدلیشی مدارس ترکوں کے دست آہنی سے مروڑ دئے جاتے ہیں۔ اُن کے کارکن مجبوراً رخت سفر باندھتے ہیں۔ اور جلد ہی ترکی مدارس ان کی جگہ لے لیتے ہیں +

چند سال بعد

ہر چیز ترکی ہو گئی۔ حتیٰ کہ نام بھی۔

سردار کو اب کمال اتاترک[1] کہتے ہیں۔

وزیراعظم کو عصمت پاشا انونو کہا جاتا ہے۔

وزیر خارجہ "رشدی آراس" کہلاتا ہے۔

افراد قبیلہ "کولجاق" اور "گور خان" کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں یا جو ترکی قدیم کے ناموں سے ملتے ہوں۔

ترکی عورت کو "فلاں خانم" کے بجائے "بایان فلاں" کہتے ہیں۔

"مرد" "فلاں آفندی" کی جگہ "بائی فلاں" بن گیا ہے۔

تمام القاب کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ نہ کوئی پاشا ہے۔ نہ کوئی بے اور نہ کوئی غازی۔

ترکی جدید۔ ماضی قدیم کے آثار پر کھڑی ہوتی ہے زندہ اور پر شباب ہر چیز جو اس میں تکمیل کو پہنچتی ہے معجزہ کے مشابہ ہے۔ اور اس میں کچھ

---

[1] اس کا نام مصطفیٰ تھا۔ اور مدرسہ سالونیکا میں ایک استاد نے اس کا نام مصطفیٰ کمال رکھا۔ لیکن اب صرف "کمال" رہ گیا ہے۔ جس کے معنی ترکی زبان میں "قلعہ" کے ہیں۔ اور اس پر اتاترک بڑھا دیا گیا۔ یہ ایک ترکی کلمہ ہے۔ جس کے معنی ہیں "ترکوں کا باپ"۔

تعجب نہیں کیونکہ سردار حکم دیتا ہے اور قبیلہ اطاعت کرتا ہے +

انگورہ! وہ حقیر سا گاؤں جسمیں کمال نے جمہوریت کی بنیاد ڈالی۔ اور جس میں چند چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں اور چند پتھر کے مکانوں کے سوا کچھ نہ تھا جن کے سامنے بلندی پر سردار کا مکان تھا جسے گڑھوں اور زہریلی ہوا نے گھیر رکھا تھا! اور جس کے گرد چراگاہیں تھیں وہی انگورہ شاندار پایۂ تخت بن گیا ہے۔ اور ترکوں کو حق پہنچتا ہے۔ کہ اُس کی عالیشان عمارتوں خوبصورت میدانوں مجسموں۔ مدرسوں شفاخانوں بنکوں۔ وزرا کے دفتروں اور کارخانوں پر فخر کریں +

ہر چند انجینئر اور اصحاب فن کمال کو نصیحت کرتے ہیں۔ کہ اس وبا آلود قریہ کو چھوڑ دے جسے پایۂ تخت بنانا ناممکنات سے ہے لیکن وہ کچھ پروا نہیں کرتا حکم دیتا ہے۔ اور گڑھے بھر دئے جاتے ہیں۔ حکم دیتا ہے۔ اور فضا وبا اور جراثیم سے پاک وصاف کردی جاتی ہے۔ حکم دیتا ہے۔ اور اشجار و باغات کی زراعت ہوتی ہے باوجودیکہ ماہرین زراعت درختوں کی نشو و نما کو ناممکن بتاتے تھے۔ لیکن وہ آگے اور ابھی تک اُگ رہے ہیں! اور اگر آپ اب انگورہ کو دیکھیں گے۔ تو وہ بلند خوبصورت اشجار سے گھرا ہوا نظر آئے گا!

پہلے پہل دول خارجہ کے سفیروں نے جدید پایۂ تخت میں منتقل

ہونے سے انکار کیا۔ اور استنبول ہی میں مقیم رہنے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن سردار نے انکار کیا۔ اور پایۂ تخت میں مقیم ہونا لازمی قرار دیا۔ وہ احتجاج و سرتابی کے بعد آئے۔ اور ابھی تک یہیں مقیم ہیں ؎

نئے قوانین

یہ انقلاب جو سردار نے کیا۔ وہ محض قدامت سے جنگ نہ تھی۔ اور نہ صرف تخریب تھی۔ بلکہ تخلیق جدید اور بنائے تازہ تھی ؎

سردار ایسے رابطہ کا خواہشمند تھا۔ جو ترکوں کو ترکی قومیت میں شامل کر دے۔ نہ کہ اتحاد دینی یا مذہبی میں ؎

اب تبدیلی ہوئی۔ تغیر ہوا۔ تخریب و تعمیر ہوئی۔ اس نے ہر جدید ترکی بنا دی۔ اب اس پر قوانین کی یکجائی باقی تھی۔ جو ضروریات زمانہ کیلئے سامانِ تکمیل ہوں۔ اور وہ انقلاب برپا کر کے ان مشکلات کو رفع کر دے جو ہر روز نئے پیچ پیدا کرتی ہیں ؎

سردار کا عقیدہ تھا کہ ایک چیز بھی اپنی پہلی حالت پر نہ رہے۔ حیات پر اس کی نگاہیں عملی اور حسابی پڑتی ہیں۔ اور وہ ہر اس چیز کی مخالفت سے گریز نہ کرتا تھا جس کا تغیر و تبدل حیات میں پاکیزگی پیدا کرے۔ اس لئے

ہم اسے ایک ایسی جست لگاتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ جس سے وہ شہری قوانین کو یکسر الٹ دے گا۔ اور انہیں یکجا کر کے قانون واحد کی شکل دے گا جو قوانین یورپ اور ترکی ضروریات کو جمع کر دے ۔

سردار کے مددگار وہ لوگ ہیں۔ جو ذہنیت انقلابی اور آہنیں ارادہ رکھتے ہیں۔ وہ انہیں آئندہ انقلاب کے لئے مستعد رہنے کا حکم دیتا ہے۔ اور وہ تیار ہو جاتے ہیں۔ انہیں نئے قوانین تیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور وہ سوئٹزرلینڈ کے قانون سے اقتباس کے بعد ایک قانون شہری تیار کر کے پیش کرتے ہیں۔ وہ اس میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے مجلس وطنی کبیر میں پیش کرتا ہے۔ مجلس اپریل ۱۹۲۶ء کو اسے منظور کرتی ہے ۔

پھر قانون فوجداری اٹلی کے قانون فوجداری سے لیکر تیار کرتے ہیں۔ وہ اس پر سزائے موت کا اضافہ کر کے مجلس کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور یکم جولائی ۱۹۲۶ء کو وہ منظور ہو جاتا ہے پھر قانون تجارتی اختیار کرتے ہیں۔ جو جرمنی۔ فرانسیسی اور اٹلی کے قوانین تجاریہ سے دگنا ہوتا ہے۔ اور مجلس اس پر ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۶ء کے جلسے میں اتفاق و منظوری کا اظہار کرتی ہے ۔

اس طرح قوانین ترکی دنیا کے بہترین قوانین کا بے نظیر خلاصہ اور

تمدن یورپ کی تصویر بن جاتے ہیں بیسویں صدی کا تمدن۔ بلکہ قوانین ترکی کسی دوسرے ملک کے قانون سے زیادہ اچھے اور ترقی یافتہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ تمام قوانین کا خلاصہ ہیں ۔

اس سے پرانے قوانین کی بنیاد ہی ہمیشہ کے لئے مٹ جاتی ہے قانون شرعی اور شرعی عدالتیں زائل ہو جاتی ہیں امتیازات کا بھوت اور مخلوط اور قونصلی و ملی عدالتیں مٹ جاتی ہیں۔ اور غیر ملکی جو ترکی کی شرعی عدالتوں کے فیصلے قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ اُن قانونی عدالتوں کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ جو ان کی اپنی قانونی عدالتوں سے بہتر ہیں۔ پھر ان کے فیصلوں سے کس طرح انکار۔ اور کیونکر انہیں نامنظور کر سکتے ہیں ؟

واللہ اس سرار پر مجھے تعجب آتا ہے !

وہ پرانے قوانین کو قابلِ توجہ نہیں سمجھتا۔ اُن کی اصلاح و ترمیم پر کفایت نہیں کرتا۔ بلکہ انہیں پیس ڈالتا ہے اور اُن کی پامالی کی بنیاد پر قوانین یورپ کی عمارت کھڑی کرتا ہے۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرتا۔ تو بدیشیوں کو کبھی ترکی میں امتیازات کے مٹ جانے کا اطمینان نہ ہوتا ۔

پھر وہ بگاڑنے اور بنانے والا ترکوں کے لئے اس ساری کھوکھلی



سمرنا کے بازار میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں والی بال کا کھیل کھیل رہے ہیں

تدامت سے نجات کی نئی نظیر پیش کرتا ہے۔ اور ہر نئی اچھی چیز کو بغیر کسی ترمیم و اصلاح کے گلے لگاتا ہے۔ یہ اس بگاڑنے اور بنانے والے کی طرح ہے جس نے نزکی جدید کو ایک ہی جست میں عالم تمدن جدید تک پہنچنے کی ہمت بخشی۔

۱۹۲۷ء میں ہم سردار کو متواتر چھ دن منبر خطابت پر دیکھتے ہیں جس کے دوران میں اُس نے ایک تقریر کی۔ اور یہ تقریر ترکی تحریکِ وطنیت کی مفصل تاریخ ہے۔

اس تقریر میں ہم سردار کو مسئلہ دین پر گفتگو کرتے دیکھتے اور اسکی تعریف کرتے سنتے ہیں جب وہ ازمیت میں ایک اخبار نویس سے گفتگو کر رہا ہوتا ہے۔ اخبار نویس اُسے کہتا ہے:-

"حکومت کا دین رسمی کیا ہوگا؟"

کمال کہتا ہے۔

"جناب دین موجود ہے۔ اور وہ دین اسلام ہے"۔

پھر اُس پر یہ اضافہ کرتا ہے۔

"دین اسلام میں آزادی فکر ہے"۔

اخبار نویس نے پوچھا:-

کیا اس سے یہ سمجھا جائے۔ کہ حکومت کوئی دین اختیار کریگی؟
کمال نے اُسے جواب دیا:۔
"نہیں معلوم اختیار کرے گی یا نہیں"
پھر کمال اس گفتگو سے نکل کر مسئلہ دین و حکومت کی طرف آتا ہے اور دستور ترکی میں سے دو دفعات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ دوسری دفعہ کے الفاظ یہ ہوتے ہیں "حکومت ترکی کا سرکاری دین اسلام ہے ترکی اُس کی سرکاری زبان ہے۔ اور پایہ تخت انگورہ ہے۔ اور دفعہ ۲۶ یہ ہوتی ہے۔ "شرعی احکام کا اجرا مجلس وطنی کبیر کے فرائض میں سے ہے"۔
وہ کہتا ہے "یہ دونوں دفعات حکومت ترکیہ جدیدہ کی شخصیت اور جمہوریت عصر حاضر کی ادارت کے مطابق نہیں۔ اب تک ان کے قائم رہنے سے کچھ ڈر نہیں لیکن قوم پر واجب ہے۔ کہ اولین فرصت میں ان زوائد سے علیحدہ ہو جائے! ایک ہی سال گزرتا ہے۔ کہ دفعہ ۲ سے یہ جملہ زائل ہو جاتا ہے "اسلام حکومت کا سرکاری دین ہے" حتیٰ کہ "اجرائے احکام شرعیہ" کے الفاظ بھی دفعہ ۲۶ سے خارج ہو جاتے ہیں۔ معاملہ یہیں تک ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ نمائندگان مجلس کو "شرف" کی قسم دلوائی جاتی ہے۔ اور اسی طرح صدر جمہوریہ خود قسم کھاتا ہے۔
اوقاف "دینی" و "قفِ ملی" بن جاتے ہیں۔ اور حکومت اُن کی آمدنی

خیراتی انجمنوں میونسپلٹیوں اور شفاخانوں پر خرچ کرتی ہے! اس سے
پہلے یہ آمدنی خانقاہوں اور اُن بدمست درویشوں پر خرچ ہوتی تھی
جو گُناہ کرتے۔ اور دفوں کی آواز پر رقص کرتے تھے۔ اور چکر کھا کر اس طرح
پیچھے آتے تھے۔ جس طرح "چلا ہے کا چکر"!

اس انقلاب عظیم میں آپ میری رائے دریافت کریں گے تو میں
آپ سے کہوں گا۔ کہ سردار کمال نے جو کچھ کیا بہتر کیا۔ کیونکہ "حکومت دنیوی کسی
کیلئے لازم ہے۔ کہ آخری دینی تعصب کو مٹائے۔ جو یورپ کو ترکی کی
بیداری و ترقی کی ہر کوشش کے مقابل کھڑا کر دیتا تھا۔ اور کلمہ "دنیوی"
"بے دینی" کے معنی نہیں دیتا۔ بلکہ اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ ترکی حکومت
کسی دین کو دوسرے دین پر ترجیح نہیں دے گی۔ رہی ترکی قوم تو اس
کا دین اسلام ہے! اقلیتوں کے دوسرے دین ہیں! اور سب امن و
سلامتی سے رواداری حکومت کے زیر سایہ رہتے ہیں۔ مسجدیں اور گرجے
الحمد للہ نمازیوں سے پُر ہیں۔ یہ میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ جب
میں ترکی میں تھا۔ اور مجھے پورا یقین ہو گیا۔ کہ جو دین ہمارا ہے ترکی
کی دیانت کے سامنے اس کا ذکر ہیچ ہے اور جمہوریت کا ہر دوست و
دشمن جو کبھی ترکی میں گیا اُس نے اس بات کی شہادت دی۔

قلم اور تلوار

"استاد"

"آنے والی نسل آپ کی مساعی جمیلہ کی نشانی ہو گی اور یہ نشانی آپ کی مہارت و قربانی کے مطابق ہو گی۔

جمہوریت آپ سے جن آدمیوں کی طالب ہے۔ وہ فکر، علم اور جسم میں انسانیت کا خلاصہ ہونے چاہئیں۔

وہ استاد اور صرف استاد ہیں۔ جو قوموں کو ترقی کا درس دیتے ہیں۔ اس لئے آگے کو......... آگے کو......... اور ہمیشہ آگے کو......!

یہ ہے سردار کا کلام جسے اس سے پہلے ہم نے "علم و ثقافت کے ارکان حسب کا سردار" کے نام سے موسوم کیا ہے اور ترکی میں تمام تعلیم اسی پر پروئی جاتی ہے۔

تعلیم یافتہ ترکی نوجوان ترکی جدید کی زندہ تصویر ہے اور جتنے زیادہ دن میں نے اس کے ساتھ گزارے اور ہر طرح اسے اُلٹ پلٹ کر جانچا اور پرکھا ہے۔ اس میں سواد کا علم اور جنگ کے لئے شمشیر بدست ہونے کے کچھ نہ دیکھا۔ وہ تعلیم کے مہینوں میں قلم اُٹھاتا ہے۔ اور تعطیلات

قسطنطنیہ کے بازار میں ایک سبزی فروش میاں بیوی دونوں سبزی خرید رہے ہیں





جدید ترکی کے بازار میں ایک ٹائپ کرنیوالا جو تاحال ناخواندہ لوگوں کیلئے چٹھیاں ٹائپ کرتا ہے

میں تلوار۔ بندوق۔ پستول اور توپیں۔ اثنائے گفتگو میں ایک نے مجھ سے کہا :-

تعلیم کے دن جونہی ختم ہوتے ہیں۔ ہمیں چھاؤنی کی طرف چلنے کا حکم دیا ہے۔ وہاں ہم پہنچتے ہیں۔ اور فوجی لباس پہن لیتے ہیں اور ہماری گولی چلانے کی تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔

چھاؤنی میں ہماری زندگی اس سپاہی کی سی ہوتی ہے۔ جو ہر وقت جنگ کے لئے شمشیر بدست رہتا ہے۔ سورج چڑھتے ہی ہم بگل کی آواز کے ساتھ اُٹھتے ہیں اور رات کے وقت ہم میں سے ایک فریق سوتا ہے اور دوسرا نگہبانی کرتا ہے۔ ہمیں ہر روز جدید اصول پر لیکچر دیئے جاتے ہیں۔ بری۔ بحری اور ہوائی جنگ پر۔ اور بندوقوں۔ پستولوں۔ توپوں تلواروں۔ گھوڑوں۔ جنگی گاڑیوں۔ ٹینکوں۔ زہریلی گیسوں اور جلانے والی گیسوں پر ......

مدت تعلیم کے خاتمہ پر ایک بڑا افسر اُٹھ کر یہ تقریر کرنے لگتا ہے :-

"اب تم اس زمین پر چلتے ہو۔ جسے جانتے ہو۔ کہ یہ ترکی زمین ہے۔ لیکن ہم اپنے زمانے میں نہیں جانتے تھے۔ کہ یہ ترکوں کے لئے ہے۔ تم سرخ جھنڈا اپنے قلعوں پر اُڑتا دیکھتے ہو۔ لیکن ہم اپنے قلعوں

پر دشمنوں کے جھنڈے دیکھتے تھے۔ یہ ترکی جمہوریّت کا فخر ہیں۔ اور سردار کا فخر ہیں۔ اس لیئے میرے ساتھ ملکر نعرہ لگاؤ۔ زندہ باد جمہوریّت زندہ باد سردار۔ خود سردار نے اس سے پہلے اُن سے کہا تھا۔

"نوجوان ترکو!

"تمہارا سب سے پہلا اور ہمیشہ کے لیئے یہ فرض ہے کہ آزادی ترکی اور جمہوریت ترکی کی مدافعت کرتے رہو۔

"تمہارے قصر مستقبل کی یہی تنہا بنیاد ہے اور یہ بنیاد تمہارے بے بہا و بہترین ذخائر میں سے ہے۔ مستقبل میں ایسے ملکی و غیر ملکی خود غرض لوگ تمہارے ساتھ ٹکرائیں گے جو تمہیں ان ذخائر سے دور کرنا چاہیں گے۔ اور چند روز تک تمہیں یہ حالت آزادی و جمہوریت کی مدافعت کے لیئے مضطرب رکھے گی۔ تو کیا اس وقت تمہیں اُن زندگی بخش یا غیر زندگی بخش افراد کے متعلق جو تمہیں گھیرے ہوتے ہونگے۔ کچھ فکر نہ کرنا چاہیئے؟

"حالات جو تمہیں گھیرے ہوتے ہوں گے مسرّت افزا نہیں دکھائی دینگے۔ اور دشمن تمہاری جمہوریّت کو مٹانے والے دشمن اس حال میں نظر آئیں گے گویا تمام عالم بیجا تمہیں غصہ دلانے اور تباہ کرنے کے لیئے ٹوٹ پڑا ہے جو تمہارے اردگرد ہوگا۔



جدید ترکی کی بے پردہ خواتین



قدیم ترکی کی پردہ دار خواتین

"اُس پر نظر ڈالنے سے دیکھو گے۔ کہ تمہارے وطن عزیز کے قلعے چھین گئے ہیں۔ دشمن نے چھاؤنیاں اور بندرگاہیں اپنے قبضے میں کر لی ہیں لشکر منتشر ہو گیا ہے! اور ملک کے ہر گوشے میں فوجی تسلط قائم ہے اور اس سے بھی بڑھ کر تم دیکھو گے۔ جو زیادہ پُر فکر اور زیادہ پُر خطر ہے۔ کہ ارباب اقتدار و اکابر غفلت و گمراہی میں ہیں۔ بلکہ غداری کے جہنم میں گر رہے ہیں۔ تم اُنہیں دیکھو گے۔ کہ وہ دشمنوں کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں اور اُن کے لئے سیاسی امور میں سہولتیں پیدا کرتے ہیں۔ تاکہ دشمن وقت آنے پر ان کی ذاتی مصلحتوں کی کامیابی میں آسانیاں بہم پہنچائے۔ اس وقت قوم مفلس بھوکی اور کمزور ہو گی اور تباہی و بربادی کے کنارے پر کھڑی ہو گی۔

"نوجوان ترکو اور ہوشیار ترکی کے فرزندو۔ تم یہ سب کچھ دیکھو گے ایسے حال میں تمہارا فرض ہو گا۔ کہ ملک کے تحفظ اور نجات کے لئے کوشش کرو! اور آزادی و جمہوریت کو دشمن کے پنجے سے چھڑاؤ۔ قوت کی تلاش نہ کرو۔ کیونکہ یہ تمہارے اُس پاکیزہ نسلی خون میں بھری ہوئی ہے جو تمہاری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔"

ان نوجوانوں سے جیش ترکی تیار ہوا ہے جیش محمد فاتح و سلیمان

قانونی و سلیم عثمانی شہنشاہیت کا جیش جس نے ایک عالم کو پریشان رکھا جو وائنا کے دروازوں پر وسط روس میں۔ حدود ہند پر یمن و حجاز میں لڑتا تھا۔ وہ جیش جس کے متعلق نپولین کہتا تھا۔ کہ تمام دنیا کو فتح کر سکتا ہے۔ اور آخر میں جیش کمال گیلی پولی و سقاریہ ہے۔

یہ جیش اب ترکی کے لئے ہے۔ اور فقط ترکی کے لئے۔ قدیم انتشار بدل کر اب ترکی حدود کے اندر ایک مرکز بن گیا ہے۔ اس لئے آپ اسے ایک ٹکڑا دیکھیں گے جو قبیلۂ کمال کی فولادی فصیل کا کام دیتا ہے۔

ماہر حرب کمال اپنے اس جیش کو الف سے یے تک جانتا ہے اور جیوش عالم کو بھی جانتا ہے کہ وہ کن اسلحہ اور جہنمی سامان سے آراستہ ہیں۔ اس لئے وہ خود بھی استعداد جنگ میں جہنمی ہے لشکر پر دیکھ بھال میں جہنمی ہے۔ اور ہر چیز کے لئے جہنمی ہے۔ جو اس کے وطن کی سلامتی سے ٹکرانی ہو۔

جیسے کہ میں اسے آئندہ جنگ میں دیکھ رہا ہوں (خدا یہ جنگ نہ لائے) کہ وہ ارض وطن پر دبکا بیٹھا ہے۔ سامنے نقشہ ہے اور اس پر چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں۔ گویا میں اسے فولادی قوتوں سے جنگ کی کمان کرتے دیکھتا ہوں۔ کہ بغیر کسی تردد یا تامل کے عزرائیل کو جنگ کا ٹیکس ادا کر رہا ہے۔ اسے گرگ گیلی پولی و سقاریہ دیکھتا ہوں اسی

طرح اُسے آہن و برف سے جما ہؤا ٹکڑا دیکھتا ہوں ٭

کیا سردار تہی دست ہو گیا

اس وقت یکایک نوٹس دیئے بغیر مشین بند ہو جاتی ہے۔ اور ہوائی چکی کی گردش جو ۱۹۱۹ء سے ترکی کا معمول ہو گئی ہے۔ سکون میں آجاتی ہے ٭

اس اچانک پیدا ہونے والے سکون سے لوگ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے ناقابل تھے۔ کیونکہ وہ گردش کرنے اور شور مچانے والے دائرہ کے ساتھ ساتھ مدت دراز تک چل چکے تھے ٭

کیا ہؤا ؟

کیا قبیلہ کا سردار اکبر مر گیا ؟

نہیں ! وہ استنبول کے قریب یالوفا کے باغوں میں مقیم ہے۔ اور وہاں کی آب و ہوا۔ اور مناظر قدرت سے لطف اٹھاتا ہے ٭

پھر کونسی نئی بات ہوئی ؟

کیا چھ ہاتھ والا زبردست انجن معطّل ہو گیا ؟

نہیں انجن اسی طرح گردش کیے جاتا ہے ٭

میں اُس وقت ترکی میں تھا۔ اور اس بات پر خود شہادت دیتا ہوں۔ کہ میں بھی پوچھنے والوں کے ساتھ پوچھتا تھا۔ اور حیران ہونے والوں کے ساتھ حیران ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ چند دن اسی طرح گزر گئے۔ اور اس ہنگامی حادثہ کے متعلق سنتا رہا۔ تو مجھے اس اچانک تعطل کا راز معلوم ہو گیا۔

"قبیلہ کا سردار اکبر" ایک ٹکڑا تھا آہن و برف کا جس میں وہ سب جد و جہد اور کمالات جمع تھے۔ جو ترکی کے خونِ اصلی میں ہونے چاہئیں اور وہ اس موسم گرما ۱۹۳۳ء میں اپنے افراد قبیلہ کے لئے یہ ٹھوس مثال پیش کرنا چاہتا تھا۔ کہ وہ اس آسیائے عظیم کے اندر عہد گزشتہ سے بہتر حالت میں ہیں۔ اس لئے وہ ہاتھ بڑھا کر چھ ہاتھ والے انجن کی حرکت بند کر دیتا ہے۔ وہ انگورہ میں انجن کی نشست سے اُٹھتا ہے اور یالوفا کے ایک محل میں مقیم ہوتا ہے۔ جہاں مثال پیش کرنے کے لئے تانا بُننے لگتا ہے۔

جب میں استنبول میں تھا۔ تو رجعت پسندوں کو یہ کہتے سنتا تھا۔ کہ "مشین کا تعطل دلیل ہے سردار اور اس کے فلسفہ کے کھوکھلے پن کی جن پر مشین اور چھ ہاتھ والا انجن قائم کیا گیا ہے"۔ میں اُن کے اقوال کا مذاق اڑاتا۔ اور کہتا۔ "انتظار کرو۔ گو تھوڑے ہی دنوں کے لئے

تم پر سردار کی حقیقت روشن ہو جائے گی"۔ وہ جواب دیتے۔ حقیقت کئی ہفتوں سے روشن ہو چکی ہے جب ہمارے سفیر پیرس فتحی بے نے ایک طویل احتجاج کمال کی طرف بھیجا جس میں عصمت پر سخت نکتہ چینی کی ہے اور انتظام ملک میں حکومت کا عجز ظاہر کر کے اسے افلاس و تباہی کے گڑھے کی طرف چلانے کا مجرم ٹھیرایا ہے کہو اب کیا کہتے ہو۔؟ میں اُن سے کہتا "انتظار کرو۔ تنہا زمانہ تمہارے سردار کے اظہار حقیقت کا کفیل ہے"۔

میں استنبول میں رہ کر اس مدبر سردار پر اپنا استعجاب مخفی نہیں رکھ سکتا تھا جس نے مشین کو اس طرح بند کر دیا۔ گویا فی الحقیقت تہی دست ہے اور فتحی کو پیرس سے بلواتا ہے۔ گویا اس کے احتجاج طویل پر توجہ مبذول کی ہے اور جو عصمت کی مرگ سیاسی کی دھمکی تھی۔ گویا عصمت میں امور حکومت کے سرانجام دینے کی صلاحیت نہیں۔

ہاں میں اس سردار پر متعجب تھا اور میرا استعجاب ہر لمحہ زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ جب میں اس کے سر پر چھائے ہوئے خطرے کا تصور کرتا اس حال میں کہ وہ اپنے مرکز دائرہ سے دور تھا اور اس خطرے کا اصل ہر وہ شخص کر سکتا ہے جس نے ترکوں کی حیات کا مطالعہ کیا ہے

اور جانتا ہے۔ کہ انہیں کسی چیز سے تعصب نہیں لیکن اگر وہ مزار قبیلہ اور اس کے دائرہ کو نہ دیکھیں۔ جو انہیں آسیائے عظیم میں متحد کرنے والے ہیں۔ تو پلٹ کر دیو اور شیطان بن جاتے ہیں ؎

لیکن مصطفیٰ کمال کسی چیز سے نہیں ڈرتا اور مرکز دائرہ سے اپنی اس علیحدگی میں وہ اس طرح ہے۔ گویا یالوقا کے خوبصورت باغات میں ہر خیال سے آزاد رہ کر آرام و راحت سے تعطیلات گزارے گا۔ اور اگر حالات نے متوقع خطرناک صورت اختیار کر لی تو اس کے لئے اس سے زیادہ آسان بات کوئی نہ ہوگی۔ کہ پلٹ کر بھیڑیا بن جائے اور اس کی نظریں بھی بھیڑیے کی آتشیں نظروں جیسی ہو جائیں۔ پھر دائرے کے مرکز میں اپنی نشست پر بیٹھ کر اسے نئے سر سے گردش دے ؎

ہاں واللہ یہ ہے مصطفیٰ کمال جیسا میں نے ۱۹۲۳ء میں باسفورس کے کنارے پر تصور کیا ؎

اس روح کے ساتھ کمال باغات یالوفا میں بیٹھا ہے تاکہ فتحی و عصمت کے درمیان معرکۂ گرم کی خبریں سنتا رہے۔ یہ ہے فرانس میں ترکی سفیر جو ترکی کبیر کے حسرت انجام ڈرامے سے ڈرانا ہے۔ جس کے مناظر عصمت نے اپنی حماقت جہل اور تعصب سے تیار کئے

اور دیکھیئے۔ اب اس ڈرامے کے آخری منظر میں ہے جس کا حشر عہد گزشتہ کی بربادی کی طرح ہونے والا ہے ؛

یہ ہے عصمت مرد آہن و آتش۔ خاموش اور بے حس و حرکت بیٹھا ہے۔ اور اگر کمال اُسے اُبھارتا ہے اور مدافعت کا طالب ہوتا ہے تو حسب عادت بے اعتنائی سے جواب دیتا ہے "یہ جگہ معاملات حکومت پر بحث کرنے کی نہیں۔ وہاں نمائندہ مجلس ہے۔ جس کی دیواروں کے مابین مباحثات کو گردش ہوتی ہے۔ فتحی یا کر تی اور جو چاہے۔ وہاں میدان میں ظاہر ہو اور عصمت پر جس طرح چاہیں حملے کریں۔ اس کے بعد عصمت پر اپنی مدافعت لازم ہو گی ؛

کلام معقول تھا کمال قبول کرتا ہے۔ اور فتحی بھی ؛

کمال دوسرا قدم اُٹھاتا ہے۔ اور یہ اعلان کرتا ہے۔ کہ وہ فتحی اور اس کی مخالفت جدید سے راضی ہے۔ اور اس کا پُر جوش خیر مقدم کرتا ہے افراد قبیلہ میں سے جو چاہے۔ فتحی کی جمعیت جدید میں شامل ہو سکتا ہے۔ اور مصلحت وطن کی خاطر جس طرح چاہے تنقید کر سکتا ہے ؛

پھر اپنی بہن مقبولہ اور اپنے چند زیادہ مقربین کو جمعیت جدید میں شمولیت کا حکم دیتا ہے۔ وہ اس کی اطاعت ہی میں حصول جمعیت کو

پُرجوش بناتے ہیں۔

افرادِ قبیلہ جو پلٹ کر دیو اور شیطان بن جاتے ہیں۔ دو حصوں میں بٹ جاتے ہیں۔

پہلا فریق عصمت کا پُرجوش حامی۔

دوسرا فریق فتحی کا پُرجوش حامی۔

پھر کمال تیسرا قدم اُٹھاتا ہے۔

ہم سمرنا میں پہلا آزاد سیاسی جلاس دیکھتے ہیں جو گردشِ ڈرامہ کے آغاز سے اب تک نظر نہیں آیا تھا۔ لوگ اس جگہ سرعت سے پہنچتے ہیں۔ جہاں فتحی پُرجوش اجتماع میں تقریر کرتا ہے اور اُس کی آنکھوں میں سرکشی اور بغاوت کی چمک نمایاں ہوتی ہے۔

فتحی تقریر کرتا ہے اور اُس کی زبان سے چھوٹے ہوئے تیر عصمت کا جگر چھید ڈالنے کے قریب ہیں عصمت تقریر کرتا ہے اور اُس کی زبان سے چھوٹتے ہوئے تیر فتحی کا جگر چھید ڈالنے کے قریب ہیں۔

حاضرین تالیاں بجاتے ہیں اور اس کے یا اُس کے لئے نعرے لگاتے ہیں۔ محبت و عداوت کی پکار ہوتی ہے۔ سمرنا کے بازاروں میں پُرشور مظاہرے ہونے ہیں۔ جو ایک کو آسمان تک بلند کر دیتے ہیں۔ اور دوسرے کو زمین

پر گرا دیتے ہیں ۔

کمال چوتھا قدم اٹھاتا ہے ۔

اب ہم انگورہ میں ہیں۔ مجلسِ وطنی کبیر میں ۔

کمال نے عصمت و فتحی کو آدابِ مباحثہ کا درس سکھایا ۔ وہ منبرِ
مجلس پر جانی دشمن تھے! وہ مجلس کے باہر صاف دل دوست۔ اور یہی درس
تمام نمائندگانِ مجلس کو غیر محسوس طریق سے سکھاتا ہے ۔

پھر مجلس کو جمع ہونے کا حکم دیتا ہے۔ تاکہ وہ رہنمایانِ وقت کی حریفانہ
کشمکش کا نظارہ دیکھے۔ فتحی اور اس کی جمعیتِ جدید کے ارکان منبر پر کھڑے
ہو کر حکومتِ عصمت کے خلاف درشت کلامی سے کام لیتے ہیں اور اُسے ملک
کے افلاس اور بربادی کا متہم گردانتے ہیں غیر ملکیوں سے اس تعصب کے کیا
معنی ہیں جب ملک بدیسی سرمایہ کا محتاج ہے؟ یہ تنگ نظری اگر حماقت نہیں
اور حکومت کو جہنم کی طرف نہیں لے جا رہی۔ تو پھر کیا ہے؟ یہ ریلوے جو حکومت
نے پھیلائی ہے اس کی کیا ضرورت ہے جب اس سے نہ کچھ نفع ہے اور نہ
ایک دھاگے کا محصول؟ ملک کے تمام محصولات پر قبضہ کر لینے کا کیا مطلب
ہے جب لوگوں پر سوشن ہے۔ کہ ان سب امور کی تہ میں بربادی مضمر ہے؟
یہ دستِ آہنیں جو لبوں کو بند کرتا۔ اور گلے کو گھونٹتا ہے۔ کیوں ہے جب

ہم زمانۂ آزادی میں رہتے ہیں ۔ اسی طرح کے حملے ہوتے ہیں جتنی کہ ان حملوں سے لوگ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ عصمت غدار ہے اور اس سے اور اس کے دست آہنیں سے جس قدر ممکن ہو رہائی پانا ضروری ہے ۔

پھر میدان عصمت کے لئے خالی کرتے ہیں ۔ وہ بولنا شروع کرتا ہے پھر پُرجوش ہوتا ہے غضبناک ہو جاتا ہے ۔ گرجتا ہے اور سارے زور سے پکارتا ہے غیر ملکیوں کے خلاف اس تعصب کے یہ معنی ہیں ۔ کہ ان کا قبضہ ہم پر سے ہمیشہ کے لئے ہٹ جائے ۔ یہ تنگ نظری حماقت نہیں ۔ بلکہ عین وہی ہے جو ہم ہر قوم میں اپنی قوم کے لئے تعصب دیکھتے ہیں جس زمانے میں حق قوت کے لئے اور تباہی کمزور کے لئے ہے ۔

اس ریلوے سے مقصود نفع حاصل کرنا نہیں ۔ بلکہ یہ ہے ۔ کہ جنگ کے وقت ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے میں سہولت ہو ۔ جب میں اپنے لشکر کو مشرقی اناطولیہ سے غربی تک صرف چند گھنٹوں میں پہنچا دونگا محصولات ملکی پر قبضہ حفاظت ہے ۔ بڑے بڑے دولتمندوں کی خود مختاری سے اس کے بعد کسی کو زندگی کی اہم نفع بخش چیز سے کھیلنے کی اجازت نہیں ہو گی ۔ اور دست آہنیں کا اس وقت تک کہیں وجود نہیں جبتک رجعت پسند اپنے بلوں میں گھسے ہوئے یا زمین کے آخری حصوں میں منتشر ہیں ۔ اور اس طرح اگر یہ لہر واپس آئی ۔ تو شدت سے اُسے پیچھے دھکیل دیا جائے گا ۔

عصمت منبر سے اُتر کر سردار کے حکم کے مطابق فتحی کو گلے سے لگاتا ہے اور اس کے ساتھ لطف سے ہنستا ہوا چلتا ہے لیکن نمائندے جوش وغضب میں یہ درس بھول جاتے ہیں۔ گالیاں دیتے ہیں لعنتیں بھیجتے ہیں مکّے ہوا میں اچھالتے ہیں پستولوں سے دھمکی دیتے ہیں اس وقت آپ اس خطرناک مساوات میں گولیوں کی آواز۔ پُرجوش نعروں کی گرج اور سامان شکستہ کی صدا سنتے ہیں ؀

جونہی اس نفرت اور جھگڑے کی خبر مشہور ہوتی ہے ہر جگہ سے مخالفت کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں ؀

کسان۔ تاجر۔ مزدور۔ استاد۔ ڈاکٹر۔ انجنیئر اور ہر پیشہ در بحر سیاست میں چوٹی تک غرق نظر آتا ہے ؀

ہوٹلوں میں کم فہم سیاست داں جھگڑتے اور لڑتے ہیں پھر مزارِش عرضیاں لکھکر انگورہ میں بھیجتے ہیں رستوں میں لوگ کسی کو تقریر کرتے سنتے ہیں تو اپنے کام چھوڑ کر اسکے گرد جمع ہو جاتے ہیں ؀

دو گروہ جھگڑتے ہیں۔ اور پھر لکڑیوں۔ خنجروں اور پستولوں سے لڑنے لگتے ہیں ؀

پایۂ تخت سے دور گاؤں اور بندرگاہوں میں باقی رجعت پسند

اپنے بلوں سے نکلتے ہیں اور کافر کمال اور اس کی کافر حکومت کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہیں۔

حدودِ مشرق میں ارمن گروہ خونیں بغاوت کر دیتا ہے اور سینکڑوں لوگ مار ڈالے جاتے ہیں۔

کردستان "علم نبوت" اپنے پہاڑوں اور بلندیوں پر اڑاتے ہیں۔ پھر پڑوس کے ترکی دیہات پر اُتر کر حملہ آور ہوتے ہیں۔ زمین خون سے رنگتے ہیں اور اس پر ہزاروں لاشیں بکھیر دیتے ہیں۔

سمرنا کے قریب قریہ "منیمین" میں ایک شخص مسمّیٰ "محمد" مہدیٔ منتظر کا دعویٰ کر کے اُٹھتا ہے۔ اپنے گرد اُن درویشوں کو جمع کر لیتا ہے جنہیں کمال نے حجروں اور بلوں سے نکال کسبِ حلال کی طرف دھکیلا تھا اور خطرناک داخلی بغاوت کا علم بلند کر دیتا ہے۔

"ترکی افسر فوبلائی" اس نئے کذاب کے مقابلے کی کوشش کرتا ہے۔ شیخ محمد اُسے گرفتار کر لیتا ہے اور ہزاروں درویشوں اور رجعت پسندوں کے سامنے زور سے اللہ اکبر! اللہ اکبر! کے نعروں کے درمیان بکری کی طرح ذبح کر ڈالتا ہے۔

معاملہ ختم ہوا۔ رجعت پسندی اپنا پرانا پارٹ ادا کرنے کے لئے پھر آگئی۔ جیسے ہم سمجھے تھے۔ کہ مدت سے مر چکی ہے۔ اور عہد گزشتہ کی

پامالی کے نیچے دفن ہو چکی ہے!

ترکی خطرے میں ہے۔ آزادی خطرے میں ہے۔ اور جمہوریت خطرے میں ہے۔

اشتیاق افراد قبیلہ کو سردار اکبر کے دائرے میں کھینچ لاتا ہے جو خود بھی گردش کرتا ہے! اور اُس کے ساتھ بڑی ہوائی چکی اور پھر ہر چیز گردش کرنے لگتی ہے۔

یہ اشتیاق اُلٹ کر اُمید و وسیلہ بن جاتا ہے۔

قبیلہ زبانِ حال سے کہتا ہے اے سردار اپنے عہد سابق کیطرف رجوع کر ہمیں اُلٹ کر دیا اور شیطان مست بننے دے! اور ہمیں رجعت پسندی و رجعت پسندوں سے نجات دلا۔

لیکن سردار افراد قبیلہ کی التجاؤں کی طرف سے اپنے کان بند کر لیتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم انہیں اس کے سامنے سر بسجود دیکھتے ہیں۔ اور اس کی پیغامبری پر معتقد۔

اُس وقت یہ یقین کر لینے کے بعد کہ جو مثال اپنے قبیلہ کے لئے پیش کی ہے دل میں ٹھیک اس جگہ بیٹھ گئی ہے جس جگہ عقیدہ جگہ پکڑتا ہے۔ برف کی طرح جما ہوا مردِ حرکت کرتا ہے! اور اُلٹ کر بھیڑیا بن جاتا ہے جس

کے پنجوں سے خون ٹپکتا ہو۔ اور آنکھوں میں سفاریہ کی آگ کی چمک۔ وہ اپنے مرکز دائرہ کو جاتا ہے۔ اپنی امتیازی نشست پر بیٹھ کر اور اپنا قوی ہاتھ چھ ہاتھوں والے انجن کی طرف بڑھا کر زور سے دھکیلتا ہے۔ وہ چلنے لگتا ہے اور اس کے ساتھ چکی کی طرح دائرہ فتحی اور جمعیتِ فتحی پس جاتے ہیں مفسدو کم فہم سیاسی آدمی اور شکایت کرنے والے پس جاتے ہیں الدمن پس جاتے ہیں۔ کرد پس جاتے ہیں شیخ محمد پس جاتا ہے۔ رجعیت کے دعویدار اور قدامت کی طرف لوٹنے والے پس جاتے ہیں! چھ ہفتہ بعد جب چکی آخری سر پیس چکتی ہے۔ تو ٹھہر جاتی ہے۔ دائرہ اپنی گردش جاری رکھتا اور اس گردش میں ترکوں کو شامل کر لیتا ہے۔

اگر آپ سنیں۔ تو مشین کی صدائیں سے مسرور آوازیں یہ نعرے لگاتی ہوئی آسمان تک پہنچتی سنائی دیں گی۔

"سردار قبیلہ زندہ باد"۔

معجزوں کا آدمی!

سب چیزیں چھوڑ کر زراعت۔ سب چیزیں چھوڑ کر صنعت سب چیزیں چھوڑ کر تجارت۔ سب چیزیں چھوڑ کر تعلیم۔ سب چیزیں چھوڑ کر

امن و سلامتی۔ سب چیزیں چھوڑ کر جنگ ۔

یہ سردار کے احکام ہیں اور یہ اس طرح پورے کیے جاتے ہیں گویا احکام مقدس ہیں۔ ہر ذی حرفہ اُسی روح سے اُٹھتا ہے۔ جس روح سے سپاہی میدانِ آتشیں میں جہاد کرتا ہے ۔

اور سردار آپ کو ہر جگہ دکھائی دیگا ۔

وہ کسان ہے۔ اور کسان کے ساتھ پھاوڑا چلاتا ہے ۔

وہ مزدور ہے اور مزدور کے ساتھ ہتھوڑا اُٹھاتا ہے ۔

وہ تاجر ہے۔ اور تاجر کے ساتھ مال فروخت کرتا ہے ۔

وہ معلّم ہے۔ اور معلّم کی طرح تختۂ سیاہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے ۔

وہ امن کا فرشتہ ہے ۔

وہ جنگ کا دیوتا ہے ۔

ترکی چند سال میں بدل کر تجارتی و صنعتی ملک بن جاتا ہے۔ ترک بڑھتے ہیں۔ اور وہ امن و صلح پر اُسی طرح عامل ہیں۔ جس طرح جنگ کے لئے مستعد ۔

افرادِ قبیلہ اس عظیم الشان کوشش پر خوش ہیں۔ اور جو کچھ اُن کے اور اُن کے سردار کے ہاتھوں نے تیار کیا ہے۔ اس پر فخر کرتے ہیں۔ وہ سر بلند ہیں۔ اور اُنہیں یقین ہے۔ کہ وہ جسم انسانیت اور تمدنِ جدید میں

قوی اور زندہ اعضا ہیں ۔

یہ ایمان اُنہیں نشاط انسانی کے ہر میدان میں معجزانہ طور پر دھکیل رہا ہے ۔

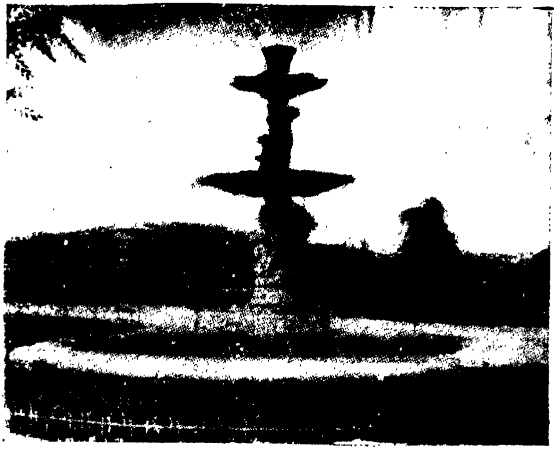
اُن کا تمام لباس ترکی میں تیار ہوتا ہے ۔ اُن کی عمارتیں اور سامان اُن کے ملک میں بنتا ہے اُن کے آلات و مصنوعات اُنہیں سے ہیں اور انہیں کے لیئے ہیں ۔ ان کی بندوقیں ۔ توپیں ۔ گولیاں اور گولے زیادہ تر ترکی کارخانوں میں تیار ہوتے ہیں حتّٰی کہ ہوائی جہاز ۔ بحری جہاز ۔ اور ریلوے کے لیئے پٹڑی تُرک بناتے ہیں ۔

ان کی توپیں جب نمائش یونان میں یورپی توپوں کے ساتھ دکھائی جاتی ہیں ۔ تو فوجی آرٹ کی انجمن نمائش میں آنے والی تمام توپوں سے انہیں بہتر بتاتی ہے ۔

اُن کی زمین کا محصول اور مویشی ماسکو ۔ لندن اور پیرس کے بازاروں میں فروخت ہوتے ہیں ۔

اُن کے ماہرین علم طبعیات نئی نئی چیزیں ایجاد کر کے موجدوں کی فہرست میں اضافہ کرتے رہتے ہیں ۔

اُن کی ایک عورت نئے رنگ تیار کرتی ہے اور وہ مشہور جرمن عورت کے رنگوں سے بہتر ہوتے ہیں ۔



انگورہ کی ایک شاندار وسیع سڑک کی رونق دوبالا کرنیوالا ایک خوبصورت فوارہ



ترکی جدید کے بازار میں لڑکا اخبار بیچ رہا ہے

اگر سیاسیات عالم کی طرف رخ کریں۔ تو عجیب بات نظر آئیگی سلاطینِ آلِ عثمان کے وقت سے ترکوں کا جانی دشمن خرس روس گرگ انگورہ کا دوست و حلیف بن جاتا ہے۔ بلقان جسے کسی وقت بھی قرار نہیں ہوا۔ سردار ترکی کے جھنڈے کے نیچے قرار حاصل کر لیتا ہے۔

اور یونان ...... وہ یونان جسے چند سال پہلے وینزیلاس قسط اناطولیہ تک لے گیا تھا۔ ترکی بھیڑیے کا قرب حاصل کرتا ہے۔ پھر جوش و تپاک سے اُسے گلے لگاتا۔ اور بوسے دیتا ہے۔

فرانس روس کا دوست ہے۔ اس لئے ترکی کا دوست ہے۔

پھر انگلستان سمندروں کا مالک جس کی حکومت میں آفتاب غروب نہیں ہوتا۔ دیکھتا ہے۔ کہ سمندروں کی باگ اس کے ہاتھ سے چھوٹنے والی ہے اور آفتاب اس کی حکومت کے بعض حصّوں میں ڈوبنا چاہتا ہے۔ ترکی کی جانب سے اپنی حریفانہ سیاست کا رُخ بدلتا ہے اور اُلٹ کر دوست بن جاتا ہے۔ گرگِ انگورہ کی نازبرداری کر کے اسے رام کرتا ہے۔ پھر وہ بھی اسے دوست بنا لیتا ہے۔

میں یہاں جو چیز فخر کی سیاہی سے قلمبند کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔ کہ ترکی پہلی مشرقی حکومت ہے۔ جس نے پہچان لیا۔ کہ کس طرح انگلستان کے مقابل ہو۔ اور اس سے اپنا احترام اور حقِ حیات و

قیادت کا اعتراف اس زمانے میں کرائے جس میں وہ سمندروں کا مالک بنا ہے جس نے ہمارے سرارادت کو اپنے سامنے جھکانے پر مجبور کیا ہے۔ ہاں۔ انگورہ کے بھیڑیے نے جان لیا۔ کہ انگلستان کے متعلق کیا سیاسی روش اختیار کرے جو تمہارا احترام اس وقت تک نہیں کرے گا جبتک اسے مائل نہ کیا جائے! اور تمہارے حقوق کا معترف اس وقت تک نہ ہوگا۔ جب تک اسے اعتراف پر مجبور نہ کیا جائے"

انگلستان انگورہ کے بھیڑیے سے گیلی پولی میں کاری ضرب کھا چکا تھا۔ دوسری ضرب زمانۂ تسلط میں کھائی تھی! اور تیسری جنگ آزادی میں جب اس کی کھوپری ان متواتر ضربوں سے ہموار ہو چکتی ہے۔ تو وہ بھیڑ کی کھال میں انگورہ کے بھیڑیے کی طرف لوٹ کر آتا ہے! اور التجاد محبت جتانے لگتا ہے۔ تاکہ پر خطر وقت میں اُس کا حلیف بنے جب اٹلی کی "فاشیت" اور مسولینی بحیرۂ ابیض کو بحیرۂ اطالیہ بنا لینے کی دھمکی دے رہے ہوں +

انگورہ کا بھیڑیا جو ماہرین سیاست میں ایک چلتا پرزہ شخص ہے۔ جانتا ہے۔ کہ انگلستان اس کا محتاج ہے۔ جانتا ہے۔ کہ بحیرہ ابیض بحیرۂ اطالیہ بننے والا ہے۔ انگلستان کے ہاتھ میں جبل طارق کی کنجی ہے۔ اور وہ بحیرۂ ابیض پر حکومت کرتا ہے۔ جانتا

ہے۔ کہ جونہی یہ کنجی ضائع ہوئی۔ راہ ہند پر اس کی قیادت بھی ضائع ہو جائے گی۔ اس لئے وہ اُس کی خوشامد و دوستی کا جواب ناز و عشوہ سے دیتا ہے ٭

یہ ناز و عشوہ جان بل کیونکر برداشت کر سکتا ہے۔ وقت نازک ہے۔ مسولینی رحم نہیں کرتا۔ یورپ آتش فشاں ہو رہا ہے۔ فرانس کی صداقت متذبذب ہے۔ جرمنی درندہ بن گیا ہے۔ ہسپانیہ درہم برہم ہے۔ مشرق ادنیٰ کی حالت قرار پر نہیں۔ اٹلی حبشہ کو پھاڑ رہا ہے۔ حدود سوڈان حالت زجر و خوف میں ہیں۔ اور راہ ہند خطر میں! آخر ایک طویل ناز و عشوہ کے بعد انگورہ کا بھیڑیا صداقت انگلستان پر راضی ہو جاتا ہے اور اس کی امداد کا وعدہ کرتا ہے۔ لیکن اس شرط پر کہ وہ درۂ دانیال پر ترکی قلعہ بندی کا حق قبول کرے ٭

انگورہ کا بھیڑیا درۂ دانیال کی بلندیوں پر کھڑا قلعہ بندی کے کام کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ ہم اُس کی آنکھوں میں وہی چمک دیکھتے ہیں۔ جو اس سے پہلے ۱۹۱۵ء میں دیکھی تھی۔ جب وہ اپنی درانتی سے ہزاروں انگریزوں اور اہل آسٹریلیا کی ارواح کو کاٹتا تھا ٭

اُس کے لشکر نے اُس وقت فتح پائی۔ اور اس کی جمہوریت آج فتحمند ہوتی ہے ٭

پھر اٹلی .... اس کے ساتھ دوسرا طریقہ ہے۔

ایک دن مسولینی کا سر پھر جاتا ہے۔ وہ رومہ کے ایک میدان میں خطیب بنکر کھڑا ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ اٹلی ایشیا اور افریقہ میں فتوحات حاصل کر کے اپنی حدود کو وسیع کرنا چاہتا ہے۔

جونہی بر قیہ یہ خطرناک تصریح انگورہ میں اٹھالاتا ہے۔ انگورہ کا بھیڑیا برق ورعد بن جاتا ہے اور فوراً سفیر اطالیہ کی ملاقات کا طالب ہوتا ہے۔

جب سفیر اطالیہ "چان قایا" میں آتا ہے۔ تو بھیڑیا اس کا استقبال شہری لباس میں کرتا ہے پھر اُس سے یہ کہ کر کہ تھوڑی دیر انتظار کیجیئے۔ اندر چلا جاتا ہے۔

چند منٹ کے بعد لوٹ کر آتا ہے۔ تو اس حال میں کہ فوجی وردی زیب تن ہوتی ہے۔ جنگ کی وردی،........ فرط دہشت سے سفیر کا منہ کھلے کا کھلا رہ جاتا ہے۔

لیکن بھیڑیا اسے زیادہ دیر تک دہشت میں نہیں رہنے دیتا۔ اور اس طرح گفتگو شروع کرتا ہے سفیر صاحب آپ نے مجھے دیکھا؟ میں نے اپنے کپڑے چند منٹ میں فوجی وردی سے بدل لئے ہیں۔ جائیے اپنے سردار مسولینی کے پاس۔ اور جو کچھ آپ نے دیکھا ہے۔ اُسے بتائیے اور میری طرف سے کہئے۔ کہ تمام ترکی اپنے وقت پر فوجی وردی پہن لیگا۔

اور چند منٹ میں بدل کر جنگی حالت میں داد شجاعت دینے لگے گا۔
سفیر بھیڑیے کے ہاں سے جاتا ہے۔ اور جو کچھ دیکھا اور سنا تھا۔
اُس سے مسولینی کو آگاہ کرتا ہے۔ مسولینی اپنی تقریر پر معذرت
پیش کر کے کہتا ہے۔ کہ تقریر کرتے وقت اس کے دل میں ترکی کا
خیال بالکل نہ تھا۔

چونکہ بھیڑیا اس معذرت کو کافی نہیں سمجھتا۔ وہ اپنی فوج کا
ایک زبردست دستہ سمرنا کو بھیجتا ہے جہاں وسیع پیمانے پر مصنوعی
جنگ کا مظاہرہ کرتا ہے۔ گویا اٹلی کے ڈکٹیٹر سے کہتا ہے کہ "یہ ترکی
جنگ گاہ بن گیا ہے"۔

مشرق میں دو بڑی حکومتیں ہیں۔ ایک ایران اور دوسری
افغانستان۔

ایک کامل ہو چکی ہے۔ اور اس نے ترکی کو اپنا استاد بنا لیا ہے
اور دوسری تکمیل کے قریب ہے۔
مستقبل قریب میں ہم ایک آہنین و آتشیں دیوار دیکھیں گے
جو غرباً شرقاً استنبول سے وسط ایشیا تک۔ حدود ہند تک۔ کوہستان
ترکستان تک اور چین کی زبردست دیوار تک پھیلی ہو گی۔

انسان بالائے انسان

اس طرح سال گزرتے ہیں۔ کہ دائرہ اپنا ایک دور ختم کرتا ہے۔ اور نئی گردش شروع کردیتا ہے۔ اور اس طرح کمال مرکز دائرہ میں بیٹھ کر فریضۂ انسانیت ادا کرتا ہے۔

تمام دنیا شک و یقین کے درمیان سرگرداں ہے۔ یہاں مہلک سُرخ و دہشت انگیزی کھڑی ہوتی ہے۔ وہاں اشتراکیت کھڑی ہوتی ہے .... جو نہ مہلک ہے۔ نہ سرخ۔ لیکن بدامن اور دونوں اس بڑی انسانی بدبختی کے مقابل ہوتی ہیں جسے "فاشیت" یا "فازیت" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ میں اُسے بدبختی کہونگا۔ کیونکہ اس کی بنیاد "بربریت" پر ہے۔ اور اس کے نزدیک زندگی کے صرف یہی معنی ہیں۔ کہ جرمنی یا اٹلی سب پر بالا ہو۔ ہر چیز جرمنی یا اٹلی کے لئے۔ زندگی جرمنی یا اٹلی کے لئے اور سعادت جرمنی یا اٹلی کے لئے۔ لیکن باقی قومیں نجس ہیں۔ اور ان کا تمدن کمزور۔ یہ شور و غل سے بھرا ہوا عالم کتنا بدبخت ہے۔ اگر اس کا اندازہ اناترک کے پُرامن اور بے خطر عالم سے کیا جائے۔ یہ مرد جرا نگورہ میں مرکز دائرہ میں بیٹھا ہے۔ نہ سرخ دہشت انگیز ہے نہ خاک آلود

اشتراکی۔ نہ نیلا نازی اور نہ کالا فاشی۔ بلکہ وہ انسان ہے۔ انسان جو اپنے ملک کی مدافعت کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اسے آزاد کرا لیتا ہے پھر اس کے لئے اسباب راحت زیادہ کرنے میں کوشاں ہے اور جسے جنگ کی فکر صرف اپنی مدافعت کے لئے ہے۔

وہ اپنی اس انسانیت میں دنیا کے ایک جدید مذہب کا مالک ہے۔ اور اس کی انسانیت کبریٰ کا پیغام یہ ہے کہ "امن اور امن وطن کی مدافعت کے لئے جنگ"۔ وہ اپنی اس بات میں جدید اس لئے ہے۔ کہ دوسرے مذہب و مشرب والوں سے مختلف ہے کیونکہ وہ عملی ہے۔ اور باقی خیالی۔

وہ زمین کے ایک ٹکڑے کی اصلاح پر قانع ہے اور دوسرے تمام دنیا کی اصلاح کے دعویدار بنتے ہیں۔

امن اُن کے نزدیک عبارت ہے حُبّ و صفا اور خوش بختی سے اور اس کے نزدیک مال و زراعت مساوات و صنعت اور آہن و آتش سے۔ کیونکہ مال و زراعت۔ مساوات و صنعت اسباب راحت کے لئے اور آہن و آتش اس راحت کی مدافعت کے لئے۔

اور اگر وہ صرف ارض ترکی کی اصلاح کے درپے ہے۔ تو اس سے وہ انسانیت کی ایسی خدمات انجام دے رہا ہے۔ جو تمام مصلحین عالم

کو میسّر نہیں۔ ایک قطعۂ زمین کی اصلاح انسان تھوڑی مدّت میں کر لیتا ہے اور اس کے بعد دوسروں کے لئے قابل نمونہ بن جاتا ہے۔ مگر تمام دنیا کی اصلاح۔ تو وہ محال ہے۔ پھر مصلحین اور پیغامبروں کے پاس تدابیر اور تدابیر کے سوا وسائل اصلاح نہیں ہوتے لیکن اس کے پاس تدابیر اور وسائلِ نفاذ و عمل دونوں ہیں۔

گمان کرنے والے کہیں یہ گمان نہ کر لیں۔ کہ اگر ہم کمال اتاترک کے متعلق ایک انسان کی حیثیت سے گفتگو کرتے ہیں۔ تو وہ میری اور آپ کی طرح انسان ہے۔ یا اُس کی شفقت و فطرت کی تعریف کرتے ہیں۔ یا اس کے خیالات کو سراہتے ہیں۔ یا اُس کے بعد اُس کی عقل منطق اور فکر بلند و برتر وغیرہ کی مدح سرائی کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ کمال اتاترک سردار ہے۔ اور سردار کی پہلی صفت یہ ہے۔ کہ وہ انسان بالائے انسان ہو۔

اگر کسی مورّخ یا ماہر نفسیات کو لوگوں کے عناصرِ اوّلیں کی تحلیل کا موقع ملے۔ تو کمال اتاترک کے جسم میں جو ہمیں نظر آئے گا۔ وہ عجیب ہو گا۔ اس کے جسم کا ہر ذرّہ ترکوں کی طبائع کا انتخاب ہو گا۔ اور یہ ذرّے یکجا جمع ہو کر وہ کچھ ہو نگے۔ جو اُسے "انسان بالائے انسان

ترک بالائے اتراک اور سردار قبیلۂ اتراک بنا دینگے ؏

یہ سردار اپنے جسم کے ساتھ افراد قوم میں بیٹھتا ہے۔ اور اپنی روح کے ساتھ فکر آزاد کا ہمنشیں ہو جاتا ہے ؏

اگر انہوں نے بغاوت کی۔ تو اُسے آہن دیکھا اگر پگھلے۔ تو وہ جم گیا۔ اگر جمے۔ تو وہ آگ ہے۔ اگر وہ فروع میں پھیلے۔ تو وہ فروع کو جمع کرنے والا ہے۔ اگر وہ بٹ گئے۔ تو تنہا نظر آتا ہے۔ اگر اپنے آپ پر اُلٹ پڑے۔ تو وہ معتدل ہے۔ پھاوڑا اور تلوار کھیتی اور میدانِ آتش اس کے نزدیک برابر ہیں۔ حیات و موت اور ولادت و شہادت اس کے لئے ایک ہیں۔ ان اشیاء میں سے ہر ایک اس دنیا میں لابدی ہے۔ جب تک ہم اس میں رہتے ہیں ؏

نہ اُس کا کوئی دوست ہے۔ نہ وہ کسی کا دوست۔ نہ اُس سے کوئی محبت کرتا ہے۔ نہ وہ کسی کو چاہتا ہے۔ نہ اُس کا کوئی دشمن ہے نہ اسے کسی سے عداوت۔ صداقت۔ محبت اور عداوت ایک عام انسان کے مظاہر ہیں۔ لیکن وہ انسان بالائے انسان ہے۔ اور ایسا سردار جو اطاعت کرائے اور ڈرائے۔ پھر یہ اطاعت اور وہ خوف لباسِ پاکیزگی پہنتے ہیں۔ جہاں تک کمال اتاترک نے کسی کو سزا یا پھانسی دی۔ وہ دونوں حالتوں میں اس معمار کی طرح ہے۔ جو ایک اچھا

پتھر اچھی جگہ جوڑتا ہے۔ اور کوئی پتھر توڑ کر خلا ئے دیوار میں بھرتا ہے۔ وہ رفقاء جنہیں اُس نے سزا دی۔ یا وہ رجعت پسند جنہیں پھانسی پر لٹکایا۔ وہ ایسے پتھر ہیں۔ جن سے اتاترک نے اپنا گھر تیار کیا ہ

کمال اتاترک کسی کو سزا دیگا۔ اور کسی کو پھانسی۔ اور اپنے ملک کے ٹکڑے پر گھر اور چھاؤنیاں قائم کرتا رہے گا۔ اس کے اس انتقاد و ملامت پر کوئی ایسا نہیں۔ جو لوٹ کر اس پر انتقاد و ملامت کر سکیگا۔ وہ مرکز دائرہ میں اور بشریت کی چوٹی پر سوچتا ہے اور کام کرتا ہے۔ اسے کسی چیز کی پروا نہیں ہ

ترکی کے اس بڑے قبیلہ میں کمال اتاترک تنہا رہتا ہے نہ اس کا باپ ہے۔ نہ ماں۔ نہ بیوی۔ نہ بچے۔ نہ جائداد اور نہ دولت ہ

اُس کی معمولی تنخواہ ہے اور اُس پر اسی طرح ٹیکس دینا ہے۔ جس طرح افراد قبیلہ کا کوئی دوسرا شخص دے۔ اُس کی ملکیت میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ وہ ترکوں کو ہبہ کر دیا تھا ہ

اس کے جسم کا ہر ذرہ اور اسکے عناصر لطیف کا ہر عنصر ترکوں اور تنہا ترکوں کی خاطر کام کرتا ہے۔ ایک عام انسان کی سطح پر صرف دو وقت آکر ٹھہرا۔ ایک تو جب اُس نے لطیفہ خانم سے شادی کی۔



کمال اتاترک معہ اپنی بیگم صاحبہ لطیفہ خانم کے

اور دوسرے جس دن اس کی ماں فوت ہوئی ٭

لطیفہ خانم نے اس دن اسے اپنے دامِ حسن و جمال میں اسیر کیا۔ جس دن سمرنا میں داخل ہوا۔ وہ اُسے اسیر نہ کر سکتی۔ اگر جنگ آزادی سے اس بدوی کی طرح باہر نہ نکلا ہوتا۔ جو بے آب و گیاہ صحرا میں ایک مدت تک بھٹکنے پھرنے کے بعد لوٹا ہو۔ لطیفہ نے اس کی تشنگی دُور کی۔ اور اُس کی جنگی ہولناکی و سختی کم کی ٭

جب حالات اپنے معمول پر آ گئے۔ اور کمال پیاسا بدوی نہ رہا۔ تو بیوی کو کھجور کی گٹھلی کی طرح نکال پھینکا۔ اور بستر زوجیت پر سے جہاں مرد کو قرار ہوتا ہے۔ علٰحدہ ہو گیا۔ پھر اُس چوٹی پر چڑھ گیا جہاں مرد کی اطاعت ہے۔ عورت کی اطاعت ہے۔ اور اطاعت سردار کے سوا کچھ نہیں ٭

پھر اُس کی ماں زبیدہ جس سے وہ فی الحقیقت محبت کرتا تھا۔ اور شاید اُس کی تنہا شخصیت تھی جس کے لئے اُس کے قلب کو دھڑکن اور شفقت کو تحریک ہوتی تھی۔ جو اُس کے حکم سے کبھی باہر نہیں ہوا تھا۔ زبیدہ جس کا عقیدہ تھا۔ (جب کمال بچہ تھا) کہ خلیفہ سات اولیاء کی قوت کا مالک ہے۔ اپنی عمر کے آخری ایام میں یہ یقین کرنے لگی تھی کہ اُس کا بیٹا تنہا سات دیووں کی قوت رکھتا ہے۔ یہ زبیدہ فوت

ہو چکی ہے۔ اور اپنی موت سے آخری رشتے کو جو کمال کو بشریت اور محبت بشریت سے مربوط کئے ہوتے تھا۔ قطع کر گئی +

خاتمہ

دائرۂ کبیر اُسی طرح گردش کر رہا ہے اور ایسی تیزی سے گردش کرتا ہے۔ کہ قریب ہے۔ چھ ہاتھ والا انجن بھی نظر نہ آئے +

اس بڑی ہوائی چکی کے مابین سے میں صرف اس قدر دیکھ سکتا ہوں کہ با جبروت دیو اُسی طرح آہن و برف کی طرح جما بیٹھا ہے جیسا کہ تھا۔ تو میں کہتا ہوں۔

"شاید وہ کمال اتاترک ہے" +

نقشِ آخریں

(از خامہ حضرتِ نشتر جالندھری)

کمال اتاترک کو انسان بالاتے انسان حسن عقیدت کی بنا پر یا جوشِ محبت میں نہیں کہا گیا بلکہ انکی فوق الفطرت شخصیت اور معجزانہ کارنامے ہر بالغ نظر و انصاف دوست شخص کو مجبور کر رہے ہیں۔ کہ انکے متعلق یہ حقیقت افروز الفاظ استعمال کیے جائیں۔ کیا تنہا یہی واقعہ انہیں انسان بالائے انسان ثابت کرنے کیلئے کافی نہیں۔ کہ انہوں نے یورپ کے "مرد بیمار" ترکی کو جس کی بیماری اسے موت کی منزل تک لے گئی تھی اپنی مسیحا نفسی سے نہ صرف تندرست کر دیا بلکہ اس قدر قوی الجثہ۔ رنگین تن۔ بہادر اور اولوالعزم بنا دیا۔ کہ اُس کا نام ہی سنکر یورپ کی بڑی بڑی طاقتوں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ مصطفیٰ کمال نے ساحرانہ طاقت سے ترکی کے ہر کہ و مہ کے قالب میں اپنی روح پھونک دی۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ آج مادر ترکی کا بچہ بچہ انتہائی فخر و ناز سے اپنے آپ کو مصطفیٰ کمال کہہ رہا ہے۔ اس فوق الانسان شخصیت کے دل میں جو نیا خیال آتا تھا وہ قوم ترکی اور وطن ترکی کی فلاح و بہبود اور اوج و کمال کے لئے ہوتا تھا۔ اور وہ خیال دیکھتے ہی دیکھتے لباس عمل پہن لیتا تھا۔ دیکھ لیجئے۔ جونہی اُسے

خیال آیا۔ کہ ہر چیز ترکی رنگ میں نظر آنی چاہیئے۔ فوراً حکم دیدیا۔ کہ قرآن۔ نماز اور اذان کا ترجمہ ترکی میں کر دیا جائے! اور یہ فرائض اسی زبان میں ادا کیے جائیں تاکہ ہر کس و ناکس انکے مفہوم و قوت روحانی سے پوری طرح متاثر ہو سکے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں سرزمین ترکی کا چپہ چپہ اسی رنگ میں رنگا ہوا نظر آنے لگا آپ اس فعل کو حکومت ترکی کی اجتہادی غلطی سے موسوم کر کے اس کے خلاف جو چاہیں کہ لیں۔ لیکن اس حقیقت سے سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتے۔ کہ ادھر کمال نے ایک چیز کا ارادہ کر لیا۔ اُدھر وہ بجلی کی تیزی کے ساتھ قوت سے فعل میں آ گئی۔

ان کی قوت ارادی کا ایک اور کمال دیکھیئے۔ کہ وہ ایک موقع پر قوم کو تلقین کر رہے ہیں "ہر ترک سپاہی بن جائے! اور صرف اپنے زور بازو پر اعتماد کرے۔ زندہ وہی شخص رہ سکتا ہے۔ جو ہر وقت مرنے کے لئے تیار رہے" اس کا یہ اثر ہوتا ہے۔ کہ ہر ترک مجاہد بن کر شمشیر بکف میدان میں اُتر آتا ہے! اور ترکی کی فضا تکبیر و تہلیل کے نعروں اور تلواروں کی جھنکاروں سے گونجنے لگتی ہے۔ پھر جب مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ تو یہی تیغ زن سپاہی امن و صلح کا دیوتا بن جاتا ہے! اور ملک کے گوشے گوشے میں حرب و ضرب کے شعلوں کے بجائے سکون و آشتی کے پھول برسنے لگتے ہیں۔

میثاق سعد آباد کمال اتاترک کی تاریخ زندگی کا ایک سنہری ورق

اور ان کے میدان حیات کا ایک غیر فانی کارنامہ ہے۔ سید جمال الدین افغانی رح نے اخوت اسلام کا جو خواب دیکھا تھا وہ مدت سے غازی مصطفی کمال رح کے دماغ میں چکر لگا رہا تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر جب کمال رح نے خلافت و سلطنت کے توڑ دینے کا اقدام کیا۔ تو ہندوستان و مصر کے غلام مسلمانوں نے ان پر زبانِ طعن دراز کی لیکن اتاترک رح نے جواب میں کہا۔ کہ اخوتِ اسلامی کا نصب العین برقرار رکھنے کے لئے خلافت و سلطنت کو جیسی کچھ وہ بن چکی تھیں قائم رکھنا ضروری نہیں۔ بلکہ پہلے دنیا بھر کے مسلمانوں کو اپنی اپنی جگہ ملکی اور جمہوری آزادی حاصل کرنی چاہئے پھر انہیں یورپ کی استعمار پسند و استبداد پرست حکومتوں کے اثرات سے کلیتہً آزاد ہو کر اپنے مفاد کی وحدت و یک رنگی کے لئے آپس میں سیاسی۔ اقتصادی معاشرتی اور ثقافتی تعلقات مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے چاہئیں۔

اس کے بعد اتاترک رح نے اپنے اس پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے عراق۔ ایران اور افغانستان کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم کرنے کی غرض سے ایک معاہدہ مرتب کیا۔ جس پر ان چاروں اسلامی سلطنتوں کے نمائندگان خصوصی نے مہر تصدیق و توثیق ثبت کی یہی معاہدہ تاریخ میں میثاق سعد آباد کے نام سے مشہور ہے۔ مقام مسرت ہے۔ کہ وہی اقوام اسلام جو جنگ عظیم سے پہلے کفار کے شر انگیز پروپیگنڈے

سے متاثر ہو کر ایک دوسری کی خون کی پیاسی ہو رہی تھیں آج باہم شیر و شکر ہو کر اخوتِ اسلامی کا روح پرور منظر پیش کر رہی ہیں۔ اس طرح ذات جامع المتفرقین نے سید جمال الدینؒ کے خواب کی تعبیر غازی مصطفیٰ کمالؒ کے ہاتھوں پوری کرا دی۔

کثرتِ کار کے باعث آخر کمال اتاترک بیمار رہنے لگے چنانچہ نومبر ۱۹۳۸ء میں جب مجلس کبیر ملیہ ترکیہ کا افتتاح ہوا۔ تو علالت کے باعث وہ خود افتتاح نہ کر سکے لیکن اپنی تقریر لکھوا کر بھجوا دی۔ جو نہ صرف ارکان مجلس کبیر ملی سفرائے دول خارجہ اور ایوان کے باہر لاکھوں انسانوں کے ازدحام نے سنی۔ بلکہ ریڈیو کے ذریعے سے سارے ملک میں بھی نشر کی گئی۔

مجلس کبیر ملی میں غازی جلال بایار وزیر اعظم نے یہ تقریر پڑھ کر سنائی۔ جس میں پہلے تو اہم امور داخلہ کا ذکر کیا گیا تھا پھر ترکی کی خارجہ حکمت عملی واضح کرتے ہوئے بتایا گیا تھا۔ کہ بعض حکومتوں سے بلا اختصاص و امتیاز ترکی کے تعلقات خوشگوار ہیں۔ ہمیں نہ کسی حکومت سے دشمنی ہے۔ اور نہ کسی سے غیر معمولی دوستی ترکی نے اقتصادی پروگرام کی تکمیل کے لئے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ گنی انگلستان سے اور ایک کروڑ ڈھائی لاکھ گنی جرمنی سے قرضہ لیا ہے۔ اس کا فرض ہے۔ کہ ان رقوم سے مجوزہ



کمال اتاترک کی سب سے آخری تصویر بیماری کی حالت میں

پروگرام کے مطابق صنعتی ترقی کے میدان میں گرم تگ و تاز ہو۔ ترکی کو چاہیے۔ کہ اپنی حفاظت آپ کرے۔ سیاست۔ امن اور صداقت کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور اپنے ملک میں کسی سلطنت کے نفوذ و اثر کو بڑھنے سے نہایت سختی کے ساتھ روک دے +

اخبار "البلاد" بغداد میں کمال اتاترک کے آخری لمحات کے حسب ذیل حالات شائع ہوتے تھے۔ جو جریدۂ مذکور کے نامہ نگار خصوصی نے استنبول سے بھیجے تھے :-

"۹ نومبر کو شام کے وقت اس خبر سے سارے استنبول میں تہلکہ پڑ گیا۔ کہ اتاترک کی حالت خراب ہو گئی۔ اور بیماری نے دوبارہ حملہ کیا ہیں نے گھنٹوں دولمہ باغ کے چکر کاٹے۔ مگر کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ ایک فوجی افسر سے اتنا پتہ چلا۔ کہ اتاترک پر دوبارہ فالج گرا۔ آج صبح انکا ملازم خاص مل گیا۔ جس نے مجھے بتایا۔ اگرچہ ڈاکٹروں نے سخت تاکید کردی ہے۔ کہ اتاترک چالیس دن تک کوئی دماغی کام نہ کریں۔ مگر یہ فدائے وطن و ملت کب خاموش بیٹھنے والا تھا صحت یابی کے دوسرے ہی دن انہوں نے سرکاری کام کی انجام دہی پہلے سے زیادہ انہماک کے ساتھ شروع کردی اور بحری فوج کے جدید انتظام کا سارا پروگرام خود مرتب کیا۔ رشدی آراس منع کرتے تھے لیکن اتاترک یہ جواب دیتے تھے۔ بیکار بیٹھنے سے تو یہ اچھا ہے کہ میں

وطن و ملت کی خدمت انجام دے کر مر جاؤں"۔

"۸ نومبر کو حجاز اور یمن کا ایک وفد عبداللہ مرتضیٰ کی سرکردگی میں آیا جو اگرچہ بظاہر مزاج پرسی کیلئے آیا تھا لیکن اس کا اصل مقصد یہ تھا۔ کہ یمن۔ شام اور نجد و حجاز کو معاہدۂ سعد آباد میں شریک کیا جائے۔ مصطفیٰ کمال رح ان سے دن بھر باتیں کرتے رہے! اور سامان حرب کی فراہمی نیز جنگی جہازوں کی تیاری کے متعلق انہیں مشورہ دیتے رہے۔ رشدی نے دوبارہ عرض کی۔ کہ ذرا آرام فرما لیجئے۔ اتاترک رح نے جواب دیا۔ کہ "زندگی کا ہر لمحہ بڑا قیمتی ہے معلوم نہیں۔ سانس کب رک جائے"۔ چنانچہ معاہدہ مرتب کیا گیا۔ اور شام کے بعد چراغ جلے معاہدہ کی کاپی صاف ہو کر پیش ہوئی۔ اتاترک رح نے سب سے پہلے اپنی شرائط پیش کیں! اور یہ الفاظ زبان سے ارشاد فرمائے "خدا کا شکر ہے۔ کہ آج اتحادِ اسلامی کا پروگرام مکمل ہو گیا۔ جو خداوند عالم نے میرے سپرد کیا تھا"۔

"عربی وفد کے ارکان نے اپنے دستخط کر دیئے۔ تو اتاترک رح دوسرے کمرے میں چلے گئے وہاں انہوں نے انگڑائی لی جس سے چکر آ گیا! اور وہ کرسی پر گر پڑے۔ میں نے دوڑ کر توفیق رشدی کو خبر کی۔ وہ گھبرائے ہوئے اندر آئے تو اتاترک پر تشنج کا دورہ شروع ہو گیا تھا۔ توفیق پاشا نے خاص ڈاکٹروں کو اطلاع دی۔ جو باغیچے کی بیرونی جانب مقیم تھے۔ اور دوسرے ڈاکٹروں کو

ٹیلیفون کیا۔ انہوں نے آکر ٹیکے کئے مگر تشنج کے دورے بڑھنے لگے۔

"جس وقت دورہ پڑتا تھا۔ بوٹی بوٹی پھڑکنے لگتی تھی۔ تمام رات بےچینی میں بسر ہوئی۔ ڈاکٹر ٹیکے اور مالش کی ہدایت کرتے تھے۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوتا تھا۔ صبح ہوتے ہوتے گھنگرو بولنے لگا۔ اور ایک گھنٹہ کے بعد اس مجاہد اعظم اسلام کی روح عالم بالا کو پرواز کر گئی"۔

انتقال سے تھوڑی دیر پہلے اتاترک نے توفیق رشدی کو روتے دیکھ کر کہا:-

"پیارے دوست! تم پرواہ نہ کرو۔ میں راضی برضائے مولا ہوں۔ اگر خدا تعالیٰ کو مجھ سے کام لینا منظور ہے اور ملت اسلامیہ کی خدمت کرنا میری قسمت میں ہے۔ تو میں ہرگز نہ مرونگا! اور اگر میرا وقت آگیا ہے۔ تو میں خوشی سے دنیا کو خیر باد کہنے کے لئے تیار ہوں۔ اگر میں مر جاؤں۔ تو تم دنیائے اسلام کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا۔ کہ زندگی حرکت کا نام ہے۔ اگر مسلمانوں کو زندہ رہنا ہے۔ تو وہ رسول عربی کے نقش قدم پر چلیں۔ سادہ زندگی اختیار کریں۔ محنت و مشقت کو اپنا شعار بنائیں۔ فضول ٹیپ ٹاپ اور تضیع اوقات سے پرہیز کریں۔ اور فوجی ضبط و نظام سے رہیں۔ جس طرح فاروق اعظمؓ نے پیروانِ اسلام کو فوجی نظام کی تاکید کی تھی۔ رسول اللہؐ کے حکم کے مطابق علم حاصل کریں۔ اور زندگی کا ایک لمحہ بھی

بیکار نہ جانے دیں"+

کمال اتاترکؒ کے انتقال پر عالم اسلام بلکہ تمام دنیا میں صف ماتم بچھ گئی۔ جنازہ شاہانہ تزک و احتشام سے اُٹھایا گیا۔ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی، جو اشکبار نہ ہو۔ کوئی ہاتھ ایسا نہ تھا۔ جو سینہ کوب نہ ہو اور کوئی دل ایسا نہ تھا۔ جو نوحہ گر نہ ہو۔ تابوت تین دن تک دولمہ باغیچہ محل میں مغربی ممالک کے دستور کے مطابق میّت کو شاہی لباس پہنا کر کھُلے منہ رکھّا گیا۔ تاکہ زائرین صورت دیکھ سکیں۔ اور دعائے خیر کر سکیں۔ چند ترکی جرنیل پہرے پر کھڑے ہو گئے۔ اور جمہوریہ ترکیہ کے چھ مشہور اصولوں کی رعایت سے وہاں چھ خوبصورت و شاندار مشعلیں روشن کی گئیں۔ ترکی اور غیر ممالک کے زائرین کا تانتا بندھ گیا۔ اور تیسرے دن جب تابوت اُٹھایا جانے والا تھا۔ لوگ اس خیال سے کہ شاید پھر منہ دیکھنا اور دعائے خیر کرنا نصیب ہو یا نہ ہو۔ جوق در جوق آنے لگے اور آن کی آن میں تقریباً ۵ لاکھ سوگوار انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ یہانتک کہ اس بے پناہ ہجوم کے ریلے میں ۲۰ آدمی جان بحق ہو گئے۔ تابوت پر پھولوں کی بارش ہونے لگی اور اندازہ کیا گیا۔ کہ صرف بیرونی ممالک کے سفیروں نے ستر ہزار پھولوں کی چادریں پیش کیں+

مقررہ وقت پر غمزدہ مردوں۔ عورتوں اور بچوں کے جگردوز نالہ و شیون اور فلک شگاف چیخوں کے درمیان تابوت اُٹھایا گیا۔ اور انگورہ میں لے جاکر



ترک عورتیں، مرد اور بچے کمال مرحوم کے تابوت پر دعائے خیر کر کے محل سے باہر نکل رہے ہیں۔

(۲۰ نومبر کو جب تابوت کے رکھے رہنے کا آخری دن تھا اور لوگوں کو اندیشہ تھا کہ اس کے بعد منہ دیکھنے اور دعائے خیر کرنے کا موقع نہیں مل سکے گا تقریباً لاکھ آدمی جمع ہو گئے اور اس عظیم الشان ہجوم کے ریلے میں بیس آدمی جاں بحق ہوئے۔)



کمال اتاترک کے لئے اشک باری

(استنبول کے ایک چوک میں مرحوم کی تعزیت کے اظہار میں ترک مرد، عورتیں، بچے متوفی سے بے قابو ہو کر ڈاڑھیں مار کر رو رہے ہیں۔)



کمال اتاترک کا تابوت استنبول کے ڈولمہ باغچہ محل کی تختگاہ کے ہال میں

(جیسا کہ مغربی ممالک میں دستور ہے۔ کہ بادشاہ کی میت کو مکمل شاہی لباس پہنا کر منہ کھلا رکھتے ہیں۔ اور تین دن تک وہیں رہنے دیتے ہیں۔ تاکہ لوگ منہ دیکھ سکیں۔ اور دعائے خیر کر سکیں۔ جمہوریہ ترکیہ کے چھ مشہور اصولوں کی رعایت سے چھ شمعیں روشن کی گئی ہیں۔ ڈ مرحوم کی تعظیم اور احترام میں ترکی جرنیل خود پہرہ دے رہے ہیں۔)

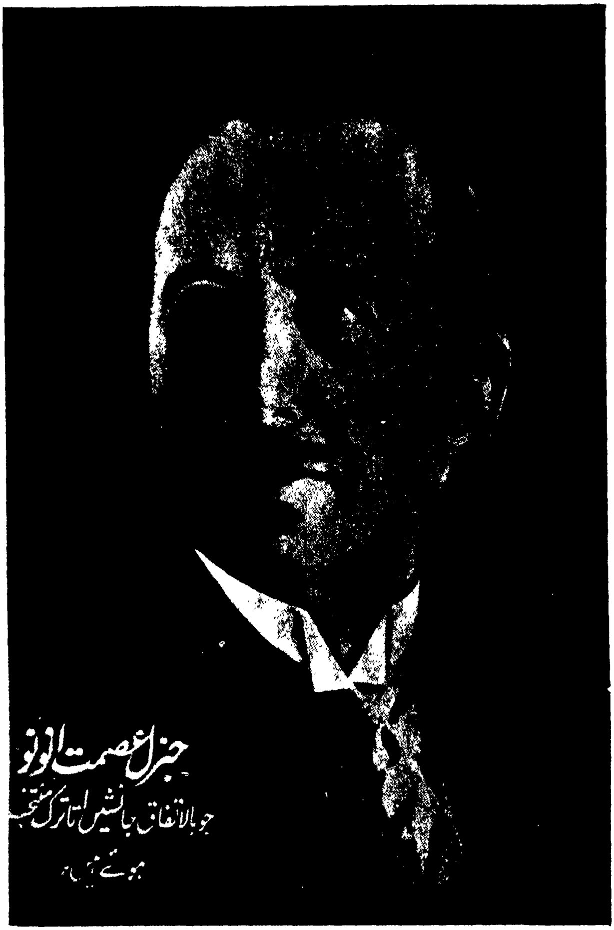
اس انسان بالا تے انسان کے جسدِ مبارک کو آغوش لحد میں لٹا دیا گیا۔
لیکن تجویز یہ ہے۔ کہ تابوت کو اناطولیہ کے پہاڑوں میں منتقل کیا جائے۔
جہاں کے ہر سنگریزے سے گوش شنوا میں یہ آواز آرہی ہے۔ کہ رحمت کے
موتی برسیں اس کے مزار پر اور قیامت کے دن شہنشاہ کونین صلعم کی
شفاعت کے طفیل حور و غلمان بڑھ بڑھ کر استقبال کریں اس مرحوم و مغفور
کا جس نے دنیا میں قوم ترکی کو موت و ذلت کے جہنم سے نکال کر زندگی
و سرافرازی کی جنت میں داخل کر دیا۔" اس کے بعد کوئی موزوں جگہ منتخب
کر کے وہاں ایک عالیشان مقبرہ تعمیر کیا جائے تاکہ اس کے در و دیوار زبان
حال سے آئندہ نسلوں کو درسِ حیات دیتے رہیں ؎

ابر رحمت ان کے مرقد پر گُہر باری کرے
حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

زندگی کے اہم واقعات

ایک نظر میں

سنہ ۱۸۸۱	مصطفیٰ کمال کی پیدائش
سنہ ۱۸۸۹ء	ترکی میں قیصر جرمنی کی آمد
سنہ ۱۹۰۳ء	مصطفیٰ کمال مکتب حربیہ میں
سنہ ۱۹۰۵	مصطفیٰ کمال سٹاف کالج میں
سنہ ۱۹۰۶ء	جمعیت اتحاد و ترقی کا قیام
سنہ ۱۹۰۹	سلطان عبدالحمید کی معزولی
سنہ ۱۹۱۱	جنگ طرابلس
سنہ ۱۹۱۲	جنگ بلقان
سنہ ۱۹۱۴	جنگ عظیم
سنہ ۱۹۱۵	گیلی پولی میں ترکوں کی کامیابی
سنہ ۱۹۱۷	مصطفیٰ کمال جرمنی میں
سنہ ۱۹۲۰	مجلس ملی کا افتتاح
سنہ ۱۹۲۲	یونانیوں کی شکست
سنہ ۱۹۲۳	معاہدہ لوزان
سنہ ۱۹۲۴	خلافت کا خاتمہ
سنہ ۱۹۲۸	لاطینی حروف کا اجراء
سنہ ۱۹۳۲ء	مصطفیٰ کمال کی جدید حکمت عملی
سنہ ۱۹۳۸ء	مصطفیٰ کمال کا انتقال



جنرل عصمت انونو

جو بالاتفاق جانشین اتاترک منتخب ہوئے ہیں۔

جس وفد کا صدر رؤف ہو۔ وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ عقل اور فرض میں فرق نہیں دیکھتا۔ لیکن رؤف اپنی صدارت پر مُصر رہتا ہے اور کوشش کرتا ہے۔ کہ عصمت کو اپنا مشیر بنا کر ساتھ لے جانے پر رضامند کرے۔ مگر کمال کہتا ہے۔ کہ اگر عصمت صدر وفد ہو۔ تو بہت بڑے فائدے کی توقع ہے۔ رؤف اس رائے سے اتفاق نہیں کرتا۔ اور اپنی ذات کے لئے سیاسی پروپیگنڈا کرنے لگتا ہے۔

اس اثنا میں عصمت اپنی مہم صلح موادینہ میں پورے طور پر انجام دیتا ہے اور بروسہ کیطرف جاتا ہے۔ جہاں کمال اس سے جا ملتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے کہ موڈانیہ میں کیا انجام پایا۔ کمال کو اس کی سیاسی قابلیت پر پورا یقین ہے اور وہ اُسے صدر وفد بنانے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے۔

خاص اسی دن یوسف کمال وزیر خارجہ کو تار دیکر متوقع ہوتا ہے کہ وہ عصمت کو صدر وفد بنانے کی تمہید میں مستعفی ہو کر اپنی جگہ اُس کیلئے چھوڑ دے۔ وزیر بخوشی خاطر استعفا دیدیتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ وہ اس خیال کو پسند کرتا ہے۔

ایک دن مصطفیٰ کمال عصمت کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس سے حکمی اور متین لہجہ میں کہتا ہے۔ کہ وہ وزیر خارجہ اور گفتگوئے مصالحت کے وفد کا صدر مقرر کیا گیا ہے۔

عصمت کے چہرے پر تردد اور حیرت ظاہر ہونے لگتی ہے۔ اور یہ مرد جنگ دو منصب قبول کرنے سے اپنا عذر پیش کرتا ہے۔ کیونکہ وہ سپاہی ہے۔ اور سپاہی میدان سیاست میں بہتر ثابت نہیں ہو سکتا لیکن مصطفیٰ کمال جب اس کی رائے نہیں مانتا تو عصمت اُسے فوجی لہجے میں کہتا ہے۔

"تو میں اس تجویز کو فوجی حکم سمجھ کر قبول کرتا ہوں"۔

۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۲ء کو لوزان میں مؤتمر صلح منعقد ہوتی ہے اور دونوں صدر ایک دوسرے کے بالمقابل بیٹھتے ہیں۔ کرزن اتحادی وفد کا صدر۔ اور عصمت ترکی وفد کا صدر۔

کرزن انگریزی لارڈ مغلوب الغضب اور ندامت پرست جب سے مؤتمر میں بیٹھتا ہے اس بات کی کوشش کرتا ہے۔ کہ اپنے خیالات محض دنیا پر فرض ثابت کر دکھائے اس سے شروع سے آخر تک ناکام رہتا ہے۔ اور گفتگوئے مصالحت کرنے والوں کے درمیان آماجگاہ تمسخر بنتا ہے۔

اثنائے گفتگو میں وہ شیخی اور رعب و داب کی نمائش پر زیادہ زور دیتا ہے۔ اور اُسے کچھ خیال نہیں ہوتا۔ کہ وہ ایک ایسے وفد کے ساتھ گفت و شنید کر رہا ہے جس کے پیچھے ایک لشکر جرار ہے۔ اور فتح کا جھنڈا اُٹھائے ہوئے ہے۔ عصمت اس کا مقابلہ ایسی سیاسی بے اعتنائی سے کرتا ہے کہ

کمال اتاترک کا جانشین

جنرل عصمت پاشا

۱۱ نومبر ۱۹۳۸ء کو ترکی اسمبلی نے اتفاق رائے سے جنرل عصمت اینونو وزیر اعظم جمہوریہ ترکیہ کو کمال اتاترک کی جگہ صدر منتخب کیا۔ انکی عمر اٹھاون سال کی ہے وہ ابتدائے انقلاب سے کمال اتاترک کے ساتھ رہے ہیں۔ ۱۹۲۳ء میں جنرل عصمت اینونو وزیر اعظم منتخب ہوئے تھے۔ مگر خرابی صحت کی بنا پر مستعفی ہو گئے تھے۔ ۱۹۲۴ء کے آخر میں دوبارہ وزیر اعظم مقرر کئے گئے۔ دول یورپ کے مقابلے میں لوزان کانفرنس میں ان کی کامیابی ان کا عظیم الشان کارنامہ ہے ترکی کا اقتصادی۔ سیاسی۔ مذہبی اور مجلسی انقلاب ان کی مساعی جمیلہ کا آئینہ دار ہے۔ وہ ہر سکیم کو کامیابی کے ساتھ چلاتے رہے۔ انکے عہد وزارت میں خلافت معدوم کر دی گئی۔ خانقاہیں بند کر دی گئیں۔ علماء کو سیاسیات سے برطرف کر کے ان کی سرگرمیاں صرف مسجدوں

تک محدود کر دی گئیں۔ دیوانی عدالتوں میں سوئٹزر لینڈ کا دیوانی قانون نافذ کیا گیا۔ فیض ٹوپی کی جگہ ہیٹ کو رواج دیا گیا۔ وہ پندرہ سال تک میدان جنگ میں اور سیاسی اور مجلسی اصلاحات کی ترویج میں کمال اتاترکؒ کے دست راست رہے۔ گزشتہ سال اکتوبر میں وہ پھر خرابیٔ صحت کی بنا پر کامل آرام کی غرض سے سیاسیات سے کلیتہً کنارہ کش ہو گئے تھے۔

شیخ نیاز احمد تاجر کتب و پبلشر نے اپنے علمی پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام میاں فیروز الدین پرنٹر چھپوا کر کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا